جدید فقہی مباحث

اسلام اور امن عالم

بحث و تحقیق

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

بانی

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جلد (۱۹)

ناشر

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

کئے جاتے ہیں اور انہیں ظالم اور دہشت گرد بھی قرار دیا جاتا ہے، اسرائیل اب تک کئی بار قتل عام کا مرتکب ہو چکا ہے، لیکن اسے یہودی دہشت گرد نہیں کہا جاتا، سربوں نے بوسنیا کے مسلمانوں پر ایسے مظالم روا رکھے ہیں کہ شاید درندے بھی انہیں دیکھ کر شرمسار ہوتے ہوں گے، لیکن انہیں عیسائی یا سرب دہشت گرد نہیں کہا جاتا، لیکن فلسطینی اگر ظلم کے خلاف آواز اٹھائیں توپ کے گولوں کے مقابلہ میں پتھر پھینکیں اور ہولناک میزائلوں کے جواب میں غلیل استعمال کریں تو وہ دہشت گرد کہے جاتے ہیں۔

انسانی فطرت یہی ہے کہ ردعمل میں بعض دفعہ قانون کے حدود ٹوٹ جاتے ہیں، اس لئے ایسے واقعات بھی سامنے آتے ہیں کہ بعض دفعہ اور بعض علاقوں میں انتقامی اور جوابی کارروائی میں شریعت کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز ہوتا ہے، مسلمان خواہ کتنے ہی دشوار حال میں ہوں وہ بہرحال خیر امت ہیں اور ان کی حیثیت انسانیت کے لئے داعی و ہادی اور رہبر و رہنما کی ہے، اس لئے انہیں ایک طرف مغرب کے پروپیگنڈہ کا جواب دینا ہے اور اسلام کی حقیقی تعلیمات بھی قوموں کے سامنے پیش کرنی ہیں اور دوسری طرف مشکل اور صبر آزما حالات میں بھی اپنے آپ کو اسلامی تعلیمات پر ثابت قدم رکھنا اور عملی طور پر اسلامی اخلاق کی تصویر دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔

اسی پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے چودہویں فقہی سمینار کے موضوعات میں ایک اہم موضوع "اسلام اور امن عالم" رکھا گیا تھا، جس میں اسلامی نقطہ نظر سے دہشت گردی کی حقیقت، ریاستی اور عوامی دہشت گردی، ردعمل اور انتقام کے سلسلے میں شرعی حدود، مدافعت کا حکم اور اس سلسلے میں شرعی اصول، نیز دہشت گردی کے تدارک کے لئے اسلامی تعلیمات جیسے اہم مسائل پر اہل علم کو بحث کی دعوت دی گئی تھی، بحمد اللہ دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد میں منعقد ہونے والے اس سمینار میں خود اور اپنے رفقاء کے ۳۲ مقالات آئے،

سوالنامہ:

اسلام اور امن عالم

اسلام امن و آشتی اور صلح و سلامتی کا مذہب ہے، اس نے انسانی زندگی کی حرمت کو اتنی اہمیت دی ہے کہ ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے، اور اگر کسی مسلمان ملک میں غیر مسلم اقلیت آباد ہو تو اس کی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، نیز نجی زندگی سے متعلق معاملات میں انہیں اپنے مذہب پر چلنے کی آزادی دی گئی ہے، اس نے نہ صرف ظلم و تعدی سے روکا ہے بلکہ ظلم کے جواب میں بھی دوسرے فریق کے ساتھ بھی حد انصاف سے متجاوز ہو جانے کو ناپسند کیا ہے اور انتقام کے لئے بھی مہذب اور عادلانہ اصول و قواعد مقرر کئے ہیں۔

لیکن بدقسمتی سے زیادہ تر اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کی نیت سے اور کسی قدر غلط فہمیوں کی بنا پر اس وقت عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گردی سے جوڑ دیا گیا ہے اور اس جھوٹ کو اس قدر دہرایا گیا ہے کہ اب ایک طبقہ اسلام اور دہشت گردی کو مترادف سمجھنے لگا ہے، ان حالات میں علماء، فقہاء اور ارباب افتاء کی ذمہ داری ہے کہ دہشت گردی کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کو واضح کریں اور اسلام نے امن، صلح، عدل، مذہبی رواداری اور غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک کی جو ہدایات دی ہیں، ان کو واضح کریں، تا کہ لوگوں کے سامنے اسلام کی حقیقی اور صحیح تصویر آسکے۔

اس پس منظر میں درج ذیل سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

۱- اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی کی تعریف اور حقیقت کیا ہے؟

۲- یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات حکومتیں اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل و مساوات کا سلوک نہیں کرتیں، بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی و معاشی ناانصافی روا رکھی جاتی ہے، اور کبھی تو ان کے جان و مال کے تحفظ میں بھی دانستہ کوتاہی سے کام لیا جاتا ہے یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں کی جاتی ہیں کہ وہ طبقہ جانی و مالی نقصان سے دوچار ہو تو کیا حکومتوں کے اس غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ پر بھی دہشت گردی کا اطلاق ہوگا؟

۳- اگر کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار جائز ہے یا واجب؟ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے اس بات کو بھی ملحوظ رکھا جائے کہ کیا مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا بھی دہشت گردی کے دائرہ میں آتا ہے؟

۴- اگر ایک طبقہ کی طرف سے ظلم و زیادتی ہو جس میں اس طبقہ کے کچھ افراد شریک ہوں تو کیا مظلوموں کو ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لینا جائز ہے جو بے قصور ہوں اور جو خود اس ظلم میں شامل نہ ہوں؟

۵- جہاں بھی دہشت گردی پیدا ہوتی ہے وہاں اس کے کچھ بنیادی اسباب و محرکات ہوتے ہیں، جیسے کسی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی ناانصافی، یا کسی گروہ کے اندر طاقت و قوت کے ذریعہ حکومت اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کر لینے کی خواہش، ان اسباب کے تدارک کے لئے اسلام کیا ہدایات دیتا ہے؟

۶- اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو اس کے دفاع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا حتی المقدور مدافعت واجب ہے، مباح ہے یا مستحب؟ نیز حق مدافعت کے حدود کیا ہیں؟

تلخیص مقالات:

اسلام اور امن عالم

تلخیص: مولانا محمد ہشام الحق ندوی

سوال نمبر ا:

اسلامی نقطہ نظر سے دہشت گردی کی تعریف اور حقیقت کیا ہے؟

مقالہ نگار حضرات نے متعدد عربی، اردو لغات، فقہ اسلامی کے مستند مآخذ اور عصر حاضر کے بعض انگریزی اور اردو علمی مراجع سے استفادہ کرتے ہوئے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ بعض مقالہ نگار حضرات نے موضوع سے متعلق کچھ نئی بحثیں بھی چھیڑی ہیں، مثلاً یہ کہ دہشت گردی کے پیدا ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ اسلامی نقطہ نظر سے انسداد دہشت گردی کی تدابیر کیا ہیں؟ کن امور پر دہشت گردی کا اطلاق ہوگا اور کن پر نہیں ہوگا؟ دہشت گردی اور جہاد، اور دہشت گردی اور آزادی کی لڑائی میں کیا فرق ہے؟

بعض حضرات نے دہشت گردی کی مغربی اور امریکی تعریفات بھی ذکر کی ہیں اور ان کا علمی جائزہ بھی لیا ہے۔ مقالہ نگار حضرات کا عام احساس یہ ہے کہ مسلمانوں کو مغربی میڈیا اور مغربی طاقتوں کی پیدا کردہ اس بدنام زمانہ اصطلاح سے مرعوب ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں اور یہ کہ امریکہ، عالمی صیہونیت اور یوروپی ممالک کے تصورات کے برعکس ہمیں قرآن وسنت اور اسلامی مصادر کی روشنی میں اس کی تعریف اور اس کے صحیح تصور پر غور کرنا چاہئے۔ (ملاحظہ ہو: مقالہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی (دمشق)، شیخ محمد علی تسخیری (ایران)، سید خورشید حسن رضوی، مولانا سید محمد

ڈاکٹر محسن شاہ سیالوی (رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)، مولانا تقی الدین غازی فاتی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی وغیرہ)۔

اس سلسلے میں شیخ محمد علی تسخیری نے مندرجہ ذیل چار نکات پر زور دیا ہے:

اول سب سے پہلے اسلامی مصادر کی طرف رجوع کیا جائے تاکہ تعلیمات کا سبب بننے والے بلند مقاصد کو ذہن میں رکھا جا سکے اور ان اصولوں کا علم حاصل ہو سکے جنہیں اسلام ان اغراض و مقاصد کے انسانی پہلوؤں کی اساس قرار دیتا ہے اور بالفاظ دیگر ان کو مسائل کے حل میں معیار بنایا جا سکے۔

دوم: محدود مفادات کی آمیزش سے پاک اصل انسانی فطرت کا استقراء کیا جائے تاکہ ایسے انسانی اصولوں کی تلاش کی جا سکے جنہیں عمومی انسانی معیار کے طور پر بین الاقوامی سطح پر پیش کیا جا سکے اور ہمارے نتائج تحقیق بین الاقوامی سطح کے مختلف میدانوں پر حاوی ہوں اور عمومی تحقیق کاری کی تکمیل کے لئے موزوں ہوں۔

سوم: مذکورہ انسانی اور اسلامی مبادیات کی روشنی میں ایک عمومی تعریف اخذ کی جائے جو جامع مانع ہو اور دہشت گردی کے حقیقی عناصر کو محیط ہو اور یہ تعریف دہشت گردی کے مزعومہ مصداقات کو اپنے دائرہ میں داخل کرنے سے روکنے والی ہو تاکہ بعد ازاں مذکورہ اصولوں کو اس کا مصداق متعین کیا جا سکے۔

چہارم: اس کے بعد ہمیں دہشت گردی کے ان واقعی تصورات کا جائزہ لینا چاہئے جو قومی اور بین الاقوامی سطحوں پر رائج کئے جا رہے ہیں۔ مذکورہ نتائج و اثرات کی روشنی میں ان کی تحقیق کرنی چاہئے پھر پوری دقت نظر کے ساتھ ان پر مناسب حکم لگانا چاہئے تاکہ کسی قسم کا التباس باقی نہ رہ جائے اور ہر عمل کی حقیقی حیثیت متعین ہو جائے۔

شیخ محمد علی تسخیری، مولانا ابوالقاسم ندوی، مولانا تقی الدین غازی فاتی، مولانا

قمر الزمان ندوی، مولانا حبیب الرحمن عتیق سنبھلی ندوی، مولانا محمد شمس الدین، شیخ حبیب اللہ قاسمی

اور مولانا ابراہیم تحیا فلاحی نے مغرب پر اس بات کے لئے سخت تنقید کی ہے کہ وہ اب تک نہ

اصطلاح کی کوئی جامع تعریف طے کر سکا اور اقوام متحدہ کی زیر نگرانی دنیا کے بڑے بڑے ممالک

دہشت گردی کی کسی جامع تعریف پر آج تک اتفاق کر سکے۔ الا جناب الدینی ڈاکٹر عزیز بہ ظفری نے

مقدمہ شیخ محمد علی ظہیری ۔

عمومی تعریف:

مولانا مبارک حسین ندوی اور مولانا محی الدین غازی فلاحی نے "انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا" کے حوالے سے دہشت گردی کی مندرجہ ذیل تعریف نقل کی ہے:

"A systematic use of terror or unpredictable violence against Governments, Publics or individuals to attain a political objective"

(دہشت گردی سیاسی مقاصد کے حصول کی خاطر دہشت یا غیر متوقع تشدد کا منظم استعمال ہے خواہ وہ حکومتوں کے خلاف ہو، عوام کے خلاف ہو یا افراد کے خلاف ہو)۔

مولانا محی الدین غازی فلاحی نے اس تعریف کو ناقص قرار دیا ہے، کیونکہ ان کے بقول اس تعریف کی رو سے اپنے غصب شدہ حقوق بشمول آزادی کے حصول کے لئے جدوجہد دہشت گردی قرار پاتی ہے اور اس کے برعکس حکومتوں کا اپنے ملک کے بعض طبقات پر ظلم کرنا اور طاقتور ملکوں کا کمزور ملکوں پر ظلم کرنا دہشت گردی نہیں قرار پاتا ہے۔

مولانا حبیب الرحمن عتیق سنبھلی ندوی اور مولانا مبارک حسین ندوی کے بقول نیشنل سیکورٹی ایکٹ ۱۹۸۲ء میں دہشت گردی میں ملوث شخص کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"دہشت گرد ایسا شخص ہے جو کسی قانون کے ذریعہ قائم شدہ حکومت کو مرعوب یا مشتعل کرنے کی غرض سے یا عوام یا ان کے ایک طبقہ میں خوف و ہراس پیدا کرنے کے لئے بم،

عدو اللہ" (اس آیت کا ذکر تقریباً تمام مقالہ نگاروں نے کیا ہے)۔ سورۃ اعراف میں ہے: "واسترھبوھم" سورۃ توبہ میں ہے: "وایای فارھبون"۔ مولانا موصوف کے بقول مجموعی طور پر ہر جگہ اس کا مفہوم ڈرنا اور ڈرانا ہی ہے۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، ڈاکٹر محمد عظیم اصلاحی، مفتی عبدالرحیم قاسمی اور مولانا مجیب الرحمن عتیق سنبھلی ندوی نے سورۃ انفال میں مذکور "ترھبون به عدو اللہ" کو ایک عسکری حکمت عملی، دفاعی پوزیشن اور دشمن کو جارحیت سے باز رکھنے کی کوشش سے تعبیر کیا ہے اور اسے ایک معقول اور فطری انسانی تدبیر قرار دیا ہے۔ سید خورشید حسن رضوی نے "ارہاب" کو اسلام کی خارجی حکمت عملی کا ایک لازمی جز قرار دیا ہے۔

اسلامی تعریف:

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک دہشت گردی سے مراد قتل و فساد کی وہ تمام شکلیں ہیں جن کے ذریعہ کسی ایک فرد یا ایک طبقہ میں خوف و ہراس پیدا کر کے اس کی جان و مال، عزت و آبرو، وطن، دین اور عقیدہ کو خطرہ سے دوچار کیا جائے، خواہ یہ عمل کوئی ایک شخص کرے یا ایک جماعت یا ایک حکومت کرے (دیکھئے: مقالہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مولانا عثمان احمد اصلاحی، مولانا برہان الدین سنبھلی، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا سعید الرحمن فاروقی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی وغیرہ)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے دہشت گردی کی مذکورہ نوعیت کو الٰہی شرائع، عقل، منطق اور بین الاقوامی انسانی قانون سے متصادم عمل قرار دیا ہے۔ وہ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ دہشت گردی اپنے محرکات، مناہج اور مقاصد میں ایک ناجائز عمل ہے اور جہاد و مقاومت کا ضابطہ قرآن و سنت نے اسی کے سدباب کے لئے وضع کیا ہے۔ اس رائے کی تائید میں انہوں نے مندرجہ ذیل دلائل دیے ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم" (سورۃ انفال ۶۰) (قتال اور جنگ کی تیاری کے لئے جہاد و قتال کی مشروعیت پر بیشتر مقالہ نگار حضرات نے اس آیت سے استدلال کیا ہے)۔

۲- قرآن میں ہے: "وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم ولا تعتدوا إن الله لا يحب المعتدين" (سورۃ بقرۃ ۱۹۰) (اس آیت سے مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا سعید الرحمن فاروقی اور مولانا نسیم عالم قاسمی نے بھی استدلال کیا ہے)۔

۳- حدیث نبوی ہے: "لا يحل لمسلم أن يروع مسلما" (مسند احمد، سنن ابی داؤد) (کسی مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کو خوف زدہ کرنا جائز نہیں ہے)۔ یعنی اگرچہ وہ مذاق ہی کیوں نہ کرے، بطور مثال کے طور پر اس کا تلوار لے لینا یا تیر سے اس کی طرف اشارہ کرنا یا اس کا سامان لے لینا جس کو وہ اپنے پاس موجود نہ پا کر گھبرا جائے۔

۴- "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" (فیض القدیر ۶/ ۲۳۳) (مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں)۔ ڈاکٹر صاحب کی رائے یہ ہے کہ یہ دو حدیثیں مسلمان اور غیر مسلم سب کے لئے عام ہیں۔ کیونکہ مسلم کا لفظ جس سے ہر ایک انسان ہے جس کو اللہ نے مکرم بنایا ہے اور اس کی جان، دین، عقل، عزت اور مال کو محفوظ قرار دیا ہے، نیز اس لئے کہ اسلام نے دین و مذہب کی تفریق کے بغیر ہر انسان کے حقوق کو تحفظ عطا فرمایا ہے اور کسی بھی انسان پر کسی قسم کی زیادتی کو علی الاطلاق حرام قرار دیا ہے۔ کیونکہ ظلم بذات خود ایک جرم ہے جس کی تائید کوئی مذہب یا کوئی آسمانی طاقت نہیں کرتی ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب نے بین الاقوامی انسانی قانون کے ماہرین کی طرف سے کی گئی دہشت گردی کی مندرجہ ذیل تعریف نقل کر کے جان، مال، عزت اور آبرو کے دفاع والی سے مستثنیٰ قرار دیا ہے: "هو عمل عنيف وراءه دافع سياسي، أيا كانت وسيلته،

يؤدي إلى نشر الرعب والهلع في قطاع معين من الناس، شريطة أن يتعدى العمل الموصوف حدود دولة واحدة أو دول أخرى، سواء ارتكب العمل الموصوف في زمن السلم أو في زمن النزاع المسلح" (وہاب ہنداوی، سرایت قوانین ناقدہ: ڈاکٹر محمد عزیز شکری، سابق ڈین کلیۃ الحقوق، دمشق یونیورسٹی، ص ۲۰۳، طبع دار الفکر المعاصر بیروت ۱۹۹۱۔)

(دہشت گردی ایک ایسا پرتشدد عمل ہے جس کے پس پردہ کوئی سیاسی محرک ہو، خواہ اس کا ذریعہ کچھ بھی ہو اور اس کے نتیجے میں لوگوں کے ایک خاص طبقہ میں خوف و دہشت پھیل جائے بشرطیکہ مذکورہ عمل کسی ایک ملک یا دوسرے ممالک کی حدود سے آگے بڑھ جائے۔ ایسا عمل دہشت گردی ہے خواہ زمانۂ صلح میں کیا جائے یا مسلح جنگ کے زمانہ میں)۔

شیخ محمد علی تسخیری کے نزدیک دہشت گردی ہر وہ عمل ہے جو وسیلہ اور مقصد ہر حیثیت سے دینی اور اخلاقی اقدار سے متصادم ہو۔ شیخ نے مندرجہ ذیل سات نکات پر اس تعریف کا انطباق کیا ہے:

الف- فضائی، بحری اور بری ڈاکہ زنی کی کارروائیاں۔

ب- ہر قسم کی استعماری کارروائیاں بشمول جنگ اور عسکری حملے۔

ج- اقوام کے خلاف اختیار کیے جانے والے عام آمرانہ طریقے اور آمریتوں کو تحفظ دینے والے تمام انتظامات۔

د- ایسے تمام عسکری طور طریقے جو انسانی اقدار و اعراف کے خلاف ہوں جیسے کیمیاوی، نیوکلیائی اور حیاتیاتی اسلحے، آبادیوں کو نشانہ بنانا، گھروں کو برباد کرنا اور شہریوں کو ترک وطن پر مجبور کرنا وغیرہ۔

ہ- جغرافیائی، ثقافتی اور میڈیائی ماحول کو آلودہ کرنے کی تمام کوششیں۔ بسا اوقات دہشت گردی کی تمام اقسام میں فکری دہشت گردی سب سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔

میں خوف و ہراس پیدا کرے اور اس کا ذریعہ قتل و غارت گری ہو۔

مفتی محبوب علی وجیہی نے عدل و انصاف پر مبنی حکومت سے جنگ و مخاصمت کی طرف سے۔ ناحق قتل کو دہشت گردی میں شمار کیا ہے۔

مولانا اسعد قاسم سنبھلی نے مولانا محمد رابع حسنی ندوی کی وہ تعریف نقل کی ہے جو انہوں نے سعودی روزنامہ "الندوہ" کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمائی ہے: "وانما يكون الارهاب عند ما يقوم رجل بالشدة والظلم بدون حق له في اختيار الشدة والاعتداء" (دہشت گردی تو اس وقت ہوتی ہے جب کوئی شخص سختی اور ظلم سے برتاؤ کا حق نہ رکھنے کے باوجود اس پر ظلم و زیادتی کرے) قاضی محمد رؤف منگل اور سید خورشید حسن رضوی کا ماننا ہے کہ دہشت گردی کی اخلاقی اور اسلامی تعریف یکساں ہے۔ مولانا قمر الزماں ندوی اور مولانا ابراہیم تیما قاسمی کے نزدیک موجودہ دور میں مختلف حکومتوں کے سیاسی مخالفین کی طرف سے اپنی حکومتوں کے خلاف تشدد اور ظلم و قہر کا اظہار دہشت گردی کہلاتا ہے جبکہ سیاسی مخالفین اپنے خلاف حکومتوں کی تحت پولیس کی کاروائیوں کو دہشت گردی قرار دیتے ہیں۔

مولانا عطیف الرحمن عمری کے نزدیک دہشت گردی ایسی فضا پیدا کر دینے کا نام ہے کہ مظلوم یہ جانتے ہوئے کہ اس پر ظلم ہو رہا ہے، اپنے حقوق نہ مانگ سکے۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مولانا سید محمد زاہد حسین شاہ سیالوی، سید خورشید حسن رضوی، مولانا سید مرادالحق سہیلی، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور مولانا مصطفیٰ ندوی نے دہشت گردی کی تعریف کے ذیل میں مختلف شواہد اور مثالوں سے واضح کیا ہے کہ اس وقت ساری دنیا میں دہشت گرد غیر مسلم ہیں، کہیں عیسائی کہیں یہودی اور کہیں ہندو پھر بھی دہشت گردی کا الزام مسلمانوں پر تھوپا جا رہا ہے۔ یہ بجائے خود ایک دہشت گردی ہے۔

ہوگا یا مسلمانوں میں ہمت پیدا ہوگی۔

۳- حملہ کے نتائج کا اندازہ یا تو خود حملہ کرنے والا لگائے گا یا امیر لشکر اس کا اندازہ کرے گا۔

۴- حملہ کا مقصد دین کی سربلندی ہو، نہ کہ فخر اور قومی جذبہ۔

۵- کسی پر ظلم وزیادتی مقصود نہ ہو۔

انہوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ کے صحابہ کرام سے موت پر بیعت لینے (بیعت رضوان) سے استدلال کیا ہے جب حضرت عثمان کی شہادت کی افواہ پھیل گئی تھی۔ اسی طرح جنگ یمامہ میں حضرت براء بن مالک کے طرز عمل سے بھی انہوں نے استدلال کیا ہے۔ انہوں نے امام محمد کی کتاب "السیر الکبیر" ۴/ ۱۹۲، نیز رد المحتار ۱۳/ ۲۲۳ کا حوالہ بھی دیا ہے۔

سید خورشید حسن رضوی نے ارہاب کی اسلامی تعریف اور اس کی تائید کرتے ہوئے دور رسالت کی چند ارہابی کارروائیوں کی مثالیں بھی ذکر کی ہیں اور ان کو قابل فخر بتایا ہے، مثلاً مسلمانوں کی طرف سے قریش کے نام نہاد پر امن تجارتی قافلہ کو لوٹنے کی کوششیں جن میں سے آخری کوشش غزوۂ بدر کا سبب بنی، مدینہ کی اسلامی حکومت کی طرف سے اطراف کے قبائل کے خلاف سرایا اور فوجی دستوں کا بھیجا جانا، اور صلح حدیبیہ کے موقع پر جب قریش کے مسلمان ہو جانے والے نوجوانوں کو قریش نے مدینہ میں داخل ہونے سے روکا تو ان نوجوانوں کا سمندر کے کنارے مقام عیص میں جمع ہو جانا اور قریش کے قافلوں کو ڈرانا دھمکانا وغیرہ۔ ان کے دلائل مندرجہ ذیل آیات قرآنی ہیں:

"فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم" (سورۂ بقرہ/ ۱۹۴)۔

"والذین اذا اصابهم البغي هم ینتصرون" (سورۂ شوریٰ/ ۳۹)۔

"ولمن انتصر من بعد ظلمه فاولٰئک ما علیهم من سبیل" (سورۂ شوریٰ/ ۴۱)۔

الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد" (سورۃ البقرۃ ۲۰۴-۲۰۵)[مقالہ از ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی]۔

سوال نمبر ۲:

حکومت کا ظالمانہ رویہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات حکومتیں اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل و مساوات کا سلوک نہیں کرتیں بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی و معاشی ناانصافی روا رکھی جاتی ہے اور کبھی تو ان کی جان و مال کے تحفظ میں بھی دانستہ کوتاہی سے کام لیا جاتا ہے یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں کی جاتی ہیں کہ وہ طبقہ جانی ومالی نقصان سے دوچار ہو تو کیا حکومتوں کے اس غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ پر بھی دہشت گردی کا اطلاق ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کے درمیان اختلاف رائے واقع ہوا ہے۔ بعض نے حکومتوں کی طرف سے فرائض کی ادائیگی میں کی جانے والی کوتاہی اور ناانصافی کو دہشت گردی قرار دیا ہے اور بعض نے اسے حق تلفی، کوتاہی اور ناانصافی قرار دیا ہے۔ پہلی رائے کے قائلین کے اسماء یہ ہیں:

[ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا سید محمد ابوالحسن شاہ بخاری، مولانا عبید اللہ اسعدی، مفتی محبوب علی وجیہی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی حبیب اللہ جان، مولانا]

ابراہیم یحییٰ فلاحی، ڈاکٹر یوسف قاسم، مولانا حفیظ الرحمٰن عمری، مولانا سید برہان الحق سنبھلی، مولانا شمس الرحمٰن قاسمی، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد رشید مدنی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا ابوالرشید قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا خضر الاسلام، مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا حبیب الرحمٰن فاروقی۔

دوسری رائے اختیار کرنے والوں کے نام یہ ہیں: قاضی محمد ہارون مینگلی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا خورشید احمد اعظمی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا ارشاد قاسمی۔

اول الذکر رائے کے قائلین میں سے بیشتر نے اسے ریاستی دہشت گردی قرار دیا ہے، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی محبوب علی وجیہی اور مولانا سید برہان الحق سنبھلی نے اسے جوابی اور انفرادی اور پبلک دہشت گردی سے زیادہ سنگین نوعیت کی دہشت گردی قرار دیا ہے۔

اس ضمن میں ڈاکٹر وہبہ زحیلی اور جناب سید شکیل احمد انور لکھتے ہیں کہ کسی انسانی جماعت کے سیاسی یا معاشی ظلم میں ملوث ہونے کا سبب یہی ہے اور عوام کی طرف سے اس پر ردعمل کی صورت میں انتقام در انتقام کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑتا ہے۔ مولانا عبدالرشید قاسمی نے بقول خود جن عوام کو ان کے بنیادی حقوق نہ دیئے اور مطالبہ حقوق کو سختی کے ساتھ دبا دیا جائے وہ حق تلفی کی وجہ سے دہشت گردی کی مرتکب ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے اس خاص تناظر میں ردعمل کے جواب میں کسی بھی طریقہ اختیار کرنے کو شریعت اور اسلامی منطق کے خلاف بتایا ہے۔ ان دونوں حضرات کے نزدیک جوابی کارروائی فتنہ کا باعث ہوگی اور معصوم عوام اس کا نشانہ بنیں گے اس لئے کسی بھی صورت میں درست نہیں قرار دیا جاسکتا۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی،

مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا محمد شمس الدین اور مولانا اعجاز خاں ندوی نے ریاستی دہشت گردی کی جانب میں حال ہی میں گجرات میں ہونے والی ناانصافی کو دہشت گردی قرار دیے جانے کی وجہ بیان کی ہے کہ حکومتیں یا افراد کسی مذہب و نسل و رنگ کے بلا تفریق سیاسی اور معاشی حقوق ادا کرنے کی پابند ہیں اور جب ان فرائض میں انہوں نے صرف غفلت ہی نہیں بلکہ قصداً انہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا تو وہ ظالم اور دہشت گرد قرار پائیں گے۔ مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی کے خیال میں ایسی حکومتیں خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم بہر صورت وہ دہشت گرد ہیں۔ مولانا اعجاز خاں ندوی نے "ستے جانی نقصان" اور "گھروں کو نذر آتش" اور مولانا ابو حسنہ محمد اعظمی نے اقوام متحدہ میں جانتے بوجھتے ممالک کو ویٹو پاور دیے جانے کی تحریک کو ریاستی دہشت گردی کی مثال قرار دیا ہے۔ مولانا سید اسرار الحق سبیلی نے انفرادی دہشت گردی کی طرح ریاستی دہشت گردی کو بھی ایک حقیقت قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ظلم پسندوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے ظلم کو انصاف نہیں قرار دیا جا سکتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح نیک و بد کو برابر نہیں قرار دیا جا سکتا خواہ بدکاروں کی تعداد بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن میں ہے: "قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث" (سورۃ المائدہ ۱۰۰) ریاستی ناانصافی کے جواب میں ظاہر کئے جانے والے رد عمل پر بحث کرتے ہوئے مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی لکھتے ہیں کہ "عوام کے پاس طاقت ہو تو عوام نے ان کو کسی حکومت کے احکام ماننے سے روک دیا ہے، انھوں نے بخاری (۲/ ۱۰۵۷) کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

"ما لم یؤمر بمعصیۃ فاذا امر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ" (جب تک اسے گناہ کا حکم نہ دیا جائے، جب حکومت گناہ کا حکم دے تو پھر نہ اس کی بات سنی جائے گی اور نہ اس کی اطاعت کی جائے گی)۔ مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا محی الدین غازی فلاحی اور مولانا ظفر عالم ندوی نے ریاستی دہشت گردی پر مندرجہ ذیل آیت سے استدلال کیا ہے: "اِن

مولانا ابو العاص وحیدی، مولانا نیاز احمد عبد الحمید مدنی اور مولانا مبارک حسین ندوی نے لکھا ہے کہ اگر حکومتی ناانصافی کے جواب میں کوئی عملی اقدام کیا جائے تو اسے دہشت گردی نہیں قرار دیا جائے گا۔ مولانا ابو العاص وحیدی کے بقول مسلح جدوجہد جائز اور جمہوری دور میں تو یہ عین انصاف ہے۔ مولانا مبارک حسین ندوی نے ذات سے بھارتی دستور کی دفعہ ۲۹ کے تحت جس میں ہر مذہب کے ماننے والوں کو یکساں انسانی حقوق دیے گئے ہیں، قانون عدل کی رو سے جمہوری جنگ کو قرار دیا ہے۔ مولانا نیاز احمد عبد الحمید مدنی کی رائے یہ ہے کہ اگر فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو صبر کرنا چاہیے اور پناہ اللہ سے مانگنا چاہیے اور حکام کا حق ادا کرتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ ان کے بقول مسلمان کی جان بہت قیمتی ہے یہاں تک کہ اس کی حفاظت کے لیے حرام چیزیں بھی حلال ہو جاتی ہیں۔ انھوں نے صحیح مسلم کی ایک روایت کا حوالہ دیا ہے۔

مولانا ظفر الاسلام نے دہشت گردی کے ازالہ اور عدل و انصاف کے قیام کی ضرورت پر زور دیا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" سے مندرجہ ذیل عبارت نقل کی ہے:

"والرابعة العدالة وهي ملكة في النفس تصدر عنها الأفعال التي يقام بها نظام المدينة والحي بسهولة" (چوتھی صفت عدالت ہے اور یہ نفس کی ایک راسخ کیفیت ہے۔ اس سے وہ افعال صادر ہوتے ہیں جن سے شہر اور ملک کا نظم بہ سہولت قائم کیا جاتا ہے)۔

سوال نمبر ۳:

ظلم پر احتجاج:

اگر کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی ہو یا کسی جانی

ہے تو اس پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار جائز ہے یا واجب؟ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے اس بات کو بھی ملحوظ رکھا جائے کہ کیا مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا بھی دہشت گردی کے دائرہ میں آتا ہے؟

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک ناانصافی پر احتجاج کا جواز یا وجوب حالات پر موقوف ہے۔ اگر ظلم کے ازالہ پر قدرت ہو اور کامیابی کا غالب گمان ہو تو احتجاج واجب ہے اور اگر احتجاج اور ردعمل سے مزید نقصان لاحق ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں احتجاج محض مباح ہے، واجب نہیں (دیکھئے: مقالہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا حفیظ الرحمن عمری، سید خورشید حسن رضوی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عبید اللہ اسعدی، ڈاکٹر یوسف قاسم، مولانا اسعد قاسم سنبھلی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ابرار خان ندوی، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا سعید الرحمن فاروقی، مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم، مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم نے موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون اور فرعون کے واقعات نیز نبی ﷺ کے غزوات و سرایا اور کعب بن اشرف وغیرہ کے حوالے سے صورت حال کے اختلاف اور اس کے نتیجہ میں موقف کے اختلاف پر استدلال کیا ہے، اور مولانا سید اسرار الحق سبیلی نے بعض ظلم پر احتجاج فرض کفایہ کے درجہ میں ہے)۔

مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی، قاضی محمد بارون مینگل، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ابراہیم مجیا فلاحی اور مولانا مصطفی قاسمی کے نزدیک ناانصافی پر احتجاج محض جائز ہے جبکہ مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی اور مفتی حبیب اللہ قاسمی کی رائے ہے کہ ظلم پر احتجاج کرنا شریعت میں مطلوب ہے۔ مولانا عطاء محمد اصلاحی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، مولانا عطاء احمد قاسمی، مولانا

مولانا محسن ندوی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا حفیظ الرحمن عمری اور مولانا ظفر وغیرہ علماء نے احتجاج کو واجب قرار دیا ہے۔

مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور مفتی نور علی اعظمی نے ناانصافی کی مختلف صورتیں ذکر کرکے ان کے احکام درج کئے ہیں۔ چنانچہ ان کا خیال ہے کہ اگر حکومتوں کی طرف سے جائز حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو مثلاً بجلی پانی وغیرہ کی سہولت سے محروم رکھا جائے یا ملازمتوں میں تعصب برتا جائے تو اس پر احتجاج مباح ہے، اور اس صورت حال میں ان دونوں حضرات کے نزدیک ہر ممکن حکمت عملی اپناتے ہوئے جائز حقوق کی حصولیابی کے لئے کوشاں رہنا چاہئے۔ مولانا خلیل الرحمن قاسمی اور مولانا محمد شمس الدین کا خیال ہے کہ اگر ناانصافی کا تعلق انسان کی ذات سے ہو تو احتجاج صرف جائز ہے، واجب نہیں، اور اگر ناانصافی کا تعلق دین و مذہب سے ہو تو احتجاج اور ردعمل کا اظہار واجب ہے۔ مولانا حبیب الرحمن قاسمی نے ناانصافی کی اسی دوسری قسم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مثلاً اگر حکومت ہندوستان ملک میں مندر تعمیر کرنے کی اجازت تو دے لیکن مساجد کی تعمیر پر پابندی لگائے تو ایسی صورت میں احتجاج واجب ہوگا اور اس میں ادنیٰ سی کوتاہی پر بھی شدید گرفت ہوگی۔

مفتی جمیل احمد بیان فرماتے ہیں کہ اگر ناجائز امور پر کسی کو مجبور کیا جائے تو احتجاج واجب ہے۔ ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی اور سید شکیل احمد انور صاحب کے نزدیک شرعی حدود کے دائرہ میں رہ کر ظلم پر احتجاج کا مظلوم کو پورا پورا حق حاصل ہے۔ مولانا قمر الزماں ندوی کے نزدیک ناانصافی اور کمزوری پر اگر وسعت ہو تو احتجاج واجب ہے۔ مولانا محی الدین غازی فلاحی نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اگر ناانصافی کے نتیجہ میں لاحق ہونے والے نقصانات محدود ہوں اور ان کی تلافی ممکن ہو تو احتجاج جائز ہے، اور اگر یہ نقصانات ناقابل تلافی ہوں اور آئندہ نسلیں بھی ان نقصانات کی زد میں آتی ہوں تو ان پر احتجاج اور دفاع کی حسب حکمت عملی اور عمل لازمی

منصوبہ بندی واجب ہے۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے ظلم کے خلاف احتجاج کے جواز پر متعدد دلائل پیش کئے ہیں:

۱- "لا یحب اللہ الجہر بالسوء من القول إلا من ظلم" (سورۃ نساء: ۱۴۸) (مقالہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مفتی حبیب اللہ جان، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا برہان الدین سنبھلی)۔

۲- "فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم" (سورہ بقرہ: ۱۹۴) (مقالہ مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محی الدین غازی فلاحی)۔

۳- "وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا" (سورۃ شوریٰ: ۴۰) (مقالہ مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد شمس الدین، مولانا سید اسرار الحق سبیلی)۔

۴- "اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی نصرہم لقدیر" (سورۃ حج: ۳۹-۴۰) (مقالہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی)۔ مولانا محمد ارشد مدنی نے اس کی شان نزول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے نکل جانے پر مجبور کردیے گئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ آیت سنی تو فرمایا کہ اب جنگ ہوگی۔ مولانا خورشید احمد اعظمی نے آیت: "وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ" سے استدلال کیا ہے، نیز انہوں نے فقہی قاعدہ: "الضرر یزال" سے بھی استدلال کیا ہے۔

تمام ہی مقالہ نگاروں کے نزدیک مظلوم کا ظلم کے خلاف احتجاج کرنا ایک فطری انسانی حق ہے جو کہ ثابت کردی۔ بیشتر کے نزدیک ظلم پر احتجاج اس لئے بھی ضروری ہے تاکہ ظالم کو

یا ظالم طبقہ کمزوروں پر مزید مظالم ڈھانے کی جسارت نہ کرے۔ اس پر استدلال کرتے ہوئے بیشتر مقالہ نگاروں نے یہ حدیث نقل کی ہے:

۱-"انصر أخاک ظالماً أو مظلوماً، قالوا: یا رسول الله، هذا ننصره مظلوماً، فکیف ننصره ظالماً؟ قال: تأخذ فوق یدیه" (صحیح بخاری مع الفتح، جلد ۵، ص ۹۸) (مقالہ مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا مبارک حسین ندوی)۔ بیشتر مقالہ نگاروں نے ظلم کے خلاف احتجاج میں نتی اقتدار اختیار کرنے ہونے کو درست قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے:

"من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان" (مسلم، ترمذی، ۲۱۸) (مقالہ مولانا حفیظ الرحمن عمری، مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا عتیق الرحمن قاسمی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا ابرار خان ندوی)۔ مفتی محبوب علی وجیہی اور مولانا ابرار خان ندوی نے صیغہ "فلیغیره" سے وجوب مراد لیا ہے، مفتی محبوب علی وجیہی نے اس ضمن میں اصول فقہ کا یہ قاعدہ ذکر کیا ہے کہ جب وجوب سے پھیرنے والا کوئی قرینہ نہ ہو تو امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی نے مندرجہ ذیل آیات واحادیث سے استدلال کرتے ہوئے ظلم پر خاموشی کو ایک ناجائز امر قرار دیا ہے:

۱-"لا تظلمون ولا تظلمون" (سورۂ بقرہ ۲۷۹)۔

۲-"والذين إذا أصابهم البغي هم ينتصرون" (سورۂ شوریٰ ۳۹) [صاحب موصوف کے بقول اس سورہ کے مکی ہونے کی وجہ سے اس کے مضمرات میں مزید وسعت پیدا ہو جاتی ہے]۔

ہے: "أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر" (افضل درجہ کا جہاد ظالم حکمراں کے سامنے انصاف کی بات کہنا ہے) (ابوداود: ۴۳۴۴)۔ مولانا مبارک حسین ندوی اور مولانا ابرار خاں ندوی نے ظلم پر خاموشی اختیار کرنے کو سنگین نتائج کا حامل قرار دیتے ہوئے فقہی قاعدہ: "كل ما يؤدي إلى المحظور يكون محظوراً" (اصول الفقہ از محمد ابوزہرہ، ان کی المحضین بدران) اور "ما يفضي إلى الحرام حرام" سے استدلال کیا ہے۔ مولانا ابرار خاں ندوی نے ظلم پر خاموشی کو ممنوع قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل آیت سے استدلال کیا ہے: "لعن الذين كفروا من بني إسرائيل على لسان داوٗد وعيسى بن مريم ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون. كانوا لا يتناهون عن منكر فعلوه لبئس ما كانو يفعلون. ترى كثيراً منهم يتولون الذين كفروا لبئس ما قدمت لهم أنفسهم أن سخط الله عليهم وفي العذاب هم خالدون" (سورۂ مائدہ: ۷۸-۸۰)۔

مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا ظفر الاسلام، مفتی حمید اللہ جان، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا عتیق الرحمن قاسمی، مولانا مبارک حسین ندوی اور مولانا اسعد قاسم سنبھلی نے حدیث رسول: "من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون أهله فهو شهيد" (جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کردیا جائے وہ شہید ہے، جو اپنی جان بچانے میں مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے دین کے تحفظ میں مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے) (ترمذی ۱/۲۶۱، ابواب الدیات، نسائی ۲/۱۵۵ کتاب المحاربہ) سے استدلال کرتے ہوئے جان ومال، عزت وآبرو اور دین کی خاطر لڑنے کو جہاد قرار دیا ہے (اس کی تفصیل سوال نمبر ۱ کی تلخیص کے ضمن میں گزر چکی ہے)۔ مولانا ظفر الاسلام نے ان امور کو بنیادی ضروریات قرار دیتے ہوئے امام شاطبی کی "الموافقات" سے مندرجہ ذیل عبارت بھی ان

کی بات ان الفاظ میں نقل کی ہے: "اتفقت الأمة على أن الشريعة وضعت للمحافظة على الضروريات الخمسة وهي الدين والنفس والنسل والمال والعقل" (امت کا اس پر اتفاق ہے کہ شریعت پانچ قسم کی ضروریات یعنی دین، جان، نسل، مال اور عقل کی حفاظت کے لیے وضع کی گئی ہے) ([illegible]) مولانا عبدالرشید قاسمی اور مولانا سید اسرار الحق سبیلی نے ظلم کے خلاف احتجاج کی دلیل میں یہ حدیث بھی نقل کی ہے: "جاء رجل إلى رسول الله ﷺ يشكو جاره قال: اطرح متاعك على الطريق، فطرحه، فجعل الناس يمرون عليه ويلعنونه، فجاء إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله! ما لقيت من الناس، قال: وما لقيت منهم؟ قال: يلعنوني، قال: لقد لعنك الله قبل الناس. فقال: إني لا أعود، فجاء الذي شكاه إلى النبي ﷺ فقال: ارفع متاعك فقد كفيت" ([illegible] باب ما جاء في أذى الجار) مولانا سید اسرار الحق سبیلی نے ایک اور حدیث نقل کی ہے: "عن أبي الوليد عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال: بايعنا رسول الله على السمع والطاعة في العسر واليسر والمنشط والمكره، وعلى أثرة علينا، وعلى أن لا ننازع الأمر أهله، إلا أن تروا كفراً بواحاً عندكم من الله تعالى فيه برهان، وعلى أن نقول بالحق أينما كنا، لا نخاف في الله لومة لائم"

(بخاری ۷۰۵۶، مسلم: ۱۷۰۹)۔

مولانا خورشید احمد اعظمی نے ظلم پر احتجاج اور ردعمل کے طریقہ پر گفتگو کرتے ہوئے کتب سیرت میں موجود حضرت ابو بصیر اور حضرت ابو جندل کے واقعات بطور مثال پیش کیے ہیں۔ مولانا ابو رضوان ندوی ظلم کے خلاف احتجاج کی تائید میں سیرت رسول سے حلف الفضول کی مثال پیش کرتے ہیں جس کی تائید و تحسین آپ ﷺ نے نبوت کے بعد بھی فرمائی۔

جمہوری معاشروں نے ظلم کے خلاف ردعمل کے اظہار میں جتنے امکانات فراہم

تمام مقالہ نگار حضرات کے نزدیک مظلوموں کا ظالم گروہ کے بے قصور افراد سے انتقام لینا ناجائز اور غلط ہوگا، البتہ اگر وہ ظالم طبقہ کے کسی بھی طور پر معاون ہوں تو ان سے انتقام لینا جائز ہوگا، اور ظلم میں ان کے ملوث ہونے کے بقدر ہی ان سے انتقام لینا جائز ہوگا۔ (دیکھئے: مقالہ مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی حبیب اللہ جان، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا نیاز احمد عبد الحمید مدنی، مولانا سعید الرحمن فاروقی وغیرہ)۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے اس بارے میں مندرجہ ذیل آیت سے استدلال کیا ہے: "ولا تزر وازرۃ وزر أخری" (مقالہ ڈاکٹر یوسف قاسم، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا محمد شمس الدین، مولانا عقیل الرحمن قاسمی، مولانا ظفر الاسلام وغیرہ)۔ مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور مفتی انور علی اعظمی نے ان آیات سے استدلال کیا ہے:

۱- "ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ألا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوی" (سورۂ مائدہ: ۸)۔

۲- "ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا فلا یسرف في القتل" (سورۂ اسراء: ۳۳)۔

مولانا ابرار خان ندوی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا مصطفی قاسمی اور مولانا خورشید احمد اعظمی نے آیت: "وقاتلوا في سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا" (سورۂ بقرہ: ۱۹۰) سے استدلال کیا ہے۔ قاضی محمد ہارون مینگل نے آیت: "وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به" (سورۂ نحل: ۱۲۶) سے اس پر استدلال کیا ہے۔ مولانا سید اسرار الحق سبیلی نے بے قصور افراد سے انتقام لینے کو ظالمانہ کارروائی قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل دلائل ذکر کئے ہیں:

۱- حضرت یوسف کے سگے بھائی بنیامین پر چوری ثابت ہونے کے بعد جس کی سزا قید تھی، جب بنیامین کے دوسرے بھائیوں نے حضرت یوسف سے بنیامین کو چھوڑنے اور ان کی جگہ کسی دوسرے بھائی کو گرفتار کرنے کی درخواست کی تو سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: "معاذ الله أن نأخذ إلا من وجدنا متاعنا عنده، إنا إذا لظالمون" (سورہ یوسف ۷۹) (ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے کو گرفتار کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، ایسا کرنے سے ہم یقیناً ناانصافی کرنے والے ہو جائیں گے)۔

۲- "وجزاء سيئة سيئة مثلها" (سورہ شوریٰ ۴۰) (اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے)۔

۳- "فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم" (سورہ بقرہ ۱۹۴) (جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو اس نے تم پر کی ہے)۔

۴- "لا ضرر ولا ضرار، من ضار ضاره الله، ومن شاق شاق الله عليه" (مستدرک حاکم ۲/۵۸) (نہ ابتداءً نقصان پہنچایا جائے اور نہ بدلہ میں نقصان پہنچانے میں حد سے تجاوز کیا جائے، جو شخص کسی کو نقصان پہنچائے اللہ تعالیٰ اسے نقصان پہنچائے گا، اور جو شخص کسی کو تنگی میں ڈالے اللہ تعالیٰ اسے تنگی میں ڈالے گا)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مولانا حبیب الرحمن ندوی اور مولانا مصطفیٰ قاسمی نے بے قصوروں سے انتقام کو جاہلی شکل قرار دیا ہے، جسے ان کے بقول ختم کرنے ہی کے لئے اسلام آیا ہے۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی اور مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی کے بقول معصوم افراد کو ظلم و زیادتی سے بچانے ہی کے لئے قصاص کا قانون وضع کیا گیا ہے اور ڈاکٹر وہبہ زحیلی کے بقول سزا دلوانے کے لئے عدالت کے سپرد کیا گیا ہے اور حکومتوں کو اس بات کا پابند بنایا گیا ہے کہ وہ مظلوم کی حمایت کریں اور اسے شرپسندوں کے تسلط سے بچائیں۔

ہیں تو اس پر کوئی احتجاج نہیں ہوتا، اور اگر فلسطینی تنگ آکر اس صورت میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اس صورت جنگ کا اعادہ کر دیتے ہیں تو پوری دنیا معصوم فلسطینیوں کے خلاف سراپا مذمت و احتجاج بن جاتی ہے۔ انہوں نے اس کارروائی کو عذاب الٰہی کے مماثل قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب کسی قوم پر آتا ہے تو اس کی زد میں ظالم و مظلوم سب آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة" (سورۂ انفال، ۲۵) اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ بے قصوروں پر ہونے والے مظالم کے خلاف احتجاج کو یک طرفہ نہیں ہونا چاہئے۔

سوال نمبر ۵:

دہشت گردی کے اسباب و محرکات اور ان کا تدارک:

جہاں بھی دہشت گردی پیدا ہوتی ہے وہاں اس کے کچھ بنیادی اسباب و محرکات ہوتے ہیں، جیسے کسی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی ناانصافی یا کسی گروہ کے اندر طاقت و قوت کے ذریعہ حکومت اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کر لینے کی خواہش۔ ان اسباب کے تدارک کے لئے اسلام کیا ہدایات دیتا ہے؟

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک دہشت گردی کے ازالہ کی واحد صورت یہ ہے کہ عدل و انصاف کا قیام ہو، انسانی حقوق اور انسان کی جان و مال کا احترام کیا جائے، حکومتیں نسلی، قبائلی اور مذہبی امتیازات کا لحاظ کئے بغیر تمام باشندوں کو باعزت زندگی گذارنے کا موقع دیں (دیکھئے: مقالہ مولانا عبید اللہ اسعدی، ڈاکٹر یوسف قاسم، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا ارشاد

مناسب پیمانے پر ہونا انتہائی ضروری ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے مدارس عربیہ کو بھی اپنے نصاب و نظام تعلیم میں مناسب اور قابل قبول اصلاح و ترمیم کرنی چاہئے۔

مولانا برہان الدین سنبھلی کے نزدیک دہشت گردی کے اسباب کے تدارک کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ تجربہ سے مفید اور موثر ثابت ہونے والی تدابیر اختیار کی جائیں اور غیر جذباتی اور شرعی اصولوں سے واقف رہنماؤں سے رہنمائی حاصل کی جائے۔

بعض مقالہ نگار حضرات کے بقول مندرجہ ذیل نصوص سے دہشت گردی کے اسباب کے تدارک میں خاص رہنمائی حاصل ہوتی ہے:

۱۔ "يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين بالقسط شهداء لله ولو على أنفسكم أو الوالدين والأقربين، إن يكن غنيا أو فقيرا فالله أولى بهما" (سورۃ النساء: ۱۳۵) (مقالہ نویس: سید اسرار الحق سبیلی، مفتی جمیل احمد نذیری)۔

۲۔ "ولقد كرمنا بني آدم وحملناهم في البر والبحر" (سورۃ بنی اسرائیل: ۷۰) (مقالہ نویس: مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی)۔

۳۔ "من قتل نفسا بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعا ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعا" (سورۃ المائدہ: ۳۲) (مقالہ نویس: سید اسرار الحق سبیلی)۔

۴۔ "يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا" (سورۃ الحجرات: ۱۳) (مقالہ نویس: خورشید احمد اعظمی)۔

۵۔ "لا إكراه في الدين قد تبين الرشد من الغي فمن يكفر بالطاغوت ويؤمن بالله فقد استمسك بالعروة الوثقى لا انفصام لها، والله سميع

علیم" (سورۃ بقرہ: ۲۵۱) (مقالہ مولانا سید اسرار الحق سبیلی)۔

۶- "من مشی مع ظالم لیقویه وهو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام" (بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوۃ ۲/۴۳۴) (جو کسی ظالم کے ساتھ اسے قوت پہنچانے کے لئے چلا جبکہ جانتا تھا کہ وہ ظالم ہے، وہ اسلام سے نکل گیا) (مقالہ مفتی جمیل احمد نذیری)۔

۷- "الظلم ظلمات یوم القیامة" (متفق علیہ) (ظلم قیامت کی سخت تاریکی ہے) (مقالہ مفتی جمیل احمد نذیری)۔

۸- "ادفع بالتی هی احسن" (سورۃ مومنون ۹۶) (مقالہ مولانا تنظیم عالم قاسمی)۔

سوال نمبر ۲:

دفاع کا حکم:

اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو اس کے دفاع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ حتی المقدور مدافعت واجب ہے، مباح ہے یا مستحب، نیز حق مدافعت کے حدود کیا ہیں؟

اس سوال کے جواب میں بیشتر مقالہ نگار حضرات نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ جان ومال اور عزت وآبرو پر حملہ کی صورت میں حتی المقدور مدافعت واجب ہے (دیکھئے: مقالہ مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ابو القاسم عبد العظیم، مولانا ابو سفیان مفتاحی، مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی انور علی اعظمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا محمد شمس الدین، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابراہیم مجیا فلاحی، مولانا حفیظ الرحمن

دفاع سے بچا جائے گا۔ ڈاکٹر یوسف قاسم کے نزدیک اگر مال کے ترک سے ہلاکت یا شدید نقصان کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں مال کا بھی دفاع واجب ہے۔

اول الذکر رائے کے قائلین نے مندرجہ ذیل دلائل ذکر کئے ہیں:

۱-"من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد" (ترمذی ۱/۲۹۱، نیز ابوداؤد، نسائی وغیرہ کتب حدیث) (دیکھئے مقالہ: ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم، مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا حفیظ الرحمن عمری، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا مجیب الرحمن عتیق سنبھلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی)۔ اس حدیث کا ذکر پہلے بھی متعدد بار موقع کی مناسبت سے آچکا ہے۔

۲-"جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: فلا تعطه مالک، قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: قاتله، قال: أرأيت إن قتلني، قال: فأنت شهيد، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: هو في النار" (مسلم کتاب الایمان) (مقالہ مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا مجیب الرحمن عتیق سنبھلی)۔

۳-"لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه" (مقالہ مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

۴-"عن أبي المخارق عن أبيه قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: الرجل يأتيني فيريد مالي، قال: ذكره بالله قال: فإن لم يذكر؟ قال: فاستعن عليه بمن حولک من المسلمين، قال: فإن لم يكن حولي أحد من المسلمين

رخصت ہے، مولانا سید اسرار الحق سبیلی نے بھی ان دونوں پہلوؤں کا ذکر کیا ہے۔ ان دونوں حضرات نے حضرت آدمؑ کے بیٹے ہابیل کے طرز عمل سے استدلال کیا ہے(ملاحظہ ہو: سورۂ مائدہ ۲۸-۳۰) مولانا سید اسرار الحق سبیلی نے علامہ صنعانی کی سبل السلام کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام صنعانی نے حدیث کے الفاظ: "فکن عبد الله المقتول" (تم اللہ کے مقتول بندے بن جاؤ) سے جان کے سلسلے میں عدم مزاحمت پر استدلال کیا ہے(سبل السلام ۳/ ۲۴۳)۔ قاضی محمد ہارون مینگل نے عدم مدافعت کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ کے اسوہ سے بھی استدلال کیا ہے۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے حدود دفاع کا تذکرہ کرتے ہوئے صراحت کی ہے کہ مظلوم فرد یا مظلوم طبقہ کو دفاع میں جارحیت اور زیادتی سے پرہیز کرنا چاہئے، نیز یہ کہ جوابی کارروائی میں حتی الوسع الاخف فالاخف کے اصول پر عمل کیا جائے، مثلاً اگر بات چیت سے اور دوسروں کی مدد سے ظلم کا دفاع کیا جا سکتا ہو تو مارنا حرام ہوگا۔ اگر ہاتھ کی ضرب سے کام چل جائے تو کوڑے کا استعمال حرام ہوگا اور اگر کوڑے سے دفاع ممکن ہو تو لاٹھی کا استعمال ممنوع ہوگا۔ اگر دشمن کے کسی عضو کو کاٹ کر دفاع کیا جا سکتا ہو تو اس کا قتل حرام ہوگا۔ الغرض قتل کو صرف آخری تدبیر کے طور پر ہی اختیار کیا جائے گا(ملاحظہ ہو: مقالہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا حبیب الرحمن عتیق سنبھلی، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی وغیرہ)۔ اس پر ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے مندرجہ ذیل فقہی قواعد سے استدلال کیا ہے: "الضرر لا يزال بالضرر"، "الضرورة أو الحاجة تقدر بقدرها" (مفتی مجاہد الاسلام قاسمی اور مولانا محمد شمس الدین نے بھی اس قاعدہ کا ذکر کیا ہے)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے حدود دفاع کے ضمن میں یہ بھی لکھا ہے کہ مظلوم کی طرف سے جوابی کارروائی کے لئے ظلم کا عملاً واقع ہونا ضروری ہے، کسی ایسے ظلم کے خلاف جوابی کارروائی

عرض مسئلہ:

اسلام اور امن عالم

سوال نمبر ۱ تا ۴:

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ

۱۔ دہشت گردی کی تعریف اور حقیقت:

تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ دہشت گردی کے ضمیر میں ظلم شامل ہے، لیکن کیا ظلم ہی کا دوسرا نام دہشت گردی بھی ہے؟ بعض مقالہ نگاروں کا خیال ہے کہ دونوں مترادف ہیں (مولانا برہان الدین سنبھلی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا افتخار عالم قاسمی، مولانا محمد ارشاد قاسمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی کہتے ہیں کہ کسی وجہ اور سبب کے بغیر کسی فرد یا جماعت کے خون کو مباح کر لینا دہشت گردی ہے، جبکہ مولانا ابرار خاں ندوی کی رائے ہے کہ فقہاء کی اصطلاح میں جسے جنایت کہا جاتا ہے اسی کا دوسرا نام دہشت گردی ہے، اور مولانا ابو العاص وحیدی صاحب لکھتے ہیں کہ دہشت گردی ہر وہ عمل ہے جو دولت و ملک گیری کی ہوس اور مذہبی جبر سے کیا جائے، اور مولانا ابو القاسم عبد العظیم کی رائے ہے کہ کسی بھی جمہوری طرز عمل میں افراط اور غلو غیر مقبول سے پیدا شدہ حالات کو دہشت گردی کہتے ہیں، اور مولانا جمیل اللہ اعدی کا خیال

ہے، حق وانصاف کو بالائے طاق رکھ کر، ظالم ومظلوم سے فرق سے آنکھ بند کرکے ذاتی وشخصی مفادات کے لئے کی جانے والی ہر کوشش دہشت گردی ہے۔

دیگر مقالہ نگاروں نے اپنی تعریف میں خوف وہراس اور دہشت کو بنیادی حیثیت دی ہے، الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ دہشت کے لفظ کو سامنے رکھ کر تعریف کرنے کی کوشش کی ہے، اس طرح کی تمام تعریفوں کا حاصل یہ ہے:

''کسی حق واختیار کے بغیر طاقت وقوت کا بیجا استعمال، ظلم وستم اور جارحانہ وبہیمانہ مجرمانہ تشدد، اور خوف ودہشت پھیلا کر تخریبی کارروائیوں کا انجام دینا خواہ اس کے لئے زبان وقلم کا سہارا لیا جائے یا دھماکہ خیز اشیاء کا استعمال کیا جائے، بالفاظ دیگر فساد فی الارض کا دوسرا نام دہشت گردی ہے''۔

(ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا عتیق الرحمن قاسمی، مولانا ارشد مدنی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مولانا مسعود قاسم سنبھلی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا ابراہیم کیافلاحی، قاضی محمد بادن مینگل، مولانا ابوسفیان مفتاحی، سید امیر حسن گیلانی، مولانا شمس الدین، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا حبیب الرحمن عتیق سنبھلی، مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا قاری ظفر الاسلام، سید محمد ذاکر حسین شاہ بیاوی)۔

جناب عبداللہ کہتے ہیں کہ ذاتی مفاد کے لئے دوسرے کا حق چھیننا دہشت گردی ہے۔

مفتی محبوب علی وجیہی کے نزدیک بھی حق تلفی اور قتل وغارت گری کا نام دہشت گردی ہے۔

شیخ محمد علی التسخیری نے دہشت گردی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''وهو كل عمل يتنافى من حيث الوسيلة والهدف مع القيم الدينية والإنسانية ويتضمن تهديداً للأمن بأي نوع من أنواعه''۔

اور ڈاکٹر وہبہ زحیلی کہتے ہیں:

"ھو کل عنف أو اعتداء لیس له مسوغ شرعي"۔

مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا نیاز احمد عبد الحمید مدنی، مولانا ابوالعاص وحیدی اور مولانا اشتیاق احمد اعظمی نے رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے جاری کردہ تعریف بھی نقل کی ہے۔

۲- حکومتوں کے ظالمانہ رویہ اور جان و مال کے تحفظ میں دانستہ کوتاہی پر دہشت گردی کا اطلاق:

بیشتر مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حکومتوں کے ظالمانہ رویہ اور ناانصافی پر دہشت گردی کا اطلاق ہوگا، چنانچہ مولانا عبدالرشید قاسمی لکھتے ہیں: "الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون في الأرض فساداً" (سورۂ مائدہ: ۳۳) کا صحیح مصداق اسی طرح کی حکومتیں ہیں۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ بلاتفریق مذہب وملت عدل وانصاف کرنا اور ہر طبقہ کے حقوق کی نگہداشت حکومت کا فریضہ ہے، دلیل کے طور پر درج ذیل آیتیں نقل کی گئی ہیں:

۱- "لا یجرمنکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا اعدلوا ھو أقرب للتقوی" (سورۂ مائدہ: ۸) (مولانا ابرار خاں ندوی)۔

۲- "إن الله یأمرکم أن تؤدوا الأمانات إلی أھلها وإذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل" (سورۂ نساء) (مولانا افتخار عالم قاسمی)۔

۳- "إن الله یأمر بالعدل والإحسان" (مفتی مجاہد الاسلام قاسمی)۔

۴- "إن الملوک إذا دخلوا قریة أفسدوھا وجعلوا أعزة أھلها أذلة" (سورۂ نمل: ۳۴) (مولانا سید اسرار الحق، مولانا محی الدین غازی فلاحی)۔

۳-"من قتل مظلوماً فقد جعلنا لوليه سلطاناً فلا يسرف في القتل" (مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

۴-"ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الأرض" (مولانا محی الدین غازی فلاحی)۔

۵-"والذين إذا أصابهم البغي هم ينتصرون"۔

۶-لاتظلمون ولاتظلمون" (ظلم کرنا بھی ناجائز اور ظلم سہنا بھی ناجائز) (مولانا سلطان احمد اصلاحی)۔

۷-"لايحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم" (مولانا محمد ارشاد قاسمی، جناب حمید اللہ، مولانا افتخار عالم قاسمی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا مبارک حسین ندوی)۔

۸-"من قتل دون ماله فهو شهيد" (مولانا عتیق الرحمن قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا مبارک حسین ندوی، قاری ظفر الاسلام، مولانا اسعد قاسم سنبھلی)۔

۹-"انصر أخاك ظالماً أو مظلوماً قالوا: يا رسول الله هذا ننصره مظلوماً فكيف ننصره ظالماً، قال: تأخذ فوق يديه" (مفتی انور علی اعظمی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

۱۰-"إن الله لا يمنع ذا حق حقه" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) (مفتی جمیل احمد نذیری)۔

۱۱-"إذا رأيت أمتي تهاب الظالم أن تقول له إنك ظالم فقد تودع منهم" (مولانا سلطان احمد اصلاحی)۔

۱۲-"أعظم الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر"(ترمذی ۲۰۰۹/۳) (مولانا ابرار خاں ندوی)۔

۱۳-حضرت ابوبصیر اور حضرت ابوجندل کا واقعہ- "قال الحافظ: وفي قصة أبي بصير من الفوائد جواز قتل المشرك المعتدي غيلة ولا يعد ما وقع من أبي بصير غدراً" (فتح الباری ج۵/ص۳۵۱) (مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

مذکورہ سوال کے جواب میں سید خورشید حسن رضوی کا خیال ہے کہ اگر مظلوم دہشت گردی کو وسیلہ بناتا چاہے تو بالکل جائز ہے، اور جناب خلیل احمد انور نے لکھا ہے کہ مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی نہیں ہے، بشرطیکہ جمہوری طریقہ اختیار کیا جائے، مظلوم کو کسی حال میں ظالم کے کردار پر عامل ہونے سے بچنا چاہئے، مکی زندگی میں حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم کا اسوہ ہمارے لئے مثال ہے۔

سوال کے پہلے حصے کے متعلق بعض مقالہ نگاروں نے احتجاج کو جائز اور درست قرار دیا ہے (ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مفتی عبد الرشید جونپوری، مولانا ابراہیم مجیاندری، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مولانا نیاز احمد عبد الحمید مدنی، مولانا خورشید احمد اعظمی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا ابوالعاص وحیدی، مفتی محبوب علی وجیہی، سید محمد ذاکر حسین شاہ)۔ مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی نے اسے ایمانی تقاضہ اور سید خورشید حسن رضوی نے انسانی فطرت اور مفتی حبیب اللہ قاسمی نے اسے مطلوبات شرعیہ میں سے قرار دیا ہے۔ اور بعض لوگوں کے نزدیک احتجاج واجب اور ضروری ہے (مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا حفیظ الرحمن عمری، مولانا مبارک حسین ندوی، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا سلطان احمد صلاحی، مولانا ظفر عالم ندوی، قاری ظفر الاسلام اعظمی)۔

اور بعض مقالہ نگاروں نے اس سلسلے میں کچھ تفصیلات لکھی ہیں، جو حسب ذیل ہے:

حسب استطاعت جائز بھی ہے اور واجب بھی (ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی)۔ حسب موقع وحالات جائز بھی ہے اور واجب بھی (مولانا عبیداللہ اسعدی)۔ جائز حقوق ادا نہ کرنے کی صورت میں جائز ہے، واجب نہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے: "إنكم ستلقون بعدي أثرة فاصبروا حتى تلقوني على الحوض" (صحیح مسلم)۔

اور اگر جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ ہو تو دفاع واجب ہے، حدیث میں ہے: "انصر أخاك ظالماً أو مظلوماً الخ" (مفتی انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔ اگر ناانصافی کا تعلق دین ومذہب سے نہ ہو تو احتجاج جائز ہے: "لا يحب الله الجهر بالسوء الخ"۔ اور اگر اس کا تعلق دین سے ہو تو صدائے احتجاج بلند کرنا واجب ہے: "من رأى منكم منكراً الخ" (مولانا عقیل الرحمن قاسمی، مولانا محمد شمس الدین)۔ احتجاج جائز ہے لیکن ناجائز امور پر مجبور کیا جائے تو واجب ہے: "لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق" (جناب حمید اللہ صاحب)۔ احتجاج اور ردعمل جائز ہے اور اگر اچھی خاصی قوت ہو تو واجب ہے (مولانا محمد ارشد مدنی)، ہڑتال اور دھرنا غیر اسلامی طریقہ ہے، شرعی طریقہ یہ ہے کہ عزیمت کو اختیار کرتے ہوئے ظالم کا ہاتھ پکڑ لیا جائے جو مطلوب ہے اور واجب ہے، اور طاقت وہمت کی عدم موجودگی میں صبر کرے (مولانا اسعد قاسم سنبھلی)۔ اگر ظلم کا ازالہ یقینی ہو تو واجب ہوگا ورنہ نہیں (مولانا برہان الدین سنبھلی)۔ امر و نہی سے معتد بہ ضرر لاحق نہ ہو تو احتجاج واجب ہے، ورنہ جائز (مولانا افتخار عالم قاسمی)۔ احتجاج مظلوم کا قانونی، جمہوری انسانی حق ہے جو جائز ہے اور بعض موقعوں پر واجب (مولانا محمد ارشاد قاسمی)، اگر ناانصافی وقتی ہو اور اس کے نقصانات محدود اور قابل تلافی ہوں تو احتجاج جائز ہے اور بصورت دیگر واجب (مولانا محی الدین غازی فلاحی)۔ ردعمل کسی خطرے اور بڑے مفاسد کا ذریعہ نہ بنے تو جائز ہے، اور اگر ناانصافی سے ملی

اجتماعیت کو نقصان پہنچے تو واجب ہے (مولانا حبیب الرحمٰن خلیق سنبھلی)، ردعمل کے لئے مناسب قوت ہو تو عملاً واجب ہے ورنہ ناجائز ہے (ڈاکٹر نجیب زکی)، اشتیاق جائز، اور کبھی واجب مگر ردعمل جائز مگر اسی وقت کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو (ڈاکٹر یوسف قاسم)۔

مجوزین اور مباحثین وغیرہ کے دلائل مختصراً حسب ذیل ہیں:

۱- "لا یحب اللہ الجہر بالسوء من القول إلا من ظلم" (سورہ نساء: ۱۴۸) (مفتی عبد الرشید جونپوری، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، جناب عبید اللہ صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن خلیق سنبھلی، مولانا محمد عظیم عالم قاسمی، مولانا اعجاز عالم قاسمی، مولانا محمد رشاد قاسمی)۔

۲- "أذن للذین یقاتلون بأنہم ظلموا وإن اللہ علی نصرہم لقدیر" (سورہ حج: ۳۹) (مولانا محمد ارشد مدنی، مفتی محمد جاوید احمد قاسمی)۔

۳- "وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر" (مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی)۔

۴- "ولمن انتصر من بعد ظلمہ فأولئک ما علیہم من سبیل" (سورہ شوریٰ: ۴۱) (مولانا حفیظ الرحمٰن عمری، جناب خورشید حسن رضوی)۔

۵- "والذین إذا أصابہم البغی ہم ینتصرون" (سورہ شوریٰ: ۳۹) (مولانا سلطان احمد اصلاحی، جناب خورشید حسن رضوی)۔

۶- "وجزاء سیئة سیئة مثلہا" (مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

۷- "وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لہو خیر للصابرین"۔

۸- "أفضل الجہاد کلمة حق عند سلطان جائر" (مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، سید محمد ذوالرحمٰن شاہ سیا دلی)۔

٩-"من رأى منكم منكرا فليغيره بيده" (مولانا ابرار خان ندوی، مولانا عقیل الرحمن قاسمی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مولانا حفیظ الرحمن عمری، مفتی محبوب علی وجیہی، سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا مبارک حسین ندوی، مفتی محمد ارشاد سلامی قاسمی)۔

١٠-"جاء رجل إلى رسول الله ﷺ يشكو جاره، قال: اطرح متاعك على الطريق، فطرحه، فجعل الناس يمرون ويلعنونه، فجاء إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله مالقيت من الناس، قال: وما لقيت منهم؟ قال: يلعنوني، قال: لعنك الله قبل الناس، فقال: إني لا أعود، فجاء الذي شكاه إلى النبي ﷺ، فقال: ارفع متاعك فقد كفيت" (مجمع الزوائد ٨/١٧٠) (مولانا عبد الرشید جونپوری، مولانا سید اسرار الحق سبیلی)۔

١١-"عن عبادة بن الصامت قال: بايعنا رسول الله ﷺ على السمع والطاعة في العسر واليسر والمنشط والمكره، وعلى أثرة علينا، وعلى أن لا ننازع الأمر أهله، إلا أن تروا كفرا بواحا عندكم من الله تعالى فيه برهان، وعلى أن نقول بالحق أينما كنا، لا نخاف في الله لومة لائم" (بخاری ٢/١٠٤٥، مسلم ٢/١٢٥)۔

اس حدیث میں کفر کا ذکر ہے مگر اس سے پہلی والی حدیث میں "کلمۂ عدل" کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرح کی ناانصافی اور ظلم پر ارباب اقتدار سے احتجاج کرنا اور ان کی غلط پالیسیوں پر تنقید کرنا نفس دینی عبادت ہے (مولانا سید اسرار الحق سبیلی)۔

١٢-"انصر أخاك ظالما أو مظلوما الخ" (مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا مبارک حسین ندوی)۔

اسرار الحق سبیلی، مولانا حفیظ الرحمن، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی)۔

۶- "قالوا یاایھا العزیز إن له أبا شیخا کبیرا فخذ أحدنا مکانه إنا نراک من المحسنین قال معاذ الله أن نأخذ إلا من وجدنا متاعنا عنده إنا إذا لظالمون" (سورۂ یوسف: ۷۸-۷۹) (مولانا سید اسرار الحق سبیلی)۔

۷- "لاتقتلوا شیخاً فانیاً ولا طفلاً ولا صغیراً ولا امرأة" (ابوداؤد: کتاب الجہاد)۔

"نھی رسول الله ﷺ عن قتل الصبیان والنساء" (بخاری: کتاب الجہاد)۔

(مولانا عبد الرشید جونپوری، مولانا عقیل الرحمن قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا ابرار خاں ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا تنظیم عالم قاسمی)۔

۸- "لا ضرر ولا ضرار، من ضار ضاره الله، ومن شاق شاق الله علیه" (مستدرک حاکم ۲/۵۷) (مولانا سید اسرار الحق سبیلی)۔

۹- "قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: نزل نبي من الأنبیاء تحت شجرة فلدغته نملة فأمر بجھازه فأخرج من تحتھا وأمر بھا فأحرقت بالنار، قال: فأوحی الله إلیه فھلا نملة واحدة" (مسلم: ۲۳۶) (مولانا محمد ارشاد قاسمی)۔

۱۰- زمانہ جاہلیت میں مقتول کے ورثاء قاتل سے متعلق کسی بھی فرد کو قتل کرکے قتل کا بدلہ لیا کرتے تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے منع فرمایا (مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا اختار عالم قاسمی، مولانا حفیظ الرحمن عمری)۔

۱۱- مجرموں کو گرفتار کرانا یا ان سے انتقام لینا صحیح ہے مگر اصل مجرم گرفتار نہ ہوسکیں تو ان کے عوض میں دوسرے بے گناہوں پر حملہ کرنا اور انہیں مارنا صحیح نہیں ہے (کفایت المفتی ۹/۳۳۹)

شریک سمجھے جائیں گے (مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مولانا محی الدین غازی فلاحی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا سلطان احمد اصلاحی)۔

انفرادی ظلم ہو تو متعین ظالم کے علاوہ بے قصور سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے، اور اگر پارٹی کی طرف سے ظلم ہو تو اس کے ہر فرد کو شریک جرم سمجھا جائے گا، کیونکہ وہ اس حرکت میں معین و مددگار ہیں، کیونکہ پارٹی کے ایک فرد کو دوسرے سے تقویت ملتی ہے۔ درمختار کی عبارت: "وتجری الأحکام المذکورة علی الکل بمباشرة بعضهم الأخذ والقتل والإخافة" کے تحت علامہ شامی لکھتے ہیں: "لأنه جزاء المحاربة وهي متحقق بأن یکون البعض ردءا للبعض" (۳/ ۲۱۵)۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جس فرقے نے قتل و غارت گری کا معاملہ کیا ہے اس فرقے کے دوسرے لوگوں نے ساتھ نہیں دیا بلکہ خدمت کی تو ان سے بدلہ نہیں لیا جائے گا (مولانا محمد ارشد قاسمی)۔

پابند قانون سماج میں رہ رہے ہوں اور جرم کی نوعیت انفرادی ہو اور انصاف کا حصول گروہی دباؤ سے آزاد ہو تو "للقرر وازرة" پر عمل ضروری ہے، بصورت دیگر ظالم گروہ کے سارے افراد مجرم شمار ہوں گے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بنو قریظہ کے سارے مردوں کو تہ تیغ کروا دیا تھا (جناب خورشید حسن رضوی)۔

بے قصوروں سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے بلکہ قانون سے بھی، بجائے اس کے عدالت سے فریاد کرنا چاہئے (ڈاکٹر وہبہ مصطفی زحیلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

عرض مسئلہ:

اسلام اور امن عالم

سوال نمبر ۵، ۶:

مولانا راشد حسین ندوی

رائے بریلی

"اسلام اور امن عالم" کے سوال ۵ اور ۶ پر عرض مسئلہ کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اس موضوع پر ملک و بیرون ملک کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے ۴۸ مقالات موصول ہوئے۔ ہم پہلے سوال ۵ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جس میں یہ دریافت کیا گیا تھا کہ جہاں بھی دہشت گردی پیدا ہوتی ہے وہاں اس کے کچھ بنیادی اسباب و محرکات ہوتے ہیں۔ جیسے کسی گروہ کے ساتھ معاشی، سیاسی، نا انصافی، یا کسی گروہ کے اندر طاقت و قوت کے ذریعہ حکومت اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کرلینے کی خواہش، ان اسباب کے تدارک کے لئے اسلام کیا ہدایات دیتا ہے؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے اکثر مقالہ نگاروں نے تسلیم کیا ہے کہ دہشت گردی کے یہی اسباب و محرکات ہوتے ہیں۔ مولانا اسعد قاسمی سنبھلی نے سوال ہی کو محل نظر قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ غیر مسلم حکومتیں اسلامی ہدایات کی پابند نہیں ہیں۔ مسلم حکومتیں پابند ہیں لیکن ان موضوعات کو بنیاد بنا کر اسلامی حکومت کے خلاف اسلام بغاوت کی اجازت نہیں دیتا ہے۔

بقیہ حضرات نے تدارک کے لئے مختلف تدابیر کا ذکر کیا ہے، جن میں سے بعض تدابیر

کی ہندوستانی علماء کی بڑی جماعت نے کی ہے، جبکہ بعض تدابیر بعض علماء کی انفرادی رائے کی صورت میں سامنے آئی ہیں۔ ہم ترتیب کے پیش نظر پہلے ان تدابیر کا ذکر کرتے ہیں جن کو جماعت علماء کی تائید و حمایت حاصل ہے، پھر ان تدابیر کا ذکر کریں گے جو الگ الگ افراد نے اپنے علم و تجربہ کی روشنی میں انفرادی رائے کے طور پر تحریر فرمائی ہیں:

پہلی رائے:

مولانا محمد ارشاد قاسمی بھاگلپوری، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا ابراہیم مجیب فلاحی (گجرات)، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا نیاز احمد عبدالحمید مدنی، مولانا عبیداللہ اسعدی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، قاضی محمد بدرالدین بیتکلی، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی (آسام)، مولانا مجیب الرحمن عتیق سنبھلی (ندوۃ العلماء، لکھنؤ)، مولانا قمر الزماں ندوی، سید خورشید حسنی رضوی (حیدرآباد)، قاری ظفر الاسلام، مفتی انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی (مئو) اور ڈاکٹر یوسف قاسم (کلیۃ الحقوق جامعۃ القاہرہ) کی ہے، ان حضرات کے نزدیک دہشت گردی کے مکمل خاتمہ کا ذریعہ اور حل و علاج صرف یہ ہے کہ عدل و انصاف، مساوات، احترام انسانیت اور عدم اعتداء علی الغیر کا بنیادی اصول بروئے کار لایا جائے اور اس میں ہر طرح کی طبقاتی تقسیم ختم کردیا جائے۔

مفتی انور علی اعظمی اور مولانا اشتیاق احمد اعظمی نے اپنی تائید میں مندرجہ ذیل آیات پیش کی ہیں:

۱- "اعدلوا هو أقرب للتقوى"۔

۲- "وإذا تولى سعى في الأرض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل" (سورۂ بقرہ: ۲۰۵)۔

۳-"وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين"۔

۴-"ولا تعتدوا إن الله لا يحب المعتدين"۔

مفتی جمیل احمد نذیری صاحب نے یہ احادیث نقل کی ہیں:

۱-"الظلم ظلمات يوم القيامة" (بخاری ۲: ۳۳۲)۔

۲-"من مشى مع ظالم ليقويه وهو يعلم أنه ظالم فقد خرج من الإسلام" (بیہقی ۲/ ۹۳۳)۔

جبکہ قاری ظفر الاسلام صاحب نے "الاحکام السلطانیۃ للماوردی ص ۶" کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے:

"وأما أهل الإمامة فالشروط المعتبرة فيهم سبعة، أحدها: العدالة على شروطها الجامعة ... الخ"۔

مفتی سید مراد الحق سعدی نے پہلے قدرے تفصیل سے دہشت گردی کے اسباب پر بحث کی ہے۔ موصوف کا کہنا ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ملک میں دہشت گردی کے اسباب میں یکسانیت ہو، البتہ کچھ اسباب مشترک بھی ہو سکتے ہیں، پھر ۱۳ اسباب بتانے کے بعد ان کے تدارک کے لئے مذکورہ بالا ذرائع اور وسائل ذکر کرنے کے علاوہ مندرجہ ذیل ذرائع بھی تجویز فرماتے ہیں:

۱-دعوت اسلام عام کی جائے: "وأنزلنا إليك الكتاب بالحق" (سورہ مائدہ: ۴۸)۔

۲-صبر اور اللہ سے دعا: "استعينوا بالله واصبروا" (سورہ اعراف: ۱۲۸)۔

۳-احساس محرومی کا خاتمہ: "لا تيأسوا من روح الله" (سورہ یوسف: ۸۷)۔

۴-دنیا کی محبت کا خاتمہ: "وما الحيوة الدنيا إلا متاع الغرور" (سورہ آل عمران: ۱۸۵)۔

۵-ایک دوسرے پر مذہب اور تہذیب مسلط نہ کرنا: "لا اکراہ فی الدین" (سورۂ بقرہ:۲۵۶)۔

۶- ناجائز ذہنیت کا خاتمہ: "من غصب قید شبر من الأرض طوقه من سبع أرضين" (بخاری ۲/۵، مسلم ۱۶۱۳)۔

دوسری رائے:

مولانا ارشد مدنی اور مولانا عبید اللہ صاحب (جامعہ اشرفیہ لاہور) کی ہے۔ ان دونوں حضرات نے مسئلہ کی دو شقیں کی ہیں:

الف: سماجی یا معاشی ناانصافی کی وجہ سے پیدا ہونے والی دہشت گردی۔

ب: حکومت اور سوسائٹی پر کنٹرول حاصل کرنے کی خواہش کی بنا پر دہشت گردی۔

شق (الف) کی دہشت گردی کے تدارک کے لئے ان حضرات کی بھی رائے پہلی رائے جیسی ہے، لیکن شق (ب) کے سلسلہ میں ان حضرات کا کہنا ہے کہ یہ ایک بغاوت ہے۔ اسلام ان کو پہلے راہ راست پر لانے کی دعوت دیتا ہے، اگر اس سے فائدہ نہ ہو تو تدبیر کے ذریعہ ان کے پروگرام کو ختم کیا جائے۔ آخری چارہ یہ ہے کہ بزور ان کو اس سے روکا جائے۔

مولانا ارشد مدنی صاحب نے اس پر استدلال آیت کریمہ "وأعدوا لهم ما استطعتم" (سورۂ انفال:۶۰) سے کیا ہے۔

تیسری رائے:

یہ ہے کہ اس کا تدارک صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ پورے کے پورے اسلام کو زندگی میں داخل کردیا جائے۔ یہ رائے مولانا مبارک حسین ندوی نیپالی، مولانا محی الدین غازی فلاحی اور مولانا محفل الرحمن قاسمی کی ہے۔ مولانا قاسمی صاحب نے اس کے لئے اس آیت

سے استدلال کیا ہے:

"تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم" (سورۂ آل عمران)۔

چوتھی رائے:

یہ ہے کہ دہشت گردوں سے سختی کے ساتھ نمٹنا ہی ذمہ داری حکومت کی ہے۔ یہ رائے مولانا شمس الدین صاحب اور مفتی عبدالرحیم صاحب کی ہے۔

ان آراء کے بعد ہم ان آراء کا ذکر کرتے ہیں جو اگرچہ جامع و قیمتی اور اہم ہیں لیکن انفرادی نوعیت کی ہیں:

۱- حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی کے نزدیک ان کے تدارک کا ذریعہ یہ ہے کہ ان کے لئے سنجیدہ، موثر اور مفید کوششیں کی جائیں اور ایسے مسلمان رہنماؤں سے مشورہ لیا جائے جو غیر جذباتی، شرعی اصولوں سے واقف اور تجربہ کار ہوں۔

۲- مولانا مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی کے نزدیک خلافت کا شورائی نظام دنیا کے سامنے رکھا جائے اور دنیا اسے قبول کرلے۔

۳- مولانا ابوسفیان صاحب مفتاحی کے نزدیک مسلمان حاکم کے خلاف بغاوت جائز نہیں ہے البتہ حاکم غیر مسلم ہو تو پرامن طریقے دھرنے وغیرہ سے ان اسباب کے تدارک پر حکومت کو آمادہ کیا جائے۔ اس سے کام نہ چلے تو عملاً حکومت سے تعاون ترک کرنا جائز ہوگا

۴- مولانا عبدالرشید صاحب قاسمی کے نزدیک اس کا تدارک کرنا واجب ہے۔ اسباب تدارک میں دعا، استغفار، اقدام و تنظیم، صبر، اچھی عادتوں اور جنگ بھی شامل ہے۔ موصوف کی دلیل یہ احادیث ہیں:

۱- "ان العباد اذا اطاعونی حولت قلوب ملوکهم علیهم (الی) ولکن

اشغلوا انفسکم بالذکر والتضرع بحکمکم" (مجمع الزوائد ۱۰/۲۲۱)۔

۴- "من رأى منكم منكرا" (الحديث)(مشكاة ۲/۲۳۶)۔

۵۔ مولانا ابو القاسم عبد العظیم کے نزدیک اسلامی قانون عدل اور قانون جہاد و قتال کو مکمل طور پر اپنایا جائے۔

۶- مولانا حفظ الرحمن صاحب عمری کے نزدیک اسلام کی ایک اہم ہدایت یہ ہے کہ مناسب وقت کا انتظار کیا جائے جیسے معرکہ بدر تک مسلمانوں کو ظلم کا بدلہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی۔

۷- مولانا افتخار عالم قاسمی صاحب کے نزدیک اسلام اس کے لئے دو طرح کی ہدایات دیتا ہے:

الف- ہمت و طاقت ہے تو ان سے بڑھ کر ان سب چیزوں کو ختم کیا جائے: "ولولا دفع الله الناس" (سورہ حج: ۴۰) "يجب على كل من أطاق الدفع أن يقاتل مع الإمام" (قرطبی ۹/۴۱ مکتبہ بیروت)۔

ب- طاقت نہ ہو تو صبر و دعا کرنا چاہئے، مسلم کی حدیث ہے: "تسمع وتطيع وإن ضرب ظهرك وأخذ مالك" (الامارۃ، بخاری ۲۱۰۵)۔

۸- مولانا خورشید احمد صاحب اعظمی کے نزدیک اس کا مثبت طریقہ بھی ہے اور منفی بھی۔ مثبت طریقہ ان کی رائے میں رائے اول کے مطابق ہے، دونوں ہی تقریباً ایک ہیں، اور منفی طریقہ میں موصوف نے حدود و تعزیرات کا ذکر کرکے متعلقہ آیات ذکر کی ہیں۔

۹- ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی صاحب آیت کریمہ "وما يتبع أكثرهم إلا ظنا" کی روشنی میں تحریر فرماتے ہیں: ظن پر چلنے سے کام نہیں چلتا، الغرض ان کی دہشت گردی کے اسباب کی گرہ کھول دیتا ہے۔

۱۰- مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب کے نزدیک مسلمان اپنی معاشی اور سیاسی حالت مستحکم کریں، دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی طرف توجہ کریں، اعلیٰ ملازمتوں کے حصول کے لئے منصوبہ بند کوشش کریں، عدالتوں میں اپنا کردار نبھائیں۔

۱۱- سید محمود اختر حسین شاہ سیالوی (پاکستان) کے نزدیک اسلام دہشت گردی کے اسباب مثلاً غربت وغیرہ کو دور کرنے پر زور دیتا ہے۔ اور دہشت گردی شروع ہو جائے تو سارے حقوق و ذرائع سے اسے کچلنے کے بعد ان بنیادی اسباب کی طرف توجہ دینے کی ہدایت دیتا ہے۔ ان کی دلیل "الفقه علی المذاهب الاربعة" کی ایک عبارت سے ہے۔

۱۲- مولانا تنظیم عالم قاسمی صاحب نے سابقہ اہل علم کے مشابہ رائے ظاہر کرتے ہوئے بنیادی دلائل دئے ہیں، ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

۱- دنیا کی بے حقیقتی ظاہر کی جائے: "وما الحیوة الدنیا الا متاع الغرور"۔

۲- ایک کے بدلے دوسرے کو نہ پکڑا جائے: "ولا تزر وازرة"۔

۳- احتجاج کا راستہ کھلا رکھا جائے، یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

۱۳- مولانا مصطفیٰ قاسمی نے اس کی دو شقیں کی ہیں:

الف- پہلی شق میں موصوف نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ تحفظ دین، جان، عقل و شعور، نسب اور مال کے لئے قتال کی اجازت ہے، دلائل:

۱- "انما جزاء الذین یحاربون الله ورسوله"۔

۲- "جاء رجل الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال: الرجل یأتینی فیرید مالی (ثم جاء فیه) قال: فقاتل دون مالک حتی تکون من شهداء الآخرة او تمنع مالک" ([illegible])

ب- دوسری شق میں موصوف نے حکومت کے خلاف بغاوت کو شرعاً ناجائز قرار

صاحب نے (سورۂ مائدہ: ۲۸ میں مذکور) ہابیل اور قابیل کے قصے سے بھی استدلال کیا ہے۔

چوتھی رائے:

مسئلہ میں تفصیل کی ہے، یعنی جان و آبرو کی طرف سے دفاع کرنا واجب ہے اور مال سے دفاع کرنا جائز ہے۔

یہ رائے ڈاکٹر یوسف قاسم (قاہرہ)، مولانا ابرار خان ندوی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مولانا مجیب الرحمن عتیقی سنبھلی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی اور قاری ظفر الاسلام صاحب کی ہے۔

ان حضرات نے مال کی طرف سے مدافعت کے جواز پر مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ بعض فقہی عبارات اور شراح حدیث کے اقوال نقل کئے ہیں، مثلاً شیخ عبد القادر عودہ کی یہ عبارت:

"أما الدفاع عن المال فعلى الفقهاء يرونه جائزا لا واجبا" (التشریع الجنائی ۱/ ۴۷۳، [illegible] ص ۱۲۳)۔

اور جان و آبرو کی حفاظت کے وجوب پر ان کے دلائل یہ ہیں:

۱- "ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة" (سورۂ بقرہ: ۱۹۵)۔

۲- "فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء إلى أمر الله"۔

۳- "فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم"۔

۴- "التشريع الجنائي الإسلامي" (۱/ ۴۷۳) کی یہ عبارت "فقد اتفق الفقهاء على أن دفع الصائل واجب"۔

۵- فتح الباری ۵/ ۱۵۷۔

پانچویں رائے:

مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم کی ہے کہ مقتضائے حال کے مطابق دفاع کبھی واجب ہوگا، اور کبھی مباح یا مستحب۔ ان کا استدلال مائدہ والی میں ذکر کردہ احادیث کے علاوہ اس بات سے بھی ہے کہ قرینہ صارفہ مقتضائے حال کا بھی ہوتا ہے۔

چھٹی رائے:

مولانا محی الدین غازی صاحب کی ہے کہ دفاع کرنے پر مفسدہ قلیل ہونے کا امکان ہو تو دفاع مستحب ہوگا اور اگر مفسدہ کبیرہ کا اندیشہ ہو تو جائز ہوگا۔

جہاں تک دوسری شق یعنی حق مدافعت کے حدود کا تعلق ہے تو اکثر مقالہ نگاروں نے مختلف تعبیرات نیز اجمال اور تفصیل کے فرق کے ساتھ حدود مدافعت کا ذکر کرتے ہوئے دفاع کو اس بات سے مشروط کیا ہے کہ اس پر حقیقتاً ظلم و زیادتی کی جائے اور دفع ظلم میں الاخف فالاخف کا خیال رکھتے ہوئے آسان ترین طریقہ اختیار کیا جائے، اور دفع ظلم میں طاقت کا استعمال بقدر ضرورت کیا جائے۔

یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا حفیظ الرحمن عمری، مولانا افتخار عالم قاسمی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا مبارک حسین ندوی، مفتی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا حبیب الرحمن عتیق ندوی، مولانا محمد شمس الدین، سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، مولانا ابرار خان ندوی اور مولانا ابراہیم کجیانلاقی۔

مولانا عطاء اللہ قاسمی، قاضی محمد ہارون مینگل، مولانا حفیظ الرحمن عمری اور مولانا افتخار

اور مولانا ابوالعاص وحیدی صاحب اور مولانا نیاز احمد مدنی صاحب فرماتے ہیں: جب کسی بڑے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، دفاع میں ظلم و زیادتی نہ ہو جو کہ حق کے لئے دفاع کیا جائے۔

اور مولانا قمر الزمان ندوی کہتے ہیں: جب کامیابی کے امکانات روشن نہ ہوں۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی کی رائے ہے کہ قانون کی حکمرانی باقی رکھتے ہوئے مدافعت کا حق استعمال کیا جائے۔

جبکہ ڈاکٹر یوسف قاسمی صاحب حدود بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ظلم کے وقوع سے پہلے یا اس کے تسلسل کو روکنے کے لئے دفاع کی اجازت ہوگی اور جب ظلم کا وقوع ہو جائے تو پھر عدالت ہی کا دروازہ کھٹکھٹائے۔

اور مولانا ابو القاسم عبد العظیم نے وضاحت کے بغیر حدود پر دلالت کرنے والی ان آیات اور فقہی قول کا ذکر کیا ہے:

۱- "إلا الذين تابوا من قبل أن تقدروا عليهم"۔

۲- "وقاتلوهم حيث ثقفتموهم"۔

۳- امام احمد کا قول: "قاتلهم حتى تمنع نفسك ومالك" (ایضاً حوالہ سابق ص ۱۹۱، ۱۶۲)۔

تحریری آراء:

مولانا برہان الدین سنبھلی

مفتی عبید اللہ اسعدی

مفتی جمیل احمد نذیری

مفتی شیر علی گجراتی

سید امیر حسین گیلانی

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی

مفتی محبوب علی وجیہی

سید قدرت اللہ باقوی

مولانا زبیر احمد قاسمی

مولانا ابراہیم گجیا فلاحی

ڈاکٹر یوسف قاسم، قاہرہ

مولانا محمد قاسم مظفر پوری

مولانا حفیظ الرحمن عمری

مفتی حمید اللہ جان

قاضی محمد ہارون مینگل

دہشت گردی اسلامی نقطۂ نظر سے

مفتی عبید اللہ اسعدی، باندہ

۱۔ حق وانصاف کو بالائے طاق رکھ کر، اور ظالم ومظلوم کے فرق سے آنکھ بند کر کے ذاتی وجماعتی مفادات ومقاصد کے لئے کی جانے والی ہر کوشش دہشت گردی ہے۔

۲۔ اس قسم کی حرکتیں عوام کریں یا جماعتیں، افراد کریں یا حکومت، سب دہشت گردی کے تحت آتا ہے۔

۳۔ ناانصافی کے خلاف احتجاج حسب موقع وحالات جائز بھی ہے اور واجب بھی، اور مظلوم کا اپنے حق کے لئے اقدام کرنا بہر حال دہشت گردی نہیں ہے۔

۴۔ ظالم طبقہ سے تعلق رکھنے والے وہ افراد جو عملاً وفکراً اس ظلم وستم سے دور اور اس کو ناپسند کرنے والے ہوں، ان کو ظالموں کے ظلم کے بدلہ انتقام کے لئے شکار بنانا کسی طرح درست نہیں ہے، جبکہ انتقامی کارروائی کے نقطوں میں امتیاز ممکن ہو۔ اگر امتیاز ممکن نہ ہو تو گنجائش ہے، جنگوں میں شب خون اس کی نظیر ہے۔

۵۔ دہشت گردی کے مکمل خاتمہ کا ذریعہ اور حل وعلاج صرف یہ ہے کہ عدل وانصاف کو بروئے کار لایا جائے اور کسی طرح کی طبقاتی تقسیم وغیرہ کے بغیر اور اس سے قطع نظر انسانوں اور انسانیت کی بھلائی کو سوچا جائے۔

اگر بغور دیکھا جائے تو "دہشت گردی" کا بنیادی عنصر خوف وہراس پھیلانا ہے، اور
خوف وہراس پھیلانے کا مقصد ہوتا ہے اپنے مخالفین کو دبانا اور کچلنا یعنی مرعوب کرنا، انہیں سر نہ
اٹھانے دینا۔

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں "دہشت گردی" کی حقیقت و ماہیت یہی ہے کہ خوف و
ہراس پھیلا کر اپنے غیروں کو دبانا اور اپنی برتری کا اظہار کرنا۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک ظالمانہ اور غیر منصفانہ کارروائی ہے، لہٰذا اگر کوئی حکومت اپنے
ملک کے کسی طبقے کے ساتھ عدل و مساوات نہ کرے، وہ منظم طور پر اس کے ساتھ تعصب کی بنا پر
ناانصافی روا رکھے، اس کے جان و مال کے تحفظ میں کوتاہی برتے، اور جان بوجھ کر اس کو جان
و مال کے نقصان سے دوچار کرنے کی کوشش کرے، اس طرح اسے دبائے اور کچلے تو بلاشبہ اس پر
دہشت گردی کی تعریف صادق آئے گی۔

۳۔ ناانصافی پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار جائز ہے، لیکن اسے واجب کہنے میں اختلاف ہوسکتا
ہے، یہ چیز حالات و مصالح پر منحصر ہے، البتہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ مظلوم کا ظلم کے خلاف
اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی نہیں ہے، بلکہ دہشت گرد وہ ہے جو ظالم ہے۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"إن الله لا يمنع ذا حق حقه" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوۃ المصابیح
[illegible]) (اللہ تعالیٰ کسی حق والے کو حق لینے سے نہیں روکتا)۔

۴۔ مظلوموں کے لئے ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے جو
بے قصور ہوں اور خود اس ظلم میں کسی طرح شامل نہ ہوں۔

مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری لکھتے ہیں:

اسلام میں امن وسلامتی

مفتی شبیر محمد گجراتی
مدرسہ فلاح دارین، ترکیسر

۱- تعریف: دہشت گردی وہ حد سے بڑھا ہوا ظلم ہے جس کا ارتکاب افراد، جماعتیں یا حکومتیں کسی انسان کے دین، جان، مال اور عزت پر ناحق کریں۔

یہ تعریف خوفزدہ کرنے اور تکلیف پہنچانے کی ان تمام صورتوں کو شامل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع کیا ہے۔ "اور زمین میں فساد نہ مچاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں فرماتا" (سورۂ قصص: ۷۷)۔

۲- حکومتوں کے غیر منصفانہ رویوں پر دہشت گردی کا اطلاق نہیں ہوگا، بلکہ یہ ظلم، کوتاہی اور ناانصافی کہلائے گا۔ لیکن یہی ناانصافی بسا اوقات ریاست بلکہ ملک میں تشدد اور دہشت گردی پھیلنے کا سبب بن جاتی ہے اور مظلومین کی طرف سے انتقام کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جیسے عراق، افغانستان اور فلسطین کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

۳- اگر کسی جماعت یا قوم کے ساتھ حکومت کی طرف سے واقعۃً ناانصافی اور ظلم ہو تو اس کو قانونی دائرہ میں رہتے ہوئے شور شرابہ کیے بغیر پُرامن طریقہ پر حتی الامکان احتجاج کرنا ہی چاہیے بشرطیکہ اس احتجاج کا نتیجہ خلافِ توقع نکلنے کا اندیشہ نہ ہو۔ لیکن اگر اس بات کا غالب گمان ہو کہ معاملات مزید بگڑ جائیں گے تو اسے صبر ہی کرنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان" (مسلم شریف ۱/۵۱)۔

۴۔ مظلوموں کا ظالم گروہ سے ان کے ظلم کے بقدر بدلہ لینا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم واتقوا الله واعلموا أن الله مع المتقين" (سورۃ بقرہ ۱۹۴)۔ اور مظلوموں کا ظالم گروہ کے بے قصور افراد سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ولا يجرمنكم شنآن قوم أن صدوكم عن المسجد الحرام أن تعتدوا" (سورۃ مائدہ ۲) اور "المظلوم لا يظلم غيره" (ماید ن ۳)۔

۵۔ دہشت گردی کے ازالہ کے لئے اسلامی ہدایات وتعلیمات یہ ہیں کہ عدل وانصاف قائم کیا جائے۔ تمام انسانی حقوق کا احترام کیا جائے اور حکومتیں تمام شہریوں کو باعزت زندگی گزارنے کا موقع دیں لیکن چونکہ مسلمانوں کے پاس حکومت نہیں ہے اس لئے حکومتوں کو قانون کے موافق عدل وانصاف قائم کرنے کی اور حقوق ادا کرنے کی تلقین اور اس کا مطالبہ کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وجادلهم بالتي هي أحسن" اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان" (مسلم شریف ۱/۵۱)۔

۶۔ حتی المقدور جان، مال اور عزت وآبرو کی مدافعت واجب ہے، البتہ مال کی مدافعت کے لئے اپنی جان خطرہ میں نہ ڈالے اس لئے کہ مال کے مقابلہ میں جان کی حفاظت زیادہ ضروری ہے۔ "إذا ابتليت ببليتين فاختر أهونهما"۔

حدود مدافعت: مظلوم کو جوابی کارروائی میں زیادتی سے پرہیز کرنا چاہئے اور

حتی الامکان تجاوز نہیں اور دفاع کرنا چاہئے۔ جہاں تک تخفیف سے مدافعت ہو سکے تشدد نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم"۔ یہ سب باتیں رعایات متعلق ہیں حکومتوں سے نہیں۔

دہشت گردی سے ممانعت کا حکم

سید امیر حسین بازئی

جمعیت علماء اسلام پاکستان

اسلام نے دہشت گردی قطعی طور پر حرام قرار دی ہے۔ دہشت گردی کا مطلب ہے کسی کی جان لینا، مال لینا اور قتل و فساد برپا کرنا۔ جس کی قرآن پاک کی تعلیم میں ممانعت متعدد مقامات پر موجود ہے۔ دہشت گردی کے خلاف "والفتنة اشد من القتل" اس آیت سے بھی استدلال ہو سکتا ہے (پارہ ۲، آیت ۱۹۰)۔

سورۃ مائدہ آیت ۳۲ میں "انہ من قتل نفسا" سے شروع ہو کر "احیا الناس جمیعا" تک۔ دہشت گردی اور قتل و قتال فساد فی الارض کو منع قرار دیتے ہوئے صریحاً حرام قرار دیا ہے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے اس کی تفسیر میں ۱۱۰ سے لے کر ۱۱۳ کے آخر تک یوں ارشاد فرمایا جس کو دیکھا جا سکتا ہے:

اس پورے رکوع پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دہشت گردی کا اسلام میں کوئی جواز نہیں ہے۔ اسلام مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم کے قتل کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ اور اسلام حقوق کے حوالے سے تنبیہ کرتا ہے کہ ہر حق دار کو حق دینا ہی معاشرتی اور اخلاقی ذمہ داری ہے۔ بیشتر فسادات اور لڑائیاں حقوق کی بنیاد پر ہوتی ہیں۔ اگر حقوق ادا کر دیے جائیں تو پھر معاشرے میں امن و امان اور پر امن زندگی گزارنے کے بے شمار عظمت کے ساتھ مواقع حاصل ہوتے ہیں۔

جھگڑے اور فساد کی بیخ کنی ہو جاتی ہے، لوگ باہم محبت اور پیار سے زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔
اور اسلام اسی کا داعی اور ضامن ہے۔ اس لئے دہشت گردی اور اسلام کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں
ہو سکتا۔ اول روئے زمین پر بڑا گناہ یہی ہوا کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کیا اس کے بعد رسم پڑ گئی۔
اسی سبب سے تورات میں اس طرح فرمایا کہ "ایک کو مارا جیسے سب کو مارا" یعنی ایک ناحق خون
کرنے سے دوسرے بھی اس جرم پر دلیر ہوتے ہیں۔ تو اس حیثیت سے جو شخص ایک کو قتل کرے
بدامنی کی جڑ قائم کرتا ہے گویا وہ سب انسانوں کے قتل اور ساری بدامنی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔
اور جو کسی ایک کو زندہ کرتا ہے یعنی کسی ظالم قاتل کے ہاتھ سے بچاتا ہے گویا وہ اپنے عمل سے
سارے انسانوں کو بچانے اور محفوظ کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔ (تفسیر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر
احمد عثمانی)۔

اسلام میں دہشت گردی اور جہاد کا فرق

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی
مالیر کوٹلہ، پنجاب

ابھی کچھ عرصے سے مسلمانوں کی مجاہدانہ آواز کو دبانے کے لئے ایک نیا نام دہشت گردی کا دیا گیا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ اسلامی جہاد کے خلاف اس کو بدنام کرنے کے لئے پہلے بھی آوازیں اٹھتی رہی ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی جہاد کا اپنا ایک مستقل تصور ہے جو انتہائی منصفانہ اور عادلانہ ہے، اسلامی جہاد کا تصور یہ ہے کہ انسان اپنے فکر و عمل میں آزاد ہے اور یہ آزادی اور اختیار جو انسان کو ملا ہے وہ اللہ کا عطا کیا ہوا ہے، کسی قوم کو یا کسی فرد کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ انسانوں کو اپنا غلام بنائے، ان پر جبر و ظلم کرے اور ان کی آزادی کو چھیننے کی کوشش کرے، اسلامی جہاد ظلم اور منکرات کو ختم کرنے کی جد و جہد اور کوشش کا نام ہے، اس لئے اس کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے اور ہے۔

۱۔ اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی کی تعریف اور حقیقت یہ ہوئی کہ کسی پر ظلم کرنا، اس کے حقوق کو چھیننے کی کوشش کرنا اور اس کو دبانے کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کرنا، ایسا ماحول پیدا کرنا کہ لوگ سہمے ہوئے ڈرنے لگیں اور ان کے جان و مال، آبرو اور ان کی آزادی خطرے میں ہوں، دہشت گردی گردی کے جواب میں قوت کا استعمال ہے جس کا مقصد مقابلہ و

خائف کرنا ہے، اسلام نے انسان کے حقوق کو بڑی تفصیل سے قرآن وحدیث میں بیان کیا ہے اورآج کی اقوام نے بھی انسانی حقوق کے چارٹر کو منظوری دی ہے، ان حقوق کو مختلف طریقوں سے ہڑپ کرنے کی کوشش کرنا دہشت گردی ہے اوران حقوق کی حفاظت کرنا اسلامی جہاد ہے۔

۲- بے شک دہشت گردی سرکاری سطح پر بھی ہوتی ہے اور اس کے بہت سے نمونے ہمارے ملک میں بھی سامنے آچکے ہیں، تازہ نمونہ گجرات کا ہے، جس کو سرکاری دہشت گردی کے سوا کوئی نام نہیں دیا جاسکتا، اسرائیل کی فلسطین پر ریاستی دہشت گردی، چیچنیا پر روس کا فوجی کنٹرول اور میناڈانا پر فلپائن کی فوج کشی ریاستی دہشت گردی ہے۔

۳- حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مظلوم کی بھی مدد کرو اور ظالم کی بھی"، اس پر صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد کرنا تو ٹھیک ہے لیکن ظالم کی مدد کیسے ہوگی؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "ظالم کو ظلم سے روکنا یہ اس کی مدد کرنا ہے"۔

اور یہ حدیث تو بہت ہی مشہور ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "منکر کو دیکھ کر نظر انداز مت کرو، اگر طاقت ہے تو ہاتھ سے بدلنے کی کوشش کرو، ہاتھ میں طاقت نہیں تو زبان سے برائی کو برا کہو، اور زبانوں پر بھی تالے لگ چکے ہیں تو کم سے کم دل میں برائی کو برا سمجھو، اور یہ ایمان کا سب سے کم درجہ ہے"۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے ایمان کے تقاضے میں یہ بات شامل ہے کہ ہم ظلم پر سراپا احتجاج بن جائیں اور حسب استطاعت اس کو ختم کرنے کی کوشش کریں، قرآن مجید کی آیت "تواصوا بالحق وتواصو بالصبر" کی تفسیر وتشریح ان تمام چیزوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔

۴- ظاہر ہے کہ ان حضرات سے بدلہ لینا جو اس زیادتی اور ظلم کے ذمہ دار نہیں ہیں ہرگز جائز نہیں ہے، اندرا گاندھی کا قتل ان کے باڈی گارڈ نے کیا جو سکھ تھا، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ

سارے شخصوں کو اس کا ذمہ دار سمجھا جائے اور ان کے خلاف انتقامی کارروائی کی جائے۔

۵۔ درحقیقت اسلام نے ایک منصفانہ سیاسی نظام شورائی خلافت دیا ہے تاکہ ہر طبقے کے ساتھ انصاف ہو سکے اور ہر ایک کو اس کا حق ملتا رہے، لوگوں کی گردنیں جبر سے آزاد ہوں اور ان کی زبانیں حق کہنے کے لئے تیار ہوں، اگر دنیا کے سامنے شورائی خلافت کا سیاسی نظام اپنے پورے خدوخال کے ساتھ رکھا جائے اور آج کی دنیا اس کو قبول کرلے تو وہ سارے محرکات جو دہشت گردی کا سبب بنتے ہیں ختم ہو جائیں گے۔

۶۔ جان و مال اور عزت و آبروکی حفاظت انسان کی فطرت ہے، اگر مقدرت ہو تو واجب ہے، اور اگر طاقت و قوت نہ ہو تو مباح ہے، لیکن جہاں تک ہو سکے قانون کی حکمرانی کو باقی رکھتے ہوئے اپنی مدافعت کا حق استعمال کیا جائے یعنی ہر فرد اور گروہ کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ از خود سزا دے بلکہ سزا دینا اور جرم کی حیثیت کا تعین کرنا قانونی اداروں کا کام ہے، اگر ہر شخص کو یا ہر جماعت کو یہ کھلی ہوئی چھوٹ دے دی جائے کہ مجرم کو سزا دیں تو قانون کی حکمرانی ختم ہو جائے گی اور انارکی پھیل جائے گی، حاصل یہ ہے کہ اپنا بچاؤ تو ضرور کیا جائے مگر بچاؤ کے نام پر قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لیا جائے۔

دہشت گردی اور ظلم میں یکسانیت

مفتی محبوب علی وجیہی (رامپور)

۱- ایک منظم اور عدل وانصاف پر مبنی حکومت جو اس ملک کے رہنے والوں کی جان ومال کی حفاظت کرتی ہے اس کے مقابلہ پر جنگ وجدال، لوٹ مار حکومتی سطح پر دہشت گردی ہے، ایسے ہی حکومت کی جانب سے رعایا کی حق تلفی، ظلم وستم، قتل وغارتگری دہشت گردی ہے، بلا جواز شرعی اپنے ذاتی اغراض کے لئے لوگوں کا قتل، لوٹ مار بھی دہشت گردی ہے، اگر کسی ملک کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو دونوں ملکوں کو آپس میں بیٹھ کر اس کو حل کرنا چاہئے، اگر یہ نہ ہو سکے تو کسی ثالث کے ذریعہ معاملہ طے کرنا چاہئے، ایک دوسرے کے خلاف محض عداوت کی بنا پر جنگ وجدال اور اللہ کے بندوں کا قتل خصوصاً عورتوں اور بچوں کا اسلامی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے، جناب محمد رسول اللہ ﷺ و خلفاء کی دیگر قوموں سے اکثر جنگیں اقدامی نہیں ہیں بلکہ دفاعی ہیں، اور دفاع کا نام دہشت گردی نہیں ہے۔ اگر کسی حکومت نے پبلک سے یا کسی ملک سے کوئی معاہدہ کیا اور حکومت اپنی طاقت وقوت کے بل بوتے پر اس معاہدے کے مطابق اس کا حق نہ دے تو اس کے لینے کے لئے جدوجہد اور کوشش کرنا دہشت گردی نہیں ہے۔

۲- حکومت کے فرائض منصبی میں یہ ہے کہ اس ملک کے جو باشندے ہیں ان سب کے ساتھ خواہ نسلی، سماجی، معاشرتی، مذہبی، لسانی اختلاف ہو ایک سا سلوک کرے، جو حکومتیں اپنی رعایا کی جان ومال کی حفاظت میں دانستہ فرق کرتی ہیں یا کوتاہی کرتی ہیں یا سیاسی، معاشی وغیرہ

میں کھلایا جاتا تو ناانصافی کرتی ہیں اور وہاں کی انتظامیہ کھلم کھلا قاتلوں اور ظالموں کا ساتھ دیتی ہے اور حکومت تماشائی نہیں بلکہ درپردہ ان کی حمایت کرتی ہے تو ایسی حکومت بھی دہشت گرد ہے، اور پبلک کی دہشت گردی کے مقابلہ میں بڑی دہشت گرد ہے۔

۳- اس سلسلہ میں وہ حدیث پاک جس میں ہے: "من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ ای بطاقتہ او بلسانہ او بقلبہ وذلک اضعف الایمان" (مسلم، ترمذی، ۲۱۸۰)، اس سے معلوم ہوا کہ اگر مقابلہ کی پوری طاقت ہو تو اس برائی کو طاقت سے مٹائے، اور اگر وہ قوت حاصل نہیں ہے تو پھر احتجاج قولی، فعلی، تقریری، تحریری کرے، اور یہ بھی طاقت نہ ہو تو کم از کم دل سے برا سمجھے، نیز کسی مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا ہرگز دہشت گردی نہیں ہے، جیسے کہ ایک حدیث پاک میں ہے: "من قتل دون نفسہ فھو شہید ومن قتل دون مالہ فھو شہید" (ترمذی، ۲۰۹۰، نسائی ۴۰۹۵)۔

۴- بدلہ انہیں لوگوں سے لیا جائے جو کسی نہ کسی نوع ظلم میں شریک ہوں، اور جو بے قصور ہوں اور اس ظلم میں شامل نہ ہوں بلکہ ظلم کو روکتے ہوں تو ان پر ظلم کرنا اور ان سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے، ہاں اگر وہ اپنی سماجی یا سیاسی طاقت سے روک سکتے ہوں اور نہ روکیں تو وہ بھی اس ظلم میں شامل ہیں۔

۵- اولاً تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اسلام کسی سطح پر چاہے سیاسی ناانصافی ہو یا سماجی، جس طرح مسلمان کے لئے جائز نہیں رکھتا ایسے ہی غیر مسلم کے لئے جائز نہیں رکھتا، اسی ناانصافی میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی گروہ اپنی طاقت اور قوت کے ذریعہ حکومت یا معاشیات و دیگر مسائل پر تسلط و تغلب حاصل کرے تو اسلام اس کی بھی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

۶- اگر کسی گروہ یا فرد کی جان، مال یا عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو اس کا دفاع کرنا

اسلامی نقطہ نظر اور دہشت گردی

ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی (میسور)

۱- ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت أيدي الناس (سورۃ روم: ۴۱) لوگوں کے دین فطرت پر قائم نہ رہنے کی وجہ سے ظلم وتشدد کا بازار بحر وبر میں گرم ہو چکا ہے، زمین میں قتل وغارتگری اور سمندروں میں لوٹ مار اور لڑائیوں کا طوفان شروع ہو گیا ہے، بحر وبر لوٹ مار، حرام کاری، شراب نوشی اور عزت ریزی میں عام ہوگئی جو نتیجہ ہے راہ راست سے الگ ہونے کا اور یہی اسلامی نقطہ نظر سے دہشت گردی ہے۔

ومن الناس من يعجبك قوله في الحيوة الدنيا ويشهد الله على ما في قلبه وهو ألد الخصام وإذا تولى سعى في الأرض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل والله لا يحب الفساد (سورۃ بقرۃ: ۲۰۵)۔

(اور بعض لوگ وہ ہیں جن کی بات دنیا کی زندگانی میں آپ کو پسند آتی ہے اور اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ کرتا ہے اور وہ سخت ترین جھگڑالو ہے اور جب آپ سے پیٹھ پھیرتا ہے تو زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے کہ وہ فساد مچائے اور کھیتی و مویشی ہلاک کرتا ہے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا)۔

اسی قسم کی دوسری آیتوں سے معلوم ہوتا کہ اجتماعی سکون وطمانیت کا اعتدال غائب کر دینا قتل وفساد اور دہشت گردی ہے، اسی طرح ظلم و زیادتی کرنا، گھر بار و خاندان میں تفرقہ میں

تشدد برتنا اور زندگانی برباد کر کے شہر بدر کر دینا بھی دہشت گردی ہے۔

۲- نئی یا اگلی غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ اختیار کرنے والی حکومتوں پر دہشت گردی کا اطلاق ہوتا ہے۔

۳- اگر کسی طبقہ پر ناانصافی ہو تو اس پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار واجب ہے، مظلوم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی نہیں ہے۔

۴- بے قصور سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے۔

۵- "وما یتبع اکثرھم الا ظنا ان الظن لا یغنی من الحق شیئا ان اللہ خبیر بما یفعلون" (سورہ یونس: ۳۶) اس آیت کی روشنی میں اکثر گمان اٹکل پر چلنے والے ہیں گمر اٹکل حق کے سوا کسی اور پر کام نہیں کرتا اللہ ہر کام پر قادر ہے ان کی دہشت گردی کے اسباب کی گرہ کھول دیتا ہے اور حق کی وضاحت کر دیتا ہے۔

۶- کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت پر حملہ ہو تو حتی المقدور اس کی مدافعت واجب ہے۔

اسلام امن و آشتی کا مذہب

مولانا [illegible] محمد [illegible]
استاذ [illegible]

بلاشبہ اسلام امن و آشتی اور صلح و صداقت کا مذہب ہے، اور اس کا منشور ہی امن عام اور ایک صالح نظام کی دعوت ہے۔ اسلام کا دہشت گردی سے کوئی جوڑ ہی نہیں ہے۔

دہشت گردی درحقیقت صرف ان جارحانہ اقدام کو کہا جا سکتا ہے جو کسی امن پسند فرد یا عام سماج، یا فرد واحد اور قوم و جماعت اور ملک کے خلاف ہو، محض ظلم و عدوان اور ناحق قتل و فساد برپا کر کے ایک صحیح پسند معاشرہ و سماج میں خوف و ہراس کی نفسیات اور بے چینی و بے اطمینانی کی کیفیت پیدا کر دے اور متعدد افراد و گروہ یا ملک کی جان و مال عزت و آبرو کو خطرہ کی زد میں لے آئے۔ ایسا جارحانہ اقدام یقیناً عقل و منطق کے خلاف ہونے کے ساتھ اصول اسلام اور ضابطہ شریعت سے متصادم ہے۔

بایں ہمہ اگر کوئی غلط طور پر اسلام کا رشتہ دہشت گردی سے جوڑتا ہے تو وہ دراصل ایک حقیقت کی ضد میں ایک نامعقول اور عبث واہیات کوشش کرتا ہے۔ اور یہ مذموم حرکت مسلمانوں کے ڈرنے اور ٹھٹکنے کی چیز نہیں۔ یہ کوئی آج کی بدعت نہیں، اسلام مخالف گروہ کی طرف سے ہمیشہ ہی ایسا ہوتا آیا ہے۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ کو بیٹے سے جوڑا گیا اور رسول اللہ ﷺ جیسی [illegible] اور

بے داغ شخصیت کو کاہن و ساحر کہنے سے باز نہیں رہا گیا تو آج ان ہی کے لائے ہوئے دین اسلام کو اس کی حقیقت کے خلاف کچھ اور باور کرانے کی ناپاک کوشش پر حیرت و استعجاب ہی کیوں؟

ہاں حیرت بلکہ افسوس کے قابل خود مسلمانوں کا یہ طرز عمل ہو سکتا ہے کہ بر خود غلط قسم کے دشمنان اسلام کے پروپیگنڈوں اور متعصبانہ طعنوں سے ڈر کر احساس کمتری کا شکار ہو کر مداہنت کی روش اختیار کی جائے۔

بہر حال دہشت گردی کا جو مفہوم ہم نے سمجھا ہے اور جسے میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے اس کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی باغی و طاغی، جابر، وحشی اور سفاک و عیار و ظالم کے خلاف دفاعی اقدام جس طور اور جس انداز سے ہو اسے دہشت گردی ہر گز نہیں کہا جا سکتا بلکہ اپنی عزت و آبرو، اپنی جان و مال، اپنے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے دفاعی کوشش ہی کا نام دیا جا سکتا ہے جو ہر باغیرت باحمیت انسان، گروہ اور ملت کا ایک فطری حق ہے، ایسی تمام کوششوں کی یقیناً حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر، و صد عن سبیل اللہ و کفر بہ و المسجد الحرام و اخراج اھلہ منہ اکبر عند اللہ و الفتنۃ اکبر من القتل" (سورۂ بقرہ ر ۱۷۱)۔ حضرت تھانوی کے بیان و تشریح کے مطابق جب حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بطور خطاء اجتہادی شہر حرام میں قتل و قتال ہو گیا اور کفار نے طعنہ آمیز اعتراض کیا تو اولاً تحقیقی جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ان مہینوں میں خاص طور پر عمداً قتال ممنوع و جرم ہے کہ خطاً۔ اس کے بعد الزامی جواب یہ دیا جاتا ہے کہ کفار و مشرکین کو کسی طرح منہ ہی نہیں کہ وہ مسلمانوں کے ایک خطاء اجتہادی والے فعل پر اعتراض کرے، کیونکہ خود کفار کی جو حرکتیں ہیں یعنی دین سے لوگوں کو روکنا، اللہ کے ساتھ اور مسجد حرام کے ساتھ کفر کرنا، اور مسجد

حرام کے اہل رسول اللہ اور مومنوں کو تنگ و پریشان کر کے وہاں سے نکلنے پر مجبور کرنا، یہ تو شہر حرام میں قتال سے بڑھ کر جرم ہے، کیونکہ مسلمانوں کے قتل سے دین حق کا کوئی نقصان نہیں، قصداً قتال ہوتا تو صرف ایک گناہ ہوتا، لیکن کفار کی ان حرکتوں سے تو دین حق کی ترقی رکی، دینداروں کے حق کو یا حق اعتبار کا اتلاف ہوا، پھر اعتراض علی فعل المسلمین کا ان کو کیسے حق ہو سکتا ہے۔

دوسری آیت: " **ولا تقاتلوهم عند المسجد الحرام حتى يقاتلوكم فيه فإن قاتلوكم فاقتلوهم** " (سورۂ بقرہ ۱۹۱) آخری جملہ کا ترجمہ حضرت تھانوی نے کیا ہے: اگر کفار خود ہی لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو تم کو اجازت ہے کہ تم بھی ان کو مارو، دھاڑو۔ اور حاشیہ نمبر ۵ میں فرماتے ہیں: **حملاً على الجواز لضرورة الاجماع على عدم توقف جواز قتالهم على بدء القتال منهم۔**

بہر حال میرا خیال ہے کہ ان دونوں آیتوں کی مذکورہ بالا تشریح و تفصیل کی روشنی میں ہم دونوں پر حق ہے کہ افغانی اور فلسطینی مسلمانوں کے اپنے اپنے حالات و امکانات کے تحت کئے جانے والے ہر اقدام کی تصویب اور پر زور تائید کریں۔ افغانستان میں اسلام دشمنوں نے ایک نوخیز اسلامی حکومت کی بیخ کنی کر کے صدمۂ جبل کا مظاہرہ کیا ہے، اور فلسطین میں "**إخراج أهله من المسجد الحرام**" کی جگہ "**إخراج أهله من المسجد الأقصى**" جیسی ظالمانہ حرکت کی جا رہی ہے۔

امن عالم اور اسلام

مولانا ابراہیم مجاہد فاروقی
[illegible]

۱- دہشت گردی کی متفقہ اور مسلمہ تعریف اب تک متعین نہیں کی جا سکی ہے۔ تاہم یہ اصطلاح عالمی سطح پر استعمال کی جا رہی ہے۔ حکومتیں اپنے سیاسی مخالفین کے تشدد اور غم و غصہ کے اظہار کو دہشت گردی قرار دیتی ہیں، اور ان کے سیاسی مخالفین حکومت کی سخت یا فوجی کارروائیوں کو سرکاری دہشت گردی کا نام دیتے ہیں۔

دہشت گردی بے جا تشدد اور خوف و ہراس اور لوٹ مار کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اور اسلامی نقطہ نظر سے بھی دہشت گردی یہ ہے کہ بے قصور لوگوں کو ظلم و ستم کا شکار بنایا جائے۔

۲- یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات حکومتیں اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل و مساوات کا سلوک نہیں کرتی، بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی ناانصافی برتی جاتی ہے اور کبھی تو ان کے جان و مال کے تحفظ میں دانستہ کوتاہی سے کام لیا جاتا ہے یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں کی جاتی ہیں کہ وہ طبقہ جانی و مالی نقصان سے دوچار ہو۔ تو ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا ظلم اور دہشت گردی ہی ہے، اس کو بھی دہشت گردی ہی کہا جائے گا۔

۳- اگر کسی گروہ اور طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جائے تو اس پر صدائے احتجاج شریعت کی حدود میں رہ کر جائز ہے اور مظلوموں پر ظلم کے خلاف آواز [illegible]۔

لئے اسلام کی تعلیم یہ ہے: "ولئن صبرتم لهو خير للصابرين" (النحل: ۱۲۶)۔

۴۔ اگر ایک طبقہ کی طرف سے ظلم و زیادتی ہو جس میں جو افراد شریک ہوں تو مظلوم بجائے ظلم کرنے والے کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی طرف چلا جائے، ظالم یا اس سے بدلہ انتقام لینے کا حق اسلام میں کسی مظلوم کو نہیں دیا گیا ہے، مجرموں کو ان کے جرم کی سزا خود مظلوم افراد یا جماعت دینے لگیں تو پورے ملک میں لاقانونیت ہوگی۔ جرائم کی سزا کے لئے حکومت اس طبقہ مقرر کیا گیا ہے، یہ اب اس کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ مجرموں کو سزا دے۔ عام حالات میں اسلام کا متفقہ اصول یہی ہے، اگر ہر مظلوم یا اس کا گروہ ظالم سے یا اس کے گروہ سے بدلہ لینا شروع کر دیں تو قانون حکومت بے معنی ہو جائے گا، انتشار کی کیفیت عام ہو جائے گی، کبھی اصل مجرم چھوٹ جائے گا، غیر مجرم زد میں آ جائے گا، مجرم کی شناخت اور اس سے ظلم کی تعیین وغیرہ کا تعلق قانونی ذمہ داری اور حکومت سے ہے۔ جن ظالم سے یا اس کے گروہ سے مظلوم یا اس کے گروہ کا بدلہ لینا ملکی اور شرعی دونوں ہی قانون کے خلاف ہے۔

۵۔ دہشت گردی کے جو بھی اسباب و عوامل ہوں ان کے لئے مختلف جہات کی کوششوں کی ضرورت ہے:

الف۔ پہلی کوشش تو یہ ہو کہ قانونی طور پر اس کے دفاع کے لئے جو گنجائش ہو، اسے قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے دفع کیا جائے۔

ب۔ قانون کی بالادستی و عدل کے لئے سماج کی فضا بنانا ہے۔

ج۔ ظلم و ناانصافی کو واضح کرنے کے لئے ثبوت و دلائل کے ساتھ کلیدی عہدے داروں سے لے کر نیچے ماتحت افسروں تک ظلم و ناانصافی کی شکایات تحریری طور پر مختلف زبانوں میں پہنچایا جائے۔

۵- اخبارات و جرائد اور ذرائع ابلاغ کو آزادی دیے جائیں، اور انصاف پسند گروہوں کی تائید بھی حاصل کی جائے۔

۶- جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت شرعی اور قانونی حق ہے، یہاں دفاع فرض ہے، اس راہ میں اگر جان گئی تو وہ شہید ہوگا، نبی علیہ السلام کا فرمان ہے: "من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون عرضه فهو شهيد" البتہ جان و مال کے دفاع کے لئے قانون سے خلاف قانون کی راہ کو نہ اپنایا جائے۔

دہشت گردی کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر

مولانا حفیظ الرحمن عمری عمرآباد

۱۔ اسلام کی لغت میں دہشت گردی ایک اجنبی لفظ ہے، اسلام امن وسکون اور شانتی وسلامتی کا سرچشمہ ہے۔ دنیا میں امن وسکون قائم کرنا ہی اس کا مقصد اور مشن ہے، جو لوگ دنیا میں فساد پھیلاتے ہیں ایسے لوگوں کے سلسلے میں اسلام کہتا ہے: "إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فساداً أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض" (سورۂ مائدہ:۳۳) اس سے معلوم ہوا کہ دہشت گردی کا تصور تک اسلام میں نہیں ہے۔ تاہم اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی کی تعریف اگر کی جائے تو وہ یہ ہو سکتی ہے: ظلم وتشدد اور فتنہ وفساد برپا کرنا، بے گناہ انسانوں کو ہراساں اور پریشان کرنا اور ایسی فضا پیدا کرنا کہ لوگوں کے حقوق ہڑپ کر دیے جانے اور ان پر ظلم کیے جانے کے باوجود وہ اپنے حقوق مانگنے سے ڈرنے لگیں یہ دہشت گردی ہے۔

۲۔ اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل ومساوات کا سلوک کرنا حکومت کا فرض ہے۔ بعض طبقات کے ساتھ حکومت کا بیان وعملی ناانصافی روا رکھنا اور کسی جان ومال کے تحفظ میں بھی دانستہ کوتاہی کرنا یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں کرنا کہ وہ طبقہ جانی ومالی نقصان سے دوچار ہو تو حکومت کے اس ظالمانہ اور غیر منصفانہ رویے پر بھی دہشت گردی کا

۵۔ جہاں بھی دہشت گردی پیدا ہوتی ہے وہاں اس کے کچھ بنیادی اسباب و محرکات ہوتے ہیں ان اسباب کے تدارک کے لئے اسلام نے بنیادی ہدایات دی ہیں ان میں سے ایک اہم ہدایت یہ ہے کہ مناسب وقت کا انتظار کیا جائے، نتیجۃً مکی دور تک مسلمانوں کو ظلم کا بدلہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی۔ "اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا" (سورۂ حج: ۳۹)۔

۶۔ اگر کسی گروہ یا فرد کی جان، مال یا عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو حتی المقدور اس پر مدافعت واجب ہے (الفقہ...)۔ اگر کوئی آدمی اپنے مال و جان اور دین و ناموس کی حفاظت میں مارا جائے تو اس کا شمار شہیدوں میں ہوگا، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے "من قتل دون مالہ فھو شھید و من قتل دون دمہ فھو شھید ومن قتل دون دینہ فھو شھید ومن قتل دون اھلہ فھو شھید" (ابوداؤد)۔

جہاں تک حق مدافعت کے حدود کا تعلق ہے، ان میں سے ایک بات تو یہ ہے کہ مظلوم اس بات کی کوشش کرے کہ اس کی طرف سے زیادتی نہ ہو، جیسا کہ ارشاد باری ہے: "فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم" (سورۂ بقرۃ: ۱۹۴) نیز "وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا" (سورۂ بقرۃ: ۱۹۰) نیز "فإن اعتزلوکم فلم یقاتلوکم" (سورۂ نساء: ۹۰)۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام مظلوم کو جارحیت کی اجازت نہیں دیتا، نیز اس بات کی بھی اجازت نہیں ہے کہ وہ خود محتسب بن کر اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا بدلہ جیسے چاہے لے لے۔ انتقام لینے کے لئے عدل کی چارہ جوئی کرنی ہوگی، عدالت اس پر ہونے والے ظلم کے مطابق بدلہ دلائے گی۔ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت اسلام میں بالکل نہیں۔ یہ رویہ صرف مسلم ممالک ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ ان غیر مسلم ممالک میں بھی یہی رویہ اختیار کیا جائے گا جن میں قانون کی حکمرانی ہے۔

دہشت گردی - اسلامی نقطۂ نظر

مفتی حمید اللہ جان
جامعہ اشرفیہ، لاہور

۱۔ اسلام میں اعلاء کلمۃ اللہ اور مظلوم، کمزور و ضعیف مسلمانوں کی رہائی اور آزادی کے لئے لڑنا جہاد ہے۔ نیز مال، جان، عزت کے تحفظ کے لئے لڑنا بھی جہاد کے زمرے میں آتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"ومالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین الخ" (سورۃ النساء:۷۵)۔

علامہ قرطبی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فیہ ثلاث مسائل: "الأولی-قولہ تعالی: (ومالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ) حض علی الجہاد، وهو یتضمن تخلیص المستضعفین من أیدی الکفرة المشرکین الذین یسومونهم سوء العذاب، و یفتنونهم عن الدین، فأوجب تعالی الجہاد لإعلاء کلمته وإظهار دینه واستنقاذ المؤمنین الضعفاء من عباده، وإن کان فی ذلک تلف النفوس، وتخلیص الأساری واجب علی جماعة المسلمین إما بالقتال وإما بالأموال، وذلک أوجب لکونها دون النفوس إذ هی أهون منها" (الجامع لاحکام القرآن المعروف بتفسیر القرطبی ۵/۲۷۹)۔

(اس میں تین مسائل ہیں: اول: اللہ تعالیٰ کا قول: "وما لكم لا تقاتلون في سبيل الله" جہاد پر ابھارنا ہے، اور اس میں ان کافر مشرکوں کے قبضے سے کمزوروں کو آزاد کرانا بھی شامل ہے، جو ان کو بدترین عذاب دیتے ہیں، اور دین کے تعلق سے انہیں فتنہ و آزمائش میں ڈالتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمہ کو بلند کرنے، دین کو غالب کرنے اور اپنے کمزور مومن بندوں کو بچانے کے لئے جہاد کو واجب قرار دیا، اگرچہ ایسا کرنے میں جان کا ضیاع ہی کیوں نہ ہو، اور قیدیوں کو چھڑانا جماعت مسلمین پر واجب ہے خواہ قتال کرکے ہو یا مال کے ذریعہ ہو، اور یہ زیادہ واجب ہے کیونکہ اس میں جان کی بہ نسبت کم درجہ کا نقصان ہے)۔

فرمان نبوی ہے: "من قاتل دون ماله فقتل فهو شهيد ومن قاتل دون دمه فهو شهيد ومن قاتل دون أهله فهو شهيد" (نسائی [illegible])۔

جبکہ دہشت گردی میں مندرجہ بالا اشیاء ملحوظ خاطر نہیں ہوتیں، بلکہ دہشت گردی میں اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوسروں کا حق چھیننا اور اپنی بدمعاشیوں، عیاشیوں اور تکبر کی وجہ سے دوسرے کے حقوق اور مال اور آبرو اور راحت پر ڈاکہ ڈالنا مقصود ہوتا ہے۔

۲- حکومتوں کا بعض طبقات کے ساتھ ظالمانہ اور غیر منصفانہ رویہ، لہذا حکومتی دہشت گردی کے زمرے میں آتا ہے۔

۳- اگر کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہو تو وہ اس پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار کرسکتا ہے، اس لئے کہ مظلوم کا ظالم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی نہیں بلکہ دفاع کے تحت آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لا يحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم" (سورۃ النساء: ۱۴۸)۔

اگر ان مظلوموں کو ناجائز امور پر مجبور کیا جاتا ہو تو احتجاج اور رد عمل کا اختیار کرنا واجب ہے "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" کی وجہ سے ورنہ جائز ہے۔

۴۔ مظلوم صرف ظالموں سے بدلہ لے سکتا ہے، ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے شرعاً بدلہ نہیں لے سکتا جو بے قصور ہیں، اور جو نہ خود اس ظلم میں شامل ہوئے ہوں، اور نہ ان کا اس ظلم میں کسی طور پر عمل دخل ہو، لیکن اگر انہوں نے خود ظلم نہیں کیا، لیکن ظلم میں ان کا تعاون یا مشورہ بھی شامل ہے، چاہے وہ کسی مرتبہ میں کیوں نہ ہو، ان سے بھی بدلہ لے سکتا ہے۔

۵۔ مذکورہ فی السوال صورت میں دہشت گردی کے دونوں اسباب کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے:

پہلی صورت میں ان لوگوں کی معاشی یا سیاسی ناانصافیوں کو دور کرنا چاہئے، بشرطیکہ وہ حقیقت میں بھی ناانصافی ہو، ان کا اپنا مفروضہ نہ ہو۔

دوسری صورت میں اگر ان کی یہ خواہش اسلام کے تقاضوں کے مطابق ہو تو پھر ان کو دہشت گردی کہنا صحیح نہیں بلکہ جہاد ہے، لیکن اگر ان کی یہ خواہش اسلام کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو تو اسلام پہلے اس گروہ کو راہ راست کی طرف لانے کی دعوت کا حکم کرتا ہے، اور اگر وہ دعوت قبول نہ کرے اور آمادہ نہ ہو تو پھر اس کے پہلے تدبیر سے ان کے اس پروگرام کو ختم کرنا چاہئے، اگر تدبیر سے نہ ہو سکے تو پھر طاقت کے استعمال سے ان کو روکا جائے۔

۶۔ اپنی جان کے تحفظ کے لئے دفاع کرنا واجب ہے، اور عزت و مال کا دفاع کرنا جائز ہے۔

میں کوتاہی کہہ سکتے ہیں مگر دہشت گردی اور چیز ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل سوال نمبر ۱ کے جواب میں آ گئی۔

۳- ناانصافی کے خلاف احتجاج کرنا ہر حقدار کا حق ہے، وہ اگر یہ حق استعمال کرنا چاہے تو اسے ایسا کرنے سے کوئی منع نہیں کر سکتا بلکہ اسے ایسا کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے اسے ہم جائز کہہ سکتے ہیں واجب نہیں۔ یہ بات رہی کہ مظلوم اگر ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہو تو کیا یہ دہشت گردی کے زمرے میں آتا ہے اس کا جواب نفی میں ہے، یہ اس وقت تک دہشت گردی نہیں ہے جب تک مظلوم تعدی (تجاوز) نہ کرے۔

۴- اسلام میں اس کی گنجائش نہیں۔ قرآن مجید میں فرمان الٰہی ہے:

"وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصابرين" (نحل۔۱۲۶) ہاں اگر تجاوز کی شکل ہو تو پھر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی اور۔

۵- اسلامی ہدایات بہت واضح ہیں کہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام طبقات کے ساتھ یکساں سلوک کرے، ہر ایک فرد کے حقوق کی ادائیگی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حضرت عمر کا طرز حکومت ہمارے لئے مشعل راہ ہے، انہوں نے نہ صرف یہ کہ راتوں کو گشت کر کے لوگوں کا حال معلوم کر کے محروم طبقات کو ان کے حقوق ان کے دروازوں پر پہنچا دیئے، بلکہ یہاں تک کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر فرات کے کنارے پر کوئی کتا بھوک سے مر جائے تو قیامت کے دن عمر سے پوچھا جائے گا۔

ظاہر ہے حکومت جب اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتی طبقاتی فرق روا رکھا جاتا ہے تو اس کا ردعمل دہشت گردی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اس لئے اس کا حل اسلامی ہدایات

واحکامات پر عمل کرنے میں مضمر ہے، جس سے غیر مسلم بجائے خود مسلم حکومتیں بھی [illegible] ہیں، ان ناانصافیوں اور دہشت گردیوں کا حل یہ ہے کہ ناانصافی ختم کی جائے، ہر ایک حقدار کو اس کا حق دیا جائے، طبقاتی تفوق اور فرق کو مٹایا جائے، نسلی اور مذہبی فرق کو حقوق کے مابین حائل نہ ہونے دیا جائے، تب امن وامان ہوگا، لوگ چین و آرام سے رہیں گے، اخوت ومحبت پیدا ہوگی، قتل وغارت گری بند ہو جائے گی، لوگوں کی عزت نفس بحال ہوگی، مال ودولت محفوظ ہوں گے، تمام خدشات ختم ہوں گے، ورنہ ہر انسان اپنے حق کے لئے لڑے گا اور اسے یہ حق حاصل رہے گا، جو یہ دہشت گردی کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

۴- شرعاً حق مدافعت مباح ہے، اگر کوئی شخص کسی کی جان لینا چاہتا ہے تو اسے حق حاصل ہے کہ وہ اپنا دفاع کرے، اور اگر صبر کرتا ہے اور حضرت ہابیل کی سنت پر عمل کرتا ہے یا حضرت عثمان غنی کی سنت کو اپنا کر شہید ہونا چاہتا ہے تو یہ عزیمت ہے اور وہ رخصت ہے جسے چاہے اختیار کرے، اگر رخصت کو اختیار کر کے دفاع کرتا ہے اور دفاع میں حملہ آور کی جان چلی جاتی ہے تو دافع گناہگار نہ ہوگا، بشرطیکہ دفاع کوئی اور طریقے سے اس سے آسان نہ ہو، اسی طرح کسی کی عزت اور آبرو پر حملہ ہو تو اسے دفاع کا حق حاصل رہے گا، حضور ﷺ کا فرمان ہے:

"من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون أهله فهو شهيد" (ترمذی، ۲۲۰)۔

ایک اور حدیث میں ہے: "عن أبي هريرة قال: جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: فلا تعطه مالك، قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: قاتله، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: فهو في النار" (رواہ مسلم بحوالہ الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۵/۲۸)۔

بلکہ دفاع کو دفاع کی حد تک رکھا جائے تعدی نہ ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس کا جواب اتنا ہی دے دو جتنی کہ اس نے تم پر زیادتی کی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔" (سورہ بقرہ ۱۹۴)۔

تفصیلی مقالات:

مولانا ابرار خاں ندوی

مفتی سید اسرار الحق سبیلی

ڈاکٹر وہبہ مصطفی زحیلی

مولانا مجیب الرحمن عتیق سنبھلی

مولانا بدر احمد مجیبی

محمد علی تسخیری، ایران

مولانا مبارک حسین نیپالی

مولانا محمد ارشد (جامعۃ الامام ابن تیمیہ)

مولانا عبد الرشید جونپوری

سید ذاکر حسین شاہ سیالوی

مولانا محمد مصطفی قاسمی

مولانا افتخار عالم قاسمی

مولانا ابوسفیان مفتاحی

مولانا محمد ارشاد قاسمی

مفتی انور علی اعظمی

مولانا اشتیاق احمد اعظمی

مولانا خورشید احمد اعظمی

مولانا قمر الزماں ندوی

اسلام امن کا مذہب

تحریر۔ جاں خدائی

جامعہ اسلامیہ، سنجر پور

ذرائع ابلاغ، اخبار و رسائل، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ پر سب سے زیادہ جو لفظ استعمال کیا جا رہا ہے وہ "دہشت گردی" کا لفظ ہے۔ قابل افسوس اور تشویش ناک بات یہ ہے کہ اسلام جو امن و آشتی کا مذہب ہے، جس نے سسکتی انسانیت کو چین و سکون عطا کیا، جنگی اور تڑپتی دنیا کو راحت و اطمینان سے سرشار کیا، مظلوم کو اس کا حق دلایا، مظالم و ظلم سے روکا، یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں کی دست گیری کی، پریشان حال، حق سے محروم، بے یار و مددگار افراد کے ساتھ ہمدردی، محبت، نصرت، امداد، غمخواری و غم گساری کی تعلیم دی ہے، ظلم و جبر، درندگی و سفاکی اور ناانصافی کا خاتمہ کیا ہے، اسی مذہب کو آج دہشت گردی سے جوڑا جا رہا ہے۔

جہاں تک دہشت گردی کی تعریف کی بات ہے تو ابھی تک عالمی سطح پر اس کی کوئی جامع اور واضح غیر جانبدار تعریف جس پر ساری علمی دنیا کا اتفاق ہو نہیں ہو سکی ہے۔ بہر حال چند تعریفات ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں

دہشت گردی کی صہیونی تعریف:

اسرائیل کے سابق وزیر اعظم بنیامین نتن یاہو جس کا تعلق دائیں بازو کی انتہا پسند یہودی

رکھنے والے اصحابِ علم وفن نے فقہ اسلامی اور نصوص کو سامنے رکھ کر دہشت گردی کی جامع، مدلل ومفصل تعریف کی ہے، ذیل میں اس کی تعریف واقسام، اسباب ومحرکات اور اس کے تدارک کی تدابیر تفصیل سے پیش کی جاتی ہیں:

دہشت گردی کی قابلِ قبول تعریف:

دہشت کے معنی خوف اور ڈر کے ہیں، دہشت گردی یہ فارسی کا لفظ ہے، ہندی میں آتنک واد، انگریزی میں (Terrorism) اور عربی میں ''ارھابیة'' کہتے ہیں، لغت میں اس کے معنی خوف وہراس اور ہیبت پیدا کرنے کے ہیں (دیکھئے: قومی انگریزی اردو لغت ص ۲۰۴۱، از جمیل احمد جالبی، نیز دیکھئے: فرہنگ تلفظ ص ۵۳۵، از شان الحق حقی) یعنی خوف زدہ کرنا، ہیبت پھیلانا اور ہراساں و پریشان کرنا، اور اصطلاح میں ظلم، تعدی، عدوان، فساد فی الارض، تخریب اور قتلِ ناحق کے مجموعہ کا نام دہشت گردی ہے، فقہی اصطلاح میں اسے حرابہ کہتے ہیں (بدایۃ المجتہد ۲/ ۴۹۳، ۴۹۵ کتاب الجنایات)۔

دوسرے لفظوں میں اس کی تعریف یوں کرسکتے ہیں: اپنے مقاصد کے حصول کے لئے معصوم، بے گناہ، بے قصور، بے خطا لوگوں کی جان، مال، عزت وآبرو، اور مذہب کو نشانہ بنانا، اور ان کو ڈرانا دھمکانا، اور ظلم وزیادتی کرنا دہشت گردی ہے۔

اس میں خوف، ہیبت، اور ڈر میں مبتلا کرنا، ظلم وجور، قتل وغارت گری، لوٹ کھسوٹ، اغوا، رہزنی، آتش زنی، ڈاکہ کے ذریعہ زہریلے انجکشن دلوا کر مارنا، بے خطا شخص کو جیل کی سلاخوں میں بند کرنا سب شامل ہے، یہ عمل افراد کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے، اور ملک، قوم، گروہ، جماعت اور تنظیم کی جانب سے بھی۔

دھمکانا، قتل ناحق ہے، نیز خونریزی اور راستوں کو پرخطر بنانا اور ڈاکہ زنی جیسے تمام غیر انسانی افعال اس کی فہرست میں داخل ہیں، اسی طرح تشدد اور خوف وہراس برپا کرنے کی ہر ایک کارروائی جو فرد یا گروہ کی کسی مجرمانہ منصوبہ بند سازش کی تکمیل کرتی ہو اور جس کا مقصد لوگوں کے اندر رعب ڈالنا یا ان کو ایذا رسانی کا خوف دلانا یا ان کی زیست و آزادی سے چھیڑ چھاڑ کرنا یا ان کے امن وامان اور ماحول کو خطرات سے دوچار کرنا ہو، اور ماحولیات کو زک پہنچانا یا عام یا خاص انتظام کی چیزوں کو یا سرکاری وغیر سرکاری املاک کو تباہ و برباد کرنا، یا ملکی قدرتی ذرائع پیداوار کے لئے خطرہ پیدا کرنا، یہی وہ تمام سرگرمیاں زمین میں فساد پھیلانے کی مختلف صورتیں ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو منع کیا ہے کہ "تم زمین میں فساد نہ مچاؤ، کہ اللہ تعالیٰ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں فرماتا ہے")۔

دہشت گردی کا یہ عمل اور جارحانہ منصوبہ بندیاں فرد، جماعت، گروہ، اور حکومت کسی کی طرف سے ہو سکتی ہے، اس اعتبار سے اس کی کئی قسمیں بنتی ہیں:

انفرادی دہشت گردی:

اکیلا کوئی فرد اپنے جارحانہ عزائم اور تخریبی کارروائی کے ذریعہ دوسرے فرد، جماعت، گروہ یا پوری ریاست کے اندر خوف وہراس کی فضا پیدا کردے، اس دہشت گردی کی ابتداء قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کرنے کی تھی، یہ انسانی تاریخ کی سب سے پہلی دہشت گردی ہے، اور اسلام نے اس دہشت گردی کو پورے سماج بلکہ پورے انسانی معاشرہ کے ساتھ دہشت گردی کہا ہے:

"من أجل ذلك كتبنا على بني إسرائيل أنه من قتل نفساً بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً" (سورۃ مائدہ: ۳۲)۔

(اسی سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے، یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو)۔

انفرادی دہشت گردی کے واقعات اخبار و رسائل، ریڈیو، ٹیلیویژن میں نظر آتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں کو قتل کر دیا، شوہر نے جہیز کم لانے پر بیوی کو جلا کر مار ڈالا۔

ریاستی دہشت گردی:

دہشت گردی کی تیسری قسم یہ ہے کہ بعض حکمران مذہبی، لسانی اور نسلی یا سیاسی بنیاد پر اپنے ہی ملک کی رعایا کے ساتھ ظلم و جور، درندگی و سفاکی کا معاملہ کرتے ہیں، ان کے ساتھ ناانصافی اور دوہرا معیار اپناتے ہیں، اور انہیں دستوری حقوق سے محروم کیا جاتا ہے، ان کی رائے، ضمیر، مذہب اور عقیدہ کی آزادی پر پابندی عائد کی جاتی ہے، اسی طرح طاقتور ریاست کمزور ریاست پر سیاسی تسلط قائم کرنے اور اس آزاد ریاست کے معدنی، قدرتی وسائل سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے اسے اپنی جارحیت کا نشانہ بناتی ہے، یہ ریاستی دہشت گردی ہے۔ اس طرح کی دہشت گردی سے دنیا کے ملکوں کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ مثال کے طور پر روس کا افغانستان اور چیچنیا پر جارحانہ حملہ اور ظلم و بربریت کا شرمناک کھیل، سرب افواج کا بوسنیائی مسلمان مردوں وعورتوں کا اجتماعی قتل عام اور ان کی آبرو ریزی، ۱۹۴۸ء سے آج تک فلسطین میں اسرائیل کا قبضہ، مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی اور فلسطینیوں کا قتل عام، کوسووا میں البانوی نژاد مسلمانوں کو ملک بدر کیا جانا اور قتل و غارت گری کی دردناک داستان، ہندوستان میں برطانیہ کا قبضہ اور سنہ ۱۹۴۷ء تک ہندوستانیوں پر ظلم و جبر کی خونی تاریخ، سنہ ۱۹۴۷ء میں ملک کی آزادی کے بعد سے حکومت کی سرپرستی میں ہونے والے فسادات اور حکومت کے اداروں میں مسلمانوں کی عدم شمولیت اور ان کے حقوق کی پامالی۔

دہشت گردی اور اسلام:

اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے۔ سارے انسانوں کو ہمدردی، انکساری، پیار و محبت، لطف و کرم، یتیموں کی دستگیری، بیواؤں کی خبر گیری، غریبوں کی امداد، مریضوں کی عیادت، بیماروں کی چارہ گری، پریشان حال کی دلداری، مظلوم کی نصرت، بھٹکے ہوئے راہ گیروں کی رہبری، حسن خلق اور خدمت خلق، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے احترام کی تعلیم دیتا ہے۔ ظلم و جور، فتنہ و فساد، تخریب کاری و دہشت گردی کا سخت مخالف ہے اور دنیا میں فساد پھیلانے کو سختی سے منع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها" (سورۃ الاعراف:۵۶) (اور مت خرابی ڈالو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد) اسی طرح اللہ تعالیٰ تخریب کاروں و دہشت گردوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

"ان اللہ لا یحب المفسدین" (سورۃ القصص:۷۷) (اللہ کو بھاتے نہیں خرابی ڈالنے والے)۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ مظلوم کی مدد کرو اور ظالم کو ظلم کرنے سے روکو۔ "انصر اخاک ظالما او مظلوما" (بخاری، ج ۱، ص ۳۳۰)۔

دہشت گردی اور تشدد کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دہشت گرد اپنے مشن سے لوگوں کے دلوں میں خوف و دہشت پیدا کرتا ہے، قتل و غارت گری کرتا ہے اور انسانی جان کی اس کے نزدیک کوئی قیمت نہیں ہوتی ہے، جبکہ اسلام لوگوں کو صرف خدا کا خوف دلاتا ہے اور اس کے نزدیک انسانی جان کی قیمت یہ ہے کہ وہ ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے۔

"من قتل نفسا بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعا" (المائدہ ۵:۳۲) (جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے، یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں، تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب انسانوں کو)۔

لہٰذا اسلام کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ دہشت گردی سکھاتا ہے، ظلم وتشدد کی تعلیم دیتا ہے، یہ ایک بے بنیاد الزام ہے، اسلام کی تصویر کو مسخ کرنے کی ایک سازش ہے۔

حکومت کا غیر منصفانہ برتاؤ دہشت گردی پیدا کرنے کا سبب:

حکومت کے ذمہ داروں اور افراد حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ماتحت رہنے والے تمام انسانوں کے ساتھ عدل وانصاف کریں، سماجی، معاشی، سیاسی واقتصادی ان کے جو حقوق ہیں ان کو دیے جائیں، اس میں رنگ ونسل، مذہب، زبان، قومیت کسی کی تفریق نہ ہو، یہ اسلامی تعلیم ہے اور یہ بات قرآن کریم میں بھی موجود ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولا يجرمنكم شنآن قوم على ألا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوى" (المائدہ ۵:۸) (اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو، یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے)۔

اگر کوئی حکومت اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل ومساوات کا معاملہ نہیں کرتی، بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی ومعاشی ناانصافی روا رکھی جاتی ہے، یا ان کی جان ومال کے تحفظ میں کوتاہی سے کام لیا جاتا ہے، یا سرکاری ملازمتوں اور تعلیم میں تفریق کی جاتی ہے کہ وہ طبقہ سیاسی ومعاشی تحصیل سے دور ہو، حکومت کا یہ ظالمانہ وغیر منصفانہ رویہ بھی دہشت گردی ہے، جسے معاشی واقتصادی دہشت گردی کہہ سکتے ہیں۔

معاشی واقتصادی دہشت گردی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو منظم ادارے ہیں سرمایہ دار طبقہ کے

و اشتراکیت سے محروم ہو گئی۔ پھر اشتراکیت کے خاتمے کے بعد سرمایہ دارانہ نظام کو فروغ دینے کے لئے دنیا کے غریب ممالک کی اقتصادیات پر قبضہ کیا گیا اور عالمی پیمانے پر اقتصادیات و معاشیات کے ایسے ضابطے بنائے گئے کہ غریب ممالک مزید غربت و افلاس کا شکار ہو گئیں اور "نیا نظام عالم" اور "گلوبلائزیشن" کے نام پر دنیا کی اقتصادیات اور وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کا عمل شروع کر دیا گیا۔ یہ سراسر ناانصافی ہے اور غریب ممالک کے ساتھ غیر مساویانہ سلوک، امتیازی برتاؤ اور معاشی و اقتصادی دہشت گردی ہے۔

ناانصافی کے خلاف احتجاج کرنا:

ظلم و ناانصافی بہت ہی مذموم چیز ہے، دنیا کے کسی بھی مذہب و قانون میں اس کی جازت نہیں ہے۔ اسلام جو سراپا عدل و انصاف کا داعی اور انسانی مساوات کا نقیب ہے وہ اس کا سخت مخالف ہے کہ ریاست کے کسی بھی گروہ و طبقے کے ساتھ ناانصافی برتی جائے، اور اگر کبھی اقتدار و سلطنت کے مالک افراد اپنی ریاست کے کسی گروہ یا طبقے کے ساتھ غیر مساویانہ برتاؤ کریں یا ان کو ان کے آئینی حقوق سے محروم کیا جائے تو ان لوگوں کا فرض ہے کہ (طاقت بھر) اپنے حقوق کے مطالبے اور ان کے حصول کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، اور قوموں کا معاملہ کرنے کا دروازہ کھٹکھٹائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ، ومن لم یستطع فبلسانہ، ومن لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان**" (سنن ترمذی [illegible] باب ما جاء فی تغییر المنکر [illegible] ابواب الفتن [illegible] حدیث ۲۱۷۲) (جو کوئی منکر دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روک دے، اور جو ہاتھ سے نہ روک سکے تو زبان سے، اور جو اس کی طاقت نہ رکھے تو دل سے برا سمجھے، یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے۔)

اس لئے کہ ظلم و ناانصافی کو برداشت کر لینا اور اپنے حقوق سے محروم رہنا ظلم و ناانصافی

رسول اللہ ﷺ اس معاہدہ سے بہت خوش تھے، اور بعثت کے بعد بھی آپ نے اس کی تعریف و تحسین کی، اور فرمایا کہ میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدہ میں شریک تھا جس میں اگر اسلام کے بعد بھی مجھے بلایا جاتا تو میں ضرور شریک ہوتا، انہوں نے اس پر یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ حق، حق دار تک پہنچائیں گے اور یہ کہ کوئی ظالم، مظلوم پر غلبہ حاصل نہ کر سکے گا

(دیکھئے: نبی رحمت ص ۱۱۲ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ماخوذ سیرت ابن ہشام [illegible])

لیکن جو لوگ واقعتاً مجبور، بے بس و لاچار ہیں، ظالم کا مقابلہ کرنے کی ان کے اندر بالکل قوت و طاقت نہیں ہے، حکومت کی جانب سے ایسی شدید پابندیاں اور سخت قانون لاگو ہیں کہ کسی کو زبان کھولنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے، اگر حکومت کی ناجائز پالیسی و غیر منصفانہ رویہ کے خلاف آواز بلند کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا سخت ردعمل ہوگا، جو خود اس کی ذات اور پوری ملت کے لئے شدید خطرناک ثابت ہو سکتا ہے تو ایسی صورت حال میں خاموش رہنے اور احتجاج نہ کرنے کی اجازت ہے، اگر مقابلہ کرنے کی کچھ طاقت ہے تو پھر اس کے خلاف آواز بلند کرنا اور مؤثر و مفید احتجاج کرنا ضروری و واجب ہے۔

ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی نہیں ہے:

مظلوم کا ظالم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا، اور اس کے ظلم و ناانصافی کو برملا کہنا، اور ظالم کو بے نقاب کرنا ایک شدید امر ہے، اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ معاشرے کے لوگ اس سے بچیں گے اور نجات کی راہ تلاش کریں گے، اسی طرح ظالم و جابر شخص کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرنا اور قانون کے شکنجہ میں کسنا بھی اس کے جبر و استبداد کو روکنے کا مؤثر ذریعہ ہے، بلکہ قدرت ہو تو ہاتھ اور طاقت سے روک دینا افضل ایمان کی دلیل ہے، معروف فقیہ علامہ داماد آفندی تحریر فرماتے ہیں:

"ولا غيبة لظالم يؤذي الناس بقوله وفعله، قال عليه الصلاة والسلام:

اذکروا الفاجر بما فیه لکی یحذرہ الناس، ولا إثم فی السعی به أی بالظالم إلی السلطان لیزجرہ لأنه من باب النهی عن المنکر ومنع الظلم" (مجمع الانہر ۲/۵۵۵، ۵۵۶، کتاب الکراہیۃ فصل فی المتفرقات)۔

(وہ ظالم جو اپنے قول وفعل سے لوگوں کو ایذا پہنچاتا ہو اس کے ظلم کا تذکرہ غیبت میں شامل نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا فاسق وفاجر کے اندر کی برائیوں کو بیان کرو تاکہ لوگ اس سے دور رہیں، اور ظالم کو بادشاہ کے پاس حاضر کرنے کی کوشش کرو تاکہ بادشاہ اس کی ڈانٹ ڈپٹ کرے، اس میں کوئی گناہ نہیں)۔

مظلوم کا حق وانصاف کے لئے لڑنا دہشت گردی نہیں ہے بلکہ یہ تو مطلوب ہے لیکن اگر مظلوم حدود سے تجاوز کر جائے تو پھر اس کا یہ عمل خلاف شریعت ہوگا۔

شیخ بدران ابو العینین بدران لکھتے ہیں:

"کل ما یؤدی إلی المحظور یکون محظوراً" (اصول فقہ اسلامی ص ۲۳۳، از بدران ابو العینین بدران)۔

(ہر وہ چیز جو ممنوع تک لے جائے وہ بھی ممنوع ہوگی)۔

غیر متعلق افراد سے بدلہ لینا جائز نہیں:

اسلام ظلم کا بدلہ لینے کی اجازت دیتا ہے مگر یہ بدلہ صرف ان لوگوں سے لیا جائے گا جنہوں نے ظلم وجور کا ارتکاب کیا ہے، وہ لوگ جن کا ظالم کے مذہب، نسل، وطن یا خاندان سے تعلق ہے مگر وہ اس ظلم میں شریک نہیں ہیں، یعنی نہ وہ جسمانی طور پر شریک ہیں، نہ اس کی مالی معاونت کی ہے، اور نہ ہی منصوبہ سازی کی دوڑ دھوپ میں ساتھ رہے ہیں تو ایسے بے قصور، غیر متعلق افراد سے صرف اس بنیاد پر بدلہ لینا کہ وہ ظالم کے ہم مذہب یا ہم وطن ہیں اسلامی اصول وقوانین

کے خلاف ہے، اور نہ ہی دنیا کے کسی قانون میں اس کی اجازت ہے، یہ چیز تو زمانہ جاہلیت میں تھی کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا تو مقتول کے ورثاء قاتل کے قبیلہ و خاندان سے کسی بھی آدمی کو قتل کر کے مقتول کے قتل کا بدلہ لیتے، لیکن اسلام نے اس چیز کو ختم کر دیا کہ بدلہ اسی سے لو جس نے ظلم کیا ہے، قتال اسی سے کرو جو تم سے قتال کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم ولا تعتدوا" (سورۂ بقرہ: [illegible]) (اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے اور کسی پر زیادتی مت کرو)۔

اسلام نے تو حالت جنگ میں بھی یہ پابندی رکھی ہے کہ وہ لوگ جو جنگ کے اہل نہیں ہیں اور غیر مکلف ہیں مثلاً عورتیں، بچے، بوڑھے، معذور، بیمار، مذہبی لوگ ان کو نہ مارا جائے۔ لیکن اگر یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں جسمانی طور پر تو شریک نہ ہوں، ہاں وہ اقتصادی طور پر شریک ہوں، خوب مال خرچ کریں، اسلحہ دیا ہو یا تحریر و تقریر سے ان کو اسلام کے خلاف بھڑکا کر منصوبہ سازی و جاسوسی کریں، یعنی مال و اسباب، تحریر و تقریر اور رائے و مشورہ اور منصوبہ و جاسوسی کے ذریعہ جنگ میں شریک ہوں تو ان کو قتل کیا جائے گا، جیسے آج کل میدان جنگ میں تو فوج لڑتی ہے، منصوبے پلان اور جنگ کا نقشہ دوسرے لوگ تیار کرتے ہیں۔

معروف فقیہ علامہ داماد آفندی لکھتے ہیں:

"ونهى عن قتل امرأة أو غير مكلف ... إلا أن يكون أحدهم قادرا على القتال أو ذا رأي في الحرب أو ذا مال يحث أي يحرض الكفار على القتال به أي بالرأي أو المال أو يكون أحدهم ملكا فحينئذ يقتل لتعدي ضرره إلى العباد" (مجمع الانہر [illegible]، کتاب السیر) (آپ ﷺ نے جنگ میں عورت اور غیر مکلف کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، لیکن اگر ان میں سے کوئی جنگ کی قدرت رکھتا ہو یا جنگ میں رائے و مشورہ اور مال سے شریک ہو، اور منصوبہ بندی و مال کے ذریعہ کفار کو مسلمانوں سے جنگ

اجازت نہیں کہ بلاوجہ اس کے حق حیات کو پامال اور سلب کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولا تقتلوا النفس التي حرم الله الا بالحق" (سورۃ الانعام:۱۵۱) (اور نہ قتل کرو اس جان کو جس کو حرام کیا ہے اللہ نے مگر حق پر)۔

کسی کے حق حیات کو سلب کرنا حرام ہے لیکن اگر اس نے دوسرے کے اس حق حیات کو ختم کیا ہے، یا زمین میں فساد و دہشت گردی میں ملوث ہے تو پھر ایسے دہشت گرد و فسادی کو زندہ رہنے کا حق قطعاً نہیں ہے۔

سید سابق تحریر فرماتے ہیں:

"لكل فرد حق صيانة نفسه وحماية ذاته، فلا يحل الاعتداء إلا إذا قتل، أو أفسد في الأرض فساداً يستوجب القتل" (فقہ السنۃ ۳/۵۲۰) (ہر شخص کو اپنی جان کے تحفظ اور اپنی ذات کی حمایت کا حق ہے، اس پر زیادتی روا نہیں ہے، الا یہ کہ وہ کسی کو قتل کر دے، یا زمین میں بگاڑ و فساد برپا کر دے تو وہ مستوجب قتل ہوگا)۔

خود اس کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے نفس اور اپنی جان کو نقصان پہنچائے۔ حدیث میں ہے:

"عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من تردى من جبل فقتل نفسه، فهو في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً، ومن تحسى سمًا فقتل نفسه من يده يتحساه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً، ومن قتل نفسه بحديدة، فحديدته في يده يجأ بها في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً" (صحیح بخاری ۴/۲۳، کتاب الطب، باب شرب السم، طبع دار المعرفہ بیروت ۱۹۷۸ء)۔

(حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے پہاڑ سے گر کر خودکشی کی وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہے گا، اور جس نے زہر کھا کر خودکشی کی وہ جہنم کی

آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے ہاتھ سے زہر کھاتا رہے گا اور جس نے کسی لوہے کی چیز سے خودکشی کی وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسی لوہے کی چیز سے اپنے آپ کو زخمی کرتا رہے گا)۔

انسان کا یہ فطری حق ہے اور اس کی غیرت کا تقاضا بھی ہے کہ اگر کسی جانب سے اس پر، اس کے اہل خانہ یا کسی بھی انسان کی جان پر حملہ ہو تو اس کا جواب دفاع کے طور پر دے، ایسی صورت میں دفاع کرتے ہوئے حملہ آور کی جان بھی چلی جائے تو یہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ دفاع کرتے ہوئے مدافعت کرنے میں جان کی بازی ہار جانے کا خطرہ ہو مگر اس کی آخرت بچ جاتی ہے تو شہادت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوگا۔ حدیث شریف میں اس کی تفصیل یوں ہے:

"عن سعيد بن زيد قال سمعت النبي ﷺ يقول: من قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد ومن قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون أهله فهو شهيد" (ترمذی: ۱۴۲۱)

(حضرت سعید بن زید روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو دین کی حفاظت کی خاطر مارا گیا وہ شہید ہے، اور جو اپنے خون کی حفاظت کے لئے مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے اہل وعیال کی حفاظت کی خاطر مارا گیا وہ شہید ہے)۔

جان کی مدافعت اور اس کی خاطر قتل وقتال کی اجازت دنیا کے قانون اور ہر مذہب وشریعت نے دی ہے۔

سید سابق تحریر فرماتے ہیں:

"والمقاتلة دفاعا عن النفس أمر مشروع في كل الشرائع وفي جميع المذاهب وهذا واضح من قوله تعالى وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم"

ضرورات الدفع، فیباح قتلہ، فإذا قتلہ فقد قتل شخصا مباح الدم فلا شیء علیہ" (بدائع الصنائع ۷: ۹۳، ۹۲، از تحفۃ الفقہاء ... دیکھئے: الفتاوی الہندیہ ...) (اس عبارت میں اصولی بات یہ ہے کہ جس نے کسی ایسے شخص کے قتل کا ارادہ کیا جس کا خون حلال نہیں ہے تو اس میں دیکھا جائے گا کہ جس پر تلوار سونتی گئی ہے اگر وہ اپنی جان کی مدافعت اس کو قتل کئے بغیر کر سکتا ہے تو اس کے لئے قتل جائز نہیں، اور اگر بغیر قتل دفاع ممکن نہ ہو تو اس کے لئے قتل کرنے کی اجازت ہے، اس لئے کہ قتل ضرورت ہے، اور اگر اس پر تلوار سونتے کھڑا ہے تو اس کے لئے قتل کرنا جائز ہے، کیونکہ بلا قتل کے مدافعت نہیں کر سکتا ہے، اس لئے کہ اگر وہ لوگوں کو مدد کے لئے بلائے گا تو مدد پہنچنے سے پہلے ہی وہ اس کو مار دے گا، کیونکہ ہتھیار رکھے گا نہیں، تو قتل ضروریات دفاع میں سے ہے تو اس کے لئے قتل کرنا جائز ہوگا، اس لئے کہ وہ ایسے شخص کو قتل کرے گا جس کا خون مباح ہے، لہذا اس پر کچھ بھی نہیں ہوگا)۔

مدافعت کا شرعی حکم:

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نفس کا تحفظ اور اس کا دفاع واجب ہے، مدافعت نہ کرنا اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے مترادف ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولا تلقوا بأیدیکم إلی التہلکۃ" (سورہ بقرہ: ۱۹۵) (اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں)، نیز دوسری جگہ ارشاد ہے: "فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء إلی أمر اللہ" (سورہ حجرات: ۹) (تو تم سب لڑو اس جماعت والے سے، یہاں تک کہ پھر آئے اللہ کے حکم پر)۔

یہاں پر امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور امر وجوب چاہتا ہے۔

نیز فقہاء کرام کی تصریحات سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ جان کی مدافعت واجب ہے۔

صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی (متوفی ۵۹۳ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"وقوله فعليهم وقول محمد في الجامع الصغير فحق على المسلمين أن يقتلوه إشارة إلى الوجوب، والمعنى وجوب دفع الضرر" (الہدایہ مع فتح القدیر ۱۰/ ۲۳۲، کتاب الجنایات، دار الفکر بیروت) (ان کا یہ "فعلیهم" کہنا اور جامع صغیر میں امام محمد کا یہ فرمانا کہ مسلمانوں پر حق ہے کہ وہ اس کو قتل کر ڈالیں، وجوب کی جانب اشارہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ ضرر کو دور کرنا واجب ہے)۔

علامہ ابن ہمام کی بھی یہی رائے ہے:

"وقوله والمعنى أي ومعنى الوجوب دفع الضرر، لأن الواجب هو دفع الشر على أي وجه كان، لا عين القتل" (تکملہ شرح فتح القدیر ۱۰/ ۲۳۲ کتاب الجنایات دار الفکر بیروت) (ان کے قول "والمعنی" کا مطلب ہے کہ ضرر کو دفع کرنا واجب ہے، اس لئے کہ واجب شر کو دور کرنا ہے جس طرح سے ممکن ہو، قتل کرنا ضروری نہیں ہے)۔

عالم عرب کے معروف فقیہ سید سابق علیہ الرحمہ کا نقطۂ نظر یہی ہے:

"لأن دفع الضرر عن النفس و المال واجب فإن لم يندفع إلا بالقتل قتله ولا شيء على القاتل" (فقہ السنہ ۲/ ۵۰۲، دار الکتاب العربی بیروت) (اس لئے کہ جان و مال کو نقصان سے بچانا واجب ہے، اور اگر نقصان و ضرر بغیر قتل کے ممکن نہ ہو تو وہ اس کو قتل کر دے، اور اس پر کوئی تاوان بھی نہیں ہوگا)۔

اور یہ بھی ایک چیز ہے کہ بھوک کی شدت ہو اور کھانے کے لئے کوئی حلال چیز نہ ہو تو جان بچانے کے لئے حرام کھانا جائز نہیں بلکہ ضروری ہے، ورنہ گنہگار ہوگا، تو جارحیت کا دفاع بدرجہ اولی ضروری ہوگا۔

علامہ داماد آفندی رقم طراز ہیں:

"من امتنع عن أكل الميتة حال المخمصة أو صام ولم يأكل حتى

مات آثما، لأنه أتلف نفسه" (مجمع الانہر ۲۰۲۵۲۵ کتاب الکراہیۃ) (جو کوئی بھوک کی حالت میں مردار کھانے سے باز رہے یا روزہ رکھے اور نہ کھائے، یہاں تک کہ مر جائے تو گنہگار ہوگا اس لئے کہ اس نے اپنے آپ کو ہلاک کیا ہے)۔

اسی طرح جب گلے میں کھانے کا لقمہ اٹک جائے اور نگلنے کے لئے پانی وغیرہ نہ ہو تو جان بچانے کے لئے شراب کا استعمال ضروری ہے تو جان پر حملہ ہو تو اس کے بچانے کے لئے مدافعت کرنا کیوں ضروری نہ ہوگا۔

مال کی حیثیت:

مال اللہ کی نعمت ہے، اس کا ضیاع ممنوع ہے، اپنی اور اہل خانہ کی ضروریات اور اہل حاجت کی حاجت برآری، اور نیکی کے کاموں میں صرف کرنے کی ترغیب اور حوصلہ افزائی کی گئی ہے، لیکن یہاں بھی اسراف وتبذیر سے روکا گیا ہے، خود صاحب مال کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے مال کو ضائع کرے، یا اس میں اسراف وتبذیر سے کام لے، اور نہ ہی کسی دوسرے کو یہ اجازت ہے کہ وہ کسی کا مال بغیر اس کی اجازت ورضامندی کے لے، یا ناجائز طریقے پر اس کو استعمال کرے، اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

"يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم" (سورۂ نساء: ۲۹) (اے ایمان والو! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے)۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

"من أخذ مال أخيه بيمينه، أوجب الله له النار، وحرم عليه الجنة، فقال رجل: وإن كان شيئا يسيرا يا رسول الله؟ فقال: وإن كان عودا من

آراک"۔ (جس نے اپنے بھائی کے مال کو لیا، اللہ اس کے لئے جہنم کو واجب کر دے گا، اور جنت کو حرام کر دے گا، ایک شخص نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ اگر چہ معمولی چیز ہی ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: گرچہ پیلو کی لکڑی کیوں نہ ہو)۔

مال کی مدافعت:

صاحب مال کی ذمہ داری ہے کہ وہ مال کی حفاظت کرے، اس کو چوری، غصب اور ضائع ہونے سے بچانے کی تدبیر و کوشش کرے، اور اگر کوئی اس کو غصب کرنے یا چوری کرنے کی کوشش کرے تو اس کی بھر پور مدافعت کرے، حتی کہ اس کی مدافعت میں حملہ آور، چور و غاصب کی جان بھی لی جا سکتی ہے، اور اگر وہ خود مارا جائے تو شہید ہوگا۔

"عن أبي هريرة قال: جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أن يأخذ مالي؟ قال: "فلا تعطه مالك"، قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: "قاتله"، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: "فأنت شهيد"، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: هو في النار" (مسلم ۱/۸۱، ح ۳۶۰) (حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کا کیا مشورہ ہے اگر کوئی آدمی آ کر میرا مال لینا چاہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنا مال اسے مت دو، تو اس نے کہا: اگر وہ مجھ سے لڑائی کرے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے قتال کرو، تو اس نے کہا: اگر وہ مجھے مار ڈالے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو تم شہید ہو گے، پھر اس نے کہا: اگر میں اس کو قتل کر ڈالوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا ٹھکانہ جہنم ہے)۔

دوسری حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"من أريد ماله بغير حق فقاتل فقتل فهو شهيد" (سنن ترمذی ۲:۲۰۲، باب ما جاء فیمن قتل دون ماله فهو شهید، حدیث ۱۴۲۰) (جس کا مال ناجائز طریقے سے لیا جائے تو وہ قتال کرے اور مارا جائے تو وہ شہید ہے)۔

مال کی اہمیت اتنی ہے کہ اس کی مدافعت وتحفظ میں مارے جانے پر شہادت کا رتبہ حاصل ہوگا۔

"من قتل دون ماله فهو شهيد" (سنن ترمذی ۲:۲۰۲، باب ما جاء فیمن قتل دون ماله فهو شهید، حدیث ۱۴۲۱) (جو اپنے مال کو تحفظ کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے)۔

اور مال کو ناجائز طریقہ پر لینے والا مارا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن یہ چیز مطلق نہیں ہے بلکہ اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ مال کا بچاؤ وحصول وہ چور اور غاصب کو مارے بغیر ممکن نہ ہو یعنی اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو مال کے تحفظ اور اس کے حصول کا اگر وہ لے کر بھاگ رہا ہو۔

فقہاء کرام نے اس پر بڑی واضح بحث فرمائی ہے، "فتاویٰ ہندیہ" میں ہے:

"ومن دخل عليه غيره ليلاً وأخرج السرقة، فاتبعه وقتله فلا شيء عليه، وتأويل هذه المسئلة إن كان لا يتمكن من الاسترداد إلا بالقتل" (فتاویٰ الہندیہ ۶:۷) (رات کے وقت کسی کے گھر میں کوئی داخل ہو کر چوری کرے، اور وہ اس کا پیچھا کرکے اس کو قتل کر دے تو اس پر کچھ نہیں ہوگا، مسئلہ کی تاویل یہ ہے کہ جب بغیر قتل کئے مال کو واپس نہ لیا جاسکتا ہو)۔

اور اگر چور کی جان لئے بغیر مال کی حفاظت ہو سکتی ہے مثلاً شور وغل مچا دیا جائے یا لوگوں کو مدد کے لئے آواز دی جائے تو چور بھاگ جائے تو پھر چور کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

"وأما أنه لو صاح به يترك ما أخذه ويذهب، فلم يفعل هكذا، ولكن قتله كان عليه القصاص" ([illegible]) (اور اگر شور و ہنگامہ کرنے سے چور مال چھوڑ کر بھاگ جائے تو وہ اس کو قتل نہ کرے، اور اگر اس نے قتل کر دیا تو اس پر قصاص ہوگا)۔

مدافعت مال کی شرعی حیثیت:

اس بابت فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ مال کی مدافعت کا شرعی درجہ کیا ہے، جائز ہے یا واجب؟ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ مال کی مدافعت واجب ہے، لیکن اکثر حضرات کی رائے جواز کی ہے۔ لیکن جو لوگ وجوب کے قائل ہیں وہ اس صورت میں ہے جب کہ مال جاندار شئی ہو مثلاً جانور، یا دوسرے کا مال ہو جیسے وقف کا مال، یا ودیعت، رہن یا کرایہ کا سامان ہے تو اس کی مدافعت ضروری ہے۔

شیخ عبدالقادر عودہ نے اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے تحریر فرماتے ہیں:

"أما الدفاع عن المال فأغلب الفقهاء يرونه جائزاً لا واجباً فللمعتدى عليه أن يدفع الصائل إن شاء، وأن لا يدفعه، ولكن بعض الفقهاء يرون أن الدفع عن المال واجب، إذا كان مالاً فيه روح، أي ليس جماداً، أو كان مالاً للغير في يد المدافع كمال المحجور عليه أو الوقف أو مالاً مودعاً أو كان مالاً للمدافع ولكن تعلق به حق الغير كرهن وإجارة" (التشریع الجنائی الاسلامی [illegible] موسسۃ الرسالۃ) (مال کی حفاظت کے لئے دفاع کرنا اکثر فقہاء کے نزدیک جائز ہے نہ کہ واجب۔ معتدی علیہ (جس پر زیادتی ہو) کو اختیار ہے، چاہے تو حملہ آور کو دفاع کرے، چاہے تو نہ کرے۔ لیکن بعض فقہاء کی رائے ہے کہ مال کا دفاع واجب ہے، جب مال جاندار چیز ہو یعنی بے جان چیز نہ ہو، یا مدافع کے پاس جو مال ہے وہ دوسرے کا ہو جیسے محجور علیہ کا مال، یا وقف کا مال ہو یا

اس سلسلے میں راقم کی رائے یہ ہے کہ مال کی جانب سے مدافعت واجب نہیں ہے کہ اس کے ترک کرنے پر گناہ یا سزا مرتب ہو بلکہ مدافعت کا صرف جواز ہے، اگر چاہے تو مدافعت ومزاحمت کرے، اور چاہے تو نہ کرے، اس لئے کہ مال میں دوسرے کو استعمال کرنے کی اجازت دینا، اور اس دوسرے شخص کے لئے اس کا استعمال کرنا دونوں جائز ہے، جس کی اجازت کے بعد اس کا استعمال جائز ہوتا ہے، اس کے برعکس عزت ونفس میں ایسا نہیں ہے کہ اس میں استعمال وتصرف کی اجازت دینا جائز ہے اور نہ ہی دوسرے کے لئے بغیر حق کے استعمال وتصرف میں لانا درست ہے، (ان کے قائلین کی یہی دلیل ہے، التشریع الجنائی الاسلامی ۱/۴۷۳)۔

عزت وآبرو کا حق:

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو باعزت ومحترم بنایا ہے، اور یہ عزت وآبرو انسان کا بیش قیمتی اثاثہ ہے، اور اس کی حفاظت کا اسے پورا حق حاصل ہے، خصوصاً عفت ناموس کی عزت وعصمت کے تحفظ کے بارے مسائل شریعت نے عطا کئے ہیں اور اسے پورا حق دیا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے، اور دوسروں کو سختی سے اس بات سے روکا ہے کہ وہ کسی عورت کی عصمت وعفت کو داغدار کریں۔

جیسا کہ فرماتے ہیں: "لا یحل انتہاک العرض" (قواعد الفقہ [illegible]) (عزت کو پامال کرنا جائز نہیں ہے)۔

مدافعت عزت کا حکم:

اگر کسی عورت کی عفت وعصمت پر حملہ ہو تو دیکھنے والے پر ضروری ہے کہ اس کی عفت وعصمت کی حفاظت کرے، اور خود عورت پر بھی ضروری ہے کہ وہ بھی عزت وآبرو کی حفاظت اور

دین کی اہم خدمت انجام دینے کی کوشش کی ہے، اللہ کرے آنے والا سیمنار نتیجہ خیز ثابت ہو، اور اس کے ذریعہ پورے عالم کو غور و فکر کی ایک نئی جہت عطا ہو، اور یہ فیصلہ کرنا بالکل آسان ہو جائے کہ اسلام اور مسلمانوں کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱- دہشت گردی کی حقیقت:

اسلامی نقطۂ نظر سے قرآن و حدیث کی روشنی میں دہشت گردی کا مطلب افساد، فساد، تباہی، ظلم اور تعصب ہے، یعنی انسان حق و انصاف سے منہ موڑتے ہوئے بے قصور افراد کو اپنے ظلم اور تشدد کا نشانہ بنائے، چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

﴿ومن الناس من يعجبك قوله في الحياة الدنيا ويشهد الله على ما في قلبه وهو ألد الخصام، وإذا تولى سعى في الأرض ليفسد فيها و يهلك الحرث والنسل والله لا يحب الفساد، وإذا قيل له اتق الله أخذته العزة بالإثم فحسبه جهنم ولبئس المهاد﴾ (البقرة: ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶)۔

(بعض آدمی ایسا بھی ہے کہ تم کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے مزہ دار معلوم ہوتی ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر بتاتا ہے، اپنے مافی الضمیر پر، حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے، جب وہ پیٹھ پھیرتا ہے، تو اس دوڑ دھوپ میں لگا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کرے، اور (کسی کے) کھیت اور مویشی کو تلف کر دے، اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے، جب اس سے کوئی کہتا ہے کہ اللہ کا خوف کر، تو نخوت اس کو گناہ پر آمادہ کر دیتی ہے، تو ایسے شخص کے لئے جہنم کی سزا کافی ہے، اور بہت بری آرام گاہ ہے)۔

۲- سرکاری دہشت گردی:

دہشت گردی کی تعریف سے، جب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دہشت گردی ظلم،

استحصال اور نا انصافی کی ایک شکل ہے تو ان کی عقل و دانش کو یہ فیصلہ کرنے میں تامل نہیں ہونا چاہئے کہ ظلم و نا انصافی چاہے فرد کی طرف سے ہو یا جماعت، ادارے یا حکومت واقتدار کی طرف سے ہو، وہ بہر حال ظلم و نا انصافی اور دہشت گردی ہی ہے، بلکہ اجتماعی ظلم تو دوہری دہشت گردی ہے۔ اگرچہ ظلم چند لوگوں کی ایک بڑی تعداد سے دہشت گردی شمار کرے، افراد کی کثرت اور قوت کی وجہ سے کسی بھی بدی و برائی کا درجہ نہیں بدلا جا سکتا، قرآن کی زبان میں:

﴿قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو أعجبک کثرة الخبیث﴾

(المائدہ:۱۰۰)

(آپ فرما دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے گو کہ تم کو ناپاک کی کثرت بھلی لگتی ہو)۔

سرکاری دہشت گردی کا ذکر قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے:

﴿إن الملوک إذا دخلوا قریة أفسدوها وجعلوا أعزة أهلها أذلة﴾

(النمل:۳۴)

(بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں تو اسے بگاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں)۔

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص کو ایک جماعت نے قتل کیا ہو تو ان تمام سے قصاص لیا جائے گا، افراد کی کثرت کی بنا پر ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی جائے گی، چنانچہ علامہ ابن قدامہ کا بیان ہے:

"إن الجماعة إذا قتلوا واحدا فعلی کل واحد منهم القصاص ... روی سعید بن المسیب أن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قتل سبعة من أهل صنعاء قتلوا رجلا وقال لو تمالأ علیه أهل صنعاء لقتلتهم جمیعا، وعن علی رضی الله

عنه، أنه قتل ثلاثة قتلوا رجلا، وعن ابن عباس رضي الله عنه أنه قتل جماعة

لواحد، ولم يعرف في عصرهم مخالف فكان إجماعا، ولأنها عقوبة للواحد

على الواحد، فوجب للواحد على الجماعة كحد القذف (المغني ۱۰/۲۹۰، ۲۹۱، مطبوعہ

دار عالم الکتب بیروت)۔

(ایک جماعت جب ایک شخص کو قتل کرے تو ان میں سے ہر ایک سے قصاص لیا جائے گا، سعید بن مسیب سے منقول ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب نے سات آدمیوں کو قتل کروایا جنہوں نے ایک آدمی کو قتل کیا تھا، اور انہوں نے فرمایا: "اگر صنعاء کے تمام لوگ اس میں شریک ہوتے تو میں تمام کو قتل کروا دیتا"۔ سیدنا علیؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایسے تین آدمیوں کو قتل کروایا جنہوں نے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ سیدنا ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کے بدلے میں ایک جماعت کو قتل کروایا۔ ان کے زمانہ میں کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی، گویا اس پر اجماع ہو گیا، نیز یہ کہ ایک شخص کی خاطر ایک شخص کو سزا دی جاتی ہے لہذا ایک شخص کی خاطر ایک جماعت کو سزا دی جائے گی، جیسا کہ حد قذف میں ہوتا ہے)۔

ان تمام اقتباسات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ظلم اور دہشت گردی چاہے فرد کی طرف سے ہو یا جماعت اور مذہب حکومت کی طرف سے ہو وہ بہر حال ظلم اور دہشت گردی ہی ہے، بلکہ بڑے پیمانہ پر اور بدترین درجہ کی دہشت گردی ہے، اس کی وجہ سے تباہ کاری بھی بڑے پیمانے پر ہوتی ہے۔ جس طرح چوری اور غصب فرد کی طرف سے ہو تو بھی برا ہے اور قابل ملامت ہے، اور اگر ایک مہذب جماعت یا سرکار کی طرف سے ہو تو بھی برا ہے اور قابل ملامت ہے، مہذب یا سرکار کا لیبل لگ جانے سے چوری اور غصب کو اچھا عمل قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

۳- احتجاج اور ردعمل:

ایک جمہوری ملک میں تو کسی ظلم و ناانصافی پر پرامن احتجاج کی عام اجازت ہوتی ہے۔ اسلام میں بھی اس کی اجازت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لا یحب اللہ الجہر بالسوء من القول الا من ظلم (النساء: ۱۴۸)

(اللہ تعالیٰ برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو پسند نہیں فرماتا، مگر مظلوم کو اجازت ہے)۔

اور حدیث میں ہے: "ان الناس اذا رأوا الظالم فلم یأخذوا علی یدیه اوشک ان یعمھم اللہ بعقاب منه" (ابوداؤد، ۴۳۳۸)۔

(لوگ جب کسی ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو سزا میں گرفتار کر سکتے ہیں)۔

نیز حدیث میں یہ بھی ہے: "افضل الجہاد کلمة عدل عند سلطان جائر" (ابوداؤد، ۴۳۴۴)۔

(افضل درجہ کا جہاد ظالم حکمران کے سامنے انصاف کی بات کہنا ہے)۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ احتجاج صرف جائز ہے یا واجب؟ اور اگر واجب ہے تو کن لوگوں پر واجب ہے؟ تو یہ لوگوں کی استطاعت و صلاحیت پر موقوف ہے، مثال کے طور پر جن حضرات کے پاس سیاسی طاقت اور اثر و رسوخ ہے، یا جنہیں عوامی مقبولیت حاصل ہے، یا جن کے پاس قلم اور میڈیا کی طاقت ہے تو ان کے لئے اپنی استطاعت کے مطابق احتجاج واجب ہے، گویا یہ فرض کفایہ کے درجہ میں ہے۔

احتجاج کے بارے میں عہد نبوی کے اس واقعہ سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے:

سے سمع وطاعت اختیار کرنے کی بیعت کی، چاہے تنگی کی حالت ہو یا خوشحالی کی، خوشدلی سے ہو یا ناپسندیدگی کے ساتھ، خواہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے، اور یہ کہ ہم صاحب حکومت سے اس کی حکومت کے بارے میں نہیں جھگڑیں گے الا یہ کہ ہم صریح کفر دیکھیں، جس کی بابت ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح دلیل موجود ہو، اور اس بات پر بھی بیعت کی کہ ہم جہاں بھی ہوں حق بات کہیں گے، اللہ کی بات کہنے میں ہم ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

اس حدیث میں "کفر" کا ذکر ہے مگر اس سے پہلے والی حدیث میں "کلمۂ عدل" کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرح کی ناانصافی اور ظلم پر ارباب اقتدار سے احتجاج کرنا اور ان کی غلط پالیسیوں پر تنقید کرنا افضل ترین عبادت ہے۔

نیز بحیثیت ایک داعی امت کے مسلمانوں کو اس حدیث پر بھی عمل کی ضرورت ہے:

"من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ، فإن لم یستطع فبلسانہ، فإن لم یستطع فبقلبہ، وذلک أضعف الإیمان" (مسلم:۴۹)۔

(جو کوئی ناپسندیدہ کام دیکھے اس کو چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل ہی دل میں برا خیال کرے، مگر یہ ایمان کا بہت کمزور درجہ ہے)۔

بعض روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"ولیس وراء ذلک من الإیمان حبة خردل" (مسلم:۵۰)۔

(ان تینوں سے ہٹ کر رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں رہ جاتا)۔

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ مظلوم کا ظلم کے خلاف احتجاج کرنا اور ظلم سے رکنے کا مطالبہ کرنا دہشت گردی نہیں ہے، بلکہ ظالموں کو ظلم ترک کرنے اور انصاف پر آمادہ کرنے کی

دعوت وکوشش ہے، جس کی ترغیب قرآن وحدیث میں دی گئی ہے، اور جو امت مسلمہ کے لئے فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے۔

۴- بے قصور افراد سے بدلہ لینا:

کسی ایک طبقہ کی طرف سے ظلم وزیادتی ہو، جس میں اس طبقہ کے کچھ افراد شریک ہوں تو مظلوموں کو ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لینا جائز نہیں ہوگا جو بے قصور ہیں، اور جو اس ظلم میں کسی طور سے شریک نہیں ہیں، اور اگر دوسرے بے قصور افراد سے بدلہ لیا جائے تو یہ بھی ظلم ہوگا، جیسا کہ سورہ یوسف میں ہے کہ سیدنا یوسف کے سگے بھائی پر جرم ثابت ہوا، جس کی سزا قید تھی، بنیامین کے دوسرے بھائیوں نے سیدنا یوسف سے درخواست کی کہ بنیامین کے ابا بہت بوڑھے ہیں، بہتر ہوگا کہ ان کی جگہ دوسرے کسی بھائی کو قید کر لیا جائے، تو سیدنا یوسف نے فرمایا: اگر ہم ایسا کریں تو ہم ظالم قرار دیے جائیں گے۔

﴿قالوا يا أيها العزيز إن له أبا شيخا كبيرا فخذ أحدنا مكانه، إنا نراك من المحسنين، قال معاذ الله أن نأخذ إلا من وجدنا متاعنا عنده إنا إذا لظالمون﴾ (سورہ یوسف: ۷۸-۷۹)۔

(انہوں نے کہا کہ اے عزیز مصر! اس کے والد بہت بڑی عمر کے بالکل بوڑھے شخص ہیں، آپ اس کے بدلے ہم میں سے کسی کو گرفتار کر لیجئے، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بڑے نیک نفس ہیں، یوسف علیہ السلام نے کہا کہ ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے کی گرفتاری کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، ایسا کرنے سے ہم یقینا ناانصافی کرنے والے ہو جائیں گے)۔

نیز قرآن کی دوسری آیت ہیں:

۱۱- سیاسی محرومی۔

۱۲- قانونی ناانصافی، یعنی استحقاق کے باوجود کسی خاص قوم کو مراعات دینے سے گریز۔

۱۳- فرقہ وارانہ زیادتی، جیسے ۱۹۸۴ء کا سکھ مخالف فساد اور ملک میں مسلم مخالف فسادات اور نسل کشی کا وقفہ وقفہ سے جاری رہنا۔

دہشت گردی کا تدارک:

ہمیں اسلامی ہدایات کی روشنی میں ان اسباب و خصائل رذیلہ کے تدارک کی کوشش کرنی چاہئے، اور اس پیغام امن کو عام کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس کے لئے سب سے پہلے ضروری ہے اسلام کی دعوت۔

یعنی یہ واضح کیا جائے کہ اسلام ہی نجات دہندہ اور مکمل مذہب ہے، دنیا میں وقفہ وقفہ سے جتنے انبیاء کرام تشریف لائے سب کا مقصد ایک ہی تھا کہ انسانیت کو ایک اللہ کا فرمانبردار بنایا جائے، جس پیغام اور دین کو لے کر انبیاء علیہم السلام تشریف لائے وہ محمد عربی ﷺ پر مکمل ہوا، جس دین کی بنیاد سیدنا آدم علیہ السلام کے ہاتھوں رکھی گئی، اس عمارت کی تکمیل آخری نبی سیدنا محمد ﷺ کے ہاتھوں ہوئی، اس کو حضور ﷺ نے خاتم النبیین کی مثال دیتے ہوئے بیان بھی فرمایا ہے، لہذا دین اسلام پچھلے تمام ادیان کا مجموعہ ہے، اور قرآن کریم تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ، جامع ایڈیشن اور قیامت تک تبدیل نہ ہونے والا جدید نصاب ہے، جس پر ایمان لانے میں آخرت کی کامیابی منحصر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وأنزلنا إليك الكتاب بالحق مصدقاً لما بين يديه من الكتاب ومهيمناً عليه فاحكم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهواءهم﴾ (سورۂ مائدہ: ۴۸)۔

(ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے، جو اپنے سے اگلی

(موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا سہارا حاصل کرو اور صبر کرو، یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے وہ مالک بنا دیتا ہے، اور آخری کامیابی انہی کی ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بہت جلد اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا خلیفہ بنا دے گا، پھر تمہارا طرز عمل دیکھے گا)۔

دہشت پسندی کا ایک اہم سبب احساس محرومی و مایوسی ہے، اسلام اس منفی احساس کو ختم کرنے اور اللہ سے بہتر امید رکھنے کی تلقین کرتا ہے:

﴿ولا تایئسوا من روح اللہ، انہ لا ییئس من روح اللہ الا القوم الکافرون﴾ (سورہ یوسف: ۸۷)۔

(اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، یقیناً اللہ کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں)۔

دہشت پسندی کی ایک اہم وجہ دنیا کی محبت بھی ہے کہ انسان دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے اور اسے غیر معمولی اہمیت دیتا ہے، جب کہ اسلام کے مطابق دنیا ایک دھوکہ اور سراب کا سودا ہے:

﴿وما الحیاۃ الدنیا الا متاع الغرور﴾ (سورہ آل عمران: ۱۸۵)۔

(اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے)۔

اس لئے تمام مسلمانوں کو دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی کامیابی پر زیادہ دھیان دینا چاہئے۔

اس موقع پر قرآن عظیم کی ایک آیت نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

﴿اعلموا أنما الحياة الدنيا لعب ولهو وزينة وتفاخر بينكم وتكاثر في الأموال والأولاد، كمثل غيث أعجب الكفار نباته ثم يهيج فتراه مصفراً، ثم يكون حطاماً، وفي الآخرة عذاب شديد و مغفرة من الله و رضوان، وما الحياة الدنيا إلا متاع الغرور، سابقوا إلى مغفرة من ربكم وجنة عرضها كعرض السماء والأرض، أعدت للذين آمنوا بالله ورسله، ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء، والله ذو الفضل العظيم، ما أصاب من مصيبة في الأرض ولا في أنفسكم إلا في كتاب من قبل أن نبرأها، إن ذلك على الله يسير، لكيلا تأسوا على ما فاتكم ولا تفرحوا بما آتاكم، والله لا يحب كل مختال فخور﴾ (سورۂ حدید: ۲۰-۲۳)۔

(خوب یاد رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل، تماشا، زینت اور آپس میں فخر وغرور اور مال واولاد میں ایک دوسرے پر برتری جتانا ہے، جیسے بارش اور اس کی پیداوار کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے، پھر وہ خشک ہو جاتی ہے، تو زرد رنگ میں تم اس کو دیکھتے ہو، پھر وہ بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے، اور آخرت میں سخت عذاب، اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے، اور دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے سامان کے اور کچھ بھی نہیں، دوڑو اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے، یہ ان کے لئے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے دے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے، نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے، نہ خاص تمہاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں، وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے، یہ کام اللہ پر بالکل آسان ہے، تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو، اور نہ عطا کردہ چیز پر اترا جاؤ، اور اترانے والے اور شیخی بگھارنے والے کو اللہ پسند نہیں فرماتا)۔

دہشت گردی کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ انصاف پر قائم نہیں رہا جاتا۔ جب کوئی بڑا ملک، قوم یا اس کا حلیف ظلم کرتا ہے اور مظلوم انصاف حاصل کرنا چاہتا ہے تو انصاف کا مطالبہ کرنے والوں کی آواز دہشت گردی معلوم ہونے لگتی ہے، لیکن جب کسی بڑے ملک پر ظلم ہوتا ہے تو وہ اپنے حلیفوں اور دوسروں سے بے جا حمایت حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ انصاف کے معاملے میں اس طرح کا دوہرا معیار اختیار کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے:

﴿يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين بالقسط شهداء لله ، ولو على أنفسكم أو الوالدين والأقربين، إن يكن غنياً أو فقيراً فالله أولى بهما﴾ (سورہ نساء: ۱۳۵)۔

(اے ایمان والو! عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودی مولیٰ کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتہ دار عزیزوں کے، وہ شخص امیر ہو یا فقیر دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط ولا يجرمنكم شنآن قوم على ألا تعدلوا، اعدلوا هو أقرب للتقوى، واتقوا الله إن الله خبير بما تعملون﴾ (سورہ مائدہ: ۸)۔

(اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے، عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے)۔

دہشت گردی کی سب سے بڑی اور اہم وجہ یہ ہے کہ ایک قوم دوسری قوم پر اپنی تہذیب

اور تہذیب مسلط کرنے کی کوشش کرتی ہے، جبکہ اسلام مذہب کے معاملہ میں کسی جبر اور تسلط کو پسند نہیں کرتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لا اکراہ فی الدین، قد تبین الرشد من الغي، فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی، لا انفصام لها، واللہ سمیع علیم﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۵۶)۔

(دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے، اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اس نے بڑے مضبوط حلقہ کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا، اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے)۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿فمن شاء فلیؤمن، ومن شاء فلیکفر، انا اعتدنا للظالمین نارا أحاط بهم سرادقها﴾ (سورۂ کہف: ۲۹)۔

(جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے، ظالموں کے لئے ہم نے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے، جس کی قناتیں انہیں گھیر لیں گی)۔

دہشت گردی کے رجحان میں اضافہ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسانی جان کے احترام کا تصور دلوں سے نکل گیا ہے، اس لئے کسی فرد یا قوم کو ایذا پہنچانے کی جرأت پیدا ہوتی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے سارے ہی انسان کو یکساں بزرگی عطا کی ہے۔

﴿ولقد کرمنا بنی آدم﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۷۰) (یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت عطا کی)۔

اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے، اور

ایک انسان کو زندہ رکھنے اور قتل سے بچانے کی کوشش کو پوری انسانیت کو قتل سے بچانے کے مماثل قرار دیا ہے:

﴿من قتل نفساً بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً، ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعاً﴾ (سورہ مائدہ: ۳۲)۔

(جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو، یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا، اور جو شخص کسی ایک کی جان بچا لے اس نے گویا تمام لوگوں کی زندگی بچالی)۔

دہشت گردی کے پس پردہ غاصبانہ ذہنیت بھی کارفرما ہوتی ہے، حدیث میں فرمایا گیا: "جو شخص کسی کی ایک بالشت زمین ناحق غصب کر لے تو اسے قیامت کے دن سات تہ زمین میں دھنسایا جائے گا": "من ظلم قيد شبر من الأرض طوقه من سبع أرضين" (بخاری: ۲۴۵۲، مسلم: ۱۶۱۲)۔

۷- دفاع کی شرعی حیثیت:

اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو اس کے دفاع کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ حدیث سے یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ ایسے موقع پر دفاع کرنے والا اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے تو اس کا مرتبہ شہید کے برابر ہوگا:

"من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد" (ترمذی: ۱/۲۶۱)۔

(جو شخص اپنے مال کے دفاع میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنی جان کے دفاع میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنے دین کے دفاع میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور

جو شخص اپنے گھر والوں کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دفاع کرنے والا مجاہد کے درجہ میں ہے، دوسری احادیث میں دفاع کرنے اور نہ کرنے دونوں کا ذکر ہے، مسلم کی حدیث میں دفاع کرنے کا حکم ہے:

"جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: "فلا تعطه مالک"، قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: "قاتله"، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: "فأنت شهيد"، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: "هو في النار" (مسلم: کتاب الایمان، باب الدليل على أن من قصد)۔

(ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کا کیا خیال ہے اگر کوئی شخص میرا مال چھیننا چاہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اپنا مال نہ دو، اس نے کہا: اگر وہ مجھ سے لڑنا شروع کردے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھی اس سے لڑو، اس نے کہا: اگر اس نے مجھے قتل کر دیا تو میرا کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم شہید ہوگے، اس نے پوچھا: اگر میں اسے قتل کر دوں تو اس کا کیا ہوگا؟ فرمایا: وہ جہنمی ہوگا)۔

اس کے برخلاف قرآن نے سیدنا آدم کے دو بیٹوں کا ذکر کیا ہے کہ ہابیل نے قابیل کا دفاع نہیں کیا، بلکہ اپنی جان اپنے بھائی کے حوالہ کردی:

﴿لئن بسطت إلي يدك لتقتلني ما أنا بباسط يدي إليك لأقتلك، إني أخاف الله رب العالمين. إني أريد أن تبوء بإثمي وإثمك فتكون من أصحاب النار، وذلك جزاء الظالمين. فطوعت له نفسه قتل أخيه فقتله فأصبح من الخاسرين﴾ (سورۂ مائدہ: ۲۸-۳۰)۔

(گو تم میرے قتل کے لئے دست درازی کرو، لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنا

امن وسلامتی کا مذہب اسلام

ڈاکٹر وہبہ مصطفی الزحیلی، شام
اردو ترجمہ: اصغر زبیر ندوی

الحمد لله والصلاة والسلام علی رسول الله وعلی آله وصحبه ومن والاه وبعد .

زیر نظر تحریر میں ان سوالوں کے جوابات پیش کیے گئے ہیں جو موجودہ مفہوم میں دہشت گردی کے بارے میں اسلامی موقف کو واضح کرنے کے لئے قائم کیے گئے ہیں، اس کا مقصد حقیقت کا اظہار اور ان اتہامات کی تردید ہے جنہیں مغربی نشریاتی ذرائع نے امریکہ کی قیادت میں پھیلائے ہیں، اور اس مسئلہ کے تعلق سے تمام مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سامنے حکم شرعی کو واضح کرنا ہے تا کہ انصاف پسند حضرات کے سامنے یہ بات کھل کر آ جائے کہ اسلام کسی بھی شکل میں موجودہ دہشت گردی کے مفہوم کو قولاً اور عملاً کسی طرح تسلیم نہیں کرتا ہے، اور یہ بھی کہ مسلمان جو سچ میں مسلمان ہیں، کوئی دہشت گردانہ کارروائی نہیں کرتے ہیں، اگر بعض مسلمان کبھی کبھار اس قسم کی کارروائیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں تو اس کے کچھ خارجی اسباب ہوتے ہیں جن کی وجہ سے بعض اجڈ اور آوارہ قسم کے لوگ مجرمانہ کارروائیاں کرتے ہیں، جن کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ نشیلی اشیاء کے استعمال کے نتیجہ میں عقل وشعور سے بیگانہ ہوتے ہیں، ان جوابات میں ہم یہ بتائیں گے کہ دہشت گردی کے صحیح علمی مفہوم کو جاننا ضروری ہے، نہ کہ اس مطلب کو جاننا

ضروری ہے جسے امریکہ اور عالمی صہیونیت اور دوسرے ممالک بغیر کسی ٹھوس دلیل کے رواج دینا چاہتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ مطلب الٰہی قانون، بین الاقوامی قانون اور وضعی قانون سب سے متعارض ہے۔

۱-۱ اسلامی نقطۂ نظر سے ارہاب (دہشت گردی) کی تعریف اور اس کی حقیقت کیا ہے:

ارہاب (دہشت گردی) لغت میں ڈرانا یا دھمکانا ہے اور دبدبہ قائم کرنا اور دہشت پھیلانا ہے، اور یہ دوران جہاد یا قتال اور جنگ کے میدانوں میں درست ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ دشمن پر فتح حاصل کی جاسکے، اور یہ چیز قابل قبول بھی ہے اور عقل کو لگتی ہوئی بھی ہے۔ اس لئے کہ قتال کرنے والا خواہ اس کا عقیدہ یا مذہب کچھ بھی ہو جنگی معرکہ آرائیوں میں فتح کو زبردستی حاصل کرنا چاہتا ہے اور شکست سے خوف کھاتا ہے، اور یہی اس آیت کریمہ کا مطلب ہے: "واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدو كم" (انفال، ۶۰) یعنی معرکہ کے میدانوں میں قوۃ، طاقت اور غلبہ کا مظاہرہ کرنا ایک فطری، منطقی اور بدیہی امر ہے۔ یہی وہ مفہوم ہے جس کی بنیاد پر معاصر ممالک طاقتور لشکر تیار کررہے ہیں اور مختلف قسم کی نئی ٹکنالوجی سے لیس اور خطرناک ہتھیار حاصل کررہے ہیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ دشمن کو روکیں اور دوسروں کو خوف زدہ کریں، تاکہ وہ ان کے ملک پر زیادتی کرنے اور ان کے حقوق چھیننے کے بارے میں نہ سوچ سکیں۔

اسلام میں جہاد کی سب سے اہم شرط یہ ہے کہ وہ کسی مسلم حکومت کی قیادت میں اعلانیہ ہو نہ کہ کسی فرد کی قیادت میں۔

اور ارہاب (دہشت گردی) کا موجودہ مفہوم یہ ہے کہ یہ ہر قسم کا ظلم و زیادتی کرنا یا خوف زدہ کرنا، یا ہلاکت میں ڈالنا ہے، یا ملک کے مصالح کو بغیر کسی حق کے چھیننا، جبکہ عملی یا اعلانیہ جنگ کا کوئی وجود نہ ہو۔

دہشت گردی ہو، جبکہ اس کا مقصد نفس یا مال یا وطن یا عزت وحرمت کی طرف سے دفاع کرنا ہو، اس لئے کہ دفاع کرنے والا اپنے عمل میں حق بجانب ہوتا ہے اور اپنے ردعمل میں معذور ہوتا ہے۔ اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ ارہاب اپنے محرکات، منہج طریقہ کار اور اہداف کے اعتبار سے ایک غیر مشروع عمل ہے۔ جبکہ مقابلہ آرائی کرنا ایک جائز حق ہے کہ اپنے وجود، نفس، وطن، عزت وحرمت، مال ودولت اور دوسرے حقوق کی طرف سے دفاع کرے۔

اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عالمی یا ملکی دہشت گردی یعنی تشدد یا ظلم وزیادتی یا مجرمانہ کارروائی کو کوئی شرعی جواز حاصل نہیں ہے، خواہ یہ سیاسی اسباب کی وجہ سے ہو یا جارحانہ انتقام کے ساتھ جنگی کارروائی کے مقصد سے ہو، یا اعتقادی یا وطنی محرکات کی بنیاد پر ہو۔

ارہاب کا یہی وہ مفہوم ہے جس کو اسلام بیان کرتا ہے، اور عالمی قوتوں کے اعتدال پسند ماہرین اور دانشوروں کے نزدیک اپنے اسی مفہوم کو پیش کرتے ہے۔ اس لئے عالمی نظام یا اقوام متحدہ کا موجودہ چارٹر یہ دونوں ہی نفس اور وطن کی طرف سے دفاع کرنے کے اصول کو مانتے ہیں۔

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق اس کے دلائل بہت ہیں، مثلاً جہاد جو کہ ظلم وعدوان کو روکتا ہے، کے ضوابط کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا: "وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم ولا تعتدوا إن الله لا يحب المعتدين" (بقرہ، ۱۹۰) یعنی قتال دفاع کرنے کے لئے اور ظلم وزیادتی کرنے کی صورت میں جائز ہے۔

اسی طرح حدیث نبوی ہے: "لا يحل لمسلم أن يروع مسلما" (۲) (کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو خوف زدہ کرے) اگرچہ بطور مذاق ہی ہو، جیسے خوف زدہ کرنا یا ہتھیار کے ذریعہ اشارہ کرنا، یا اس کا سامان لے لینا کہ اس کے گم ہوجانے کی وجہ سے وہ گھبرا جائے، کیونکہ اس میں اس کو ضرر اور تکلیف میں مبتلا کرنا ہے، اور

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں (۳) شارحین حدیث یہی بات کہتے ہیں۔ اور یہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کو شامل ہے، اس لئے کہ دونوں میں سے ہر ایک انسان ہے جسے اللہ نے معزز بنایا ہے، جس کی اللہ نے تکریم کی ہے، اور اس کے نفس، دین، عقل، عزت وآبرو اور مال کے اندر اس کے حقوق کی حفاظت کی ہے، اور اس لئے کہ اسلام نے انسان کے تمام حقوق کی حفاظت کی ہے، خواہ اس کا دین یا مذہب کچھ بھی ہو، اسی طرح اسلام نے کسی انسان پر ہر قسم کے ظلم وزیادتی کو حرام قرار دیا ہے، کیونکہ ظلم خود اپنی ذات میں ایک جرم یا جنایت ہے، جس کو کوئی دین یا کوئی آسمانی مذہب صحیح نہیں سمجھتا ہے۔

۴- یہ حقیقت ہے کہ حکومتیں بعض اوقات اپنے ہی ملک کے رہنے والی تمام جماعتوں کے ساتھ عدل ومساوات کا معاملہ نہیں کرتی ہیں، بلکہ بعض جماعتوں کے حق میں سیاسی اور اقتصادی طور پر ظلم روا رکھا جاتا رہا ہے، اور اس سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کے جان ومال کے تحفظ میں قصداً کوتاہی برتی جاتی ہے، یا سرکاری سطح پر ایسی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں کہ جن کے ذریعہ اس گروپ کو جانی ومالی نقصانات پہنچائے جاتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ کیا حکومتوں کے ان غیر عادلانہ اور ظالمانہ رویہ کو دہشت گردی کہا جائے گا؟

بلاشبہ موجودہ دہشت گردی کا منشا حکومت کو ہدف بنانا ہوتا ہے، خواہ دہشت گردانہ کارروائی کسی دوسرے ملک کی سرزمین پر کی جائے یا خود اپنے ہی ملک کے اندر کی جائے، عام طور پر مخالفانہ دہشت گردی کے محرکات کسی حکومت کا دوسری حکومت پر یا خود اپنے باشندوں پر ظلم کرنے ہی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، جس کے نتیجہ میں یہ حکومت سیاسی یا اقتصادی ظلم برپا کرنے لگتی ہے، جس کا نشانہ اس ملک کی سرزمین میں رہنے والے بعض گروپ بن جاتے ہیں، اور اس کے بعد بعض شرپسند عناصر کو یہ اشارہ دے دیا جاتا ہے کہ وہ ایک متعین گروپ کی عبادت گاہوں، اداروں، تنظیموں اور افراد پر ایک خاص انداز سے ظلم کریں، اور حکومت بھی جان بوجھ کر چشم پوشی

سے کام لیتی ہے اور عمداً ملک کے کچھ باشندوں پر بعض باشندوں کی طرف سے ہونے والی مجرمانہ کارروائیوں پر چپ سادھ لیتی ہے۔ تا کہ انہیں نقصان پہنچایا جائے۔ یا ان کو ذلیل کیا جائے یا انتقام کے ارادے سے تحت تعصب اور بغض و کینہ سے پر جذبات کے ذریعہ ان کو غلامانہ زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا جائے۔

یہ تمام چیزیں دہشت گردی کے دائرہ میں آتی ہیں، اس لئے کہ یہ سب حکومتوں کا مسلک یا ظالمانہ موقف ہیں، اس کے باوجود مصلحت اور اسلامی منطق یہ نہیں ہے کہ ظلم کا علاج اسی طرح کے ظلم سے کیا جائے، کیونکہ اس کی وجہ سے فتنہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے جس کے شعلے پھیلتے چلے جاتے ہیں، اور پھر ضرر اور تکلیف عام ہو جاتی ہے، اور تمام باشندوں کو اس اندھے فتنہ یا بھی بجھ پائے گئے فتنہ کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔

۳- اگر کسی جماعت یا گروہ پر ظلم کیا جائے تو کیا اس کے خلاف احتجاج کرنا یا کسی ردعمل کا اظہار کرنا جائز ہے یا واجب؟ اس سوال پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اس دوسرے پہلو کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ کیا ظلم کے خلاف کسی مظلوم کا اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی میں شمار کیا جائے گا؟

الف- ظلم کے خلاف ردعمل کا اظہار یا نفس اور حقوق کی طرف سے دفاع کرنا واجب ہے، اگر ردعمل کے اظہار پر قدرت رکھتا ہو، لیکن یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ پہلے صورتحال کا جائزہ لیا جائے، طاقتوں کا موازنہ کیا جائے اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج کا اندازہ کر لیا جائے، اس لئے کہ اس قسم کی کارروائیوں میں حکمت مطلوب ہے، اور جان کو ہلاکت میں ڈالنا جائز نہیں ہے جبکہ جان جانے کا گمان غالب ہو، لیکن اگر غالب گمان یہ ہو کہ دفاع کرنا ظالم کو لگام دیدے گا اور اس کو ایک حد پر روک دے گا تو اس پر اقدامی کارروائی کرنا واجب ہوگا، اور اس کارروائی میں کوئی پس و پیش نہ کرے، اور اگر دفاع کرنے والے کو تکلیف پہنچنے کا یقین ہو یا ضرر لاحق ہونے کا گمان غالب ہو تو بہتر یہ ہے کہ صبر اور انتظار کرے، یہاں تک کہ کوئی مناسب

موقع ہاتھ آ جائے۔

قدرت ہونے کی صورت میں دفاع کرنے کی اجازت کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے: "لا یحب اللہ الجہر بالسوء من القول إلا من ظلم وکان اللہ سمیعا علیما" (سورۂ نساء: ۱۴۸)۔

ب۔ ظلم کردہ کا اپنی جان، یا اپنے مال یا دینی حرمت و کرامت کی طرف سے دفاع کرنا حنابلہ کے علاوہ جمہور علماء کے نزدیک واجب ہے، اس لئے کہ یہ ظلم کردہ کا اپنی حفاظت کرنا اور اس کو مستقل ظلم کرنے سے باز رکھنا ہے، اور اس لئے بھی کہ اس میں دفاع پر قدرت کے وقت مظلوم کی قوت کا احساس دلانا ہے، یہاں تک کہ اگر دفاع کرنے والا مر جائے تو وہ شہید مرے گا، اور ظلم کرنے والا جہنم میں جائے گا جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔

اسی بنیاد پر دفاع کرنا، ظلم کردہ پر واجب کے مفہوم میں آتا ہی نہیں ہے جس کی مذمت شریعت اسلام میں اور اہل علم و دانش کے نزدیک اور عالمی قانون میں کیا گیا ہے جیسا کہ ارہاب کے مفہوم کی تعریف میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے، لیکن ظلم اور شر کی پشت پناہی کرنے والے لوگ دفاع کو دہشت گردی قرار دیتے ہیں تاکہ ان کا تسلط برقرار رہے، ان کا دائرہ اختیار زیادہ سے زیادہ ہو، دنیا میں تنہا ان ہی کو سلطنت و برتری حاصل رہے، اور خود کو بڑا سمجھنے والے ملک کے اقتصادی مصالح کو تحفظ ملے، اور طاقتور ممالک خاص طور سے امریکہ کا کمزور ملک خاص طور سے اسلامی ممالک و اقوام پر کنٹرول ہو، یہ ایک طرح کا غرور و تکبر ہے، اور اس میں طاقتور کمزور پر تسلط حاصل کرتا ہے، اور اللہ تعالی ظالموں کو پسند نہیں کرتا ہے۔

۴۔ اگر ایک گروہ کی طرف سے ظلم و زیادتی ہو جسے اس گروہ کے بعض افراد نے انجام دیا ہو تو کیا مظلومین کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ظالم گروہ کے ان معصوم افراد سے بدلہ لیں جو اس ظالمانہ کارروائی میں ملوث نہیں تھے؟

اسلامی شریعت میں معصوم افراد سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ خود قاتل سے بھی نہیں، بلکہ معاملہ ملک کے محکمہ قضا کے سپرد کیا جائے گا، تاکہ فتنہ کو بجھ سکے، اور شر کے جاری رہنے، اور قتل و غارتگری کے پھیل جانے کو روکا جاسکے، اور حکومت پر یہ لازم ہے کہ وہ مظلومین کی حفاظت کرے، ان کی طرف سے دفاع کرے، اور شرپسندوں کو ان پر تسلط حاصل کرنے سے باز رکھے۔

معصوم افراد پر ظلم و زیادتی کرنا عہد جاہلی کی خصلت ہے اور انارکی پھیلانے والی تنظیموں کی عادات میں سے ہے، اسی بنیاد پر اسلام میں قصاص کا قانون ہے، جو عدالت سے صرف قاتل کے قتل کے لئے صادر ہوتا ہے اور وہ مساوات پر مبنی ہوتا ہے، اور قاتل کے بدلہ ایک سے زائد شخص کو قتل نہیں کیا جاتا ہے۔

اسی طرح عدالت کی کارروائی صرف ظالموں سے متعلق ہوگی، ایسے لوگوں سے نہیں جو ظالم نہ ہوں اور افراد کے لئے شرعا یہ درست نہیں کہ وہ خود ظالم کو قتل کریں تاکہ انارکی کو روکا جاسکے، جب کسی شخص یا گروہ کے خلاف جو جرم ثابت ہوجائے تو اس کے جرم کے بقدر ہی سزا واجب ہوگی، دوسرے افراد کو سزا دینا درست نہیں جنہوں نے ظلم و سرکشی نہ کی ہو۔ اور یہ وہ بلند تہذیبی منظر ہے جسے اسلام نے دکھایا ہے۔ اور جہاں تک مثل کے ذریعہ معاملہ کے اصول کی بات ہے تو وہ مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان جاری جنگ کے دوران برتا جاتا ہے۔

۵- جہاں بھی دہشت گردانہ کارروائی ہوتی ہے وہاں اس کے کچھ اسباب و محرکات ہوتے ہیں، مثلاً کسی گروہ کے حق میں سیاسی یا اقتصادی ظلم پایا جائے یا کوئی گروہ قوت وطاقت کے بل بوتے پر حکومت اور اس کے اقتصادی وسائل پر قبضہ کرنا چاہتا ہو تو ان اسباب کے علاج کے تعلق سے اسلام کیا رہنمائی پیش کرتا ہے؟

یہ صحیح ہے کہ ارہاب کے متعدد اسباب ہوتے ہیں، مثلاً سیاسی، اقتصادی، سماجی، نسلی،

مذہبی، طبقاتی یا آزادی سے متعلق اسباب، ارہاب کی جڑیں انہیں اسباب میں پوشیدہ ہیں، اس کا علاج حکمت، اطمینان بخش طریقہ یا تعمیری گفتگو کے ذریعہ یا ایسی کارروائی کرنے والوں کے سربراہوں کے ساتھ یا ان لوگوں کے ساتھ جن کا فتنہ، سازش یا ظلم کرانے کے پیچھے ہاتھ ہوتا ہے، سنجیدہ ملاقاتوں کے ذریعہ کیا جانا چاہئے، اور یہ جبکہ کسی مثبت نتیجہ تک پہنچنے کی امید ہو، اور ساتھ ساتھ گفتگو کو آگے بڑھانے اور ان امور کو سلجھانے کے لئے نمایاں حیثیت والے اور قدرت رکھنے والے ایک گروہ کو تیار کیا جائے تاکہ دہشت گردی کا جڑ سے خاتمہ ہو جائے۔

دہشت گردانہ عمل مثلاً تباہ و برباد کرنا، تخریب کاری کرنا، اور قتل وغیرہ کرنا، ان کے ذریعہ ظلم کا علاج کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس جیسی کارروائی مسئلہ کو حل نہیں کرتی ہے بلکہ اس میں درندگی اور بدخلقی کا اضافہ کرتی ہے، اور اس کی بہت سی مثالیں ہیں، ہمیں کوئی ایسی واضح مثال نہیں ملی جس میں دہشت گردانہ دہشت گردانہ کارروائیوں کی وجہ سے کوئی نتیجہ برآمد کر سکے ہوں۔

یاشبہ آپسی امن پسندی، باہمی گفتگو اور اچھی کوششیں ہی اسلام اور دوسری معتبر تنظیموں میں مشکلات کو حل کرنے اور تنازعات کو ختم کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔

اگر ان تمام پرامن وسائل کے استعمال کے باوجود مایوسی پیدا ہو جائے، اور ظالم لوگ اپنے مقصد کے حصول میں لگے رہیں، اور اہل عقل و دانش اور اعتدال پسند حضرات کی آواز کا کوئی مثبت جواب نہ ملے تو اس وقت ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے ظلم کا دفاع اسی طرح کے ظلم کے ذریعہ کرنا جائز ہوگا، اس لئے کہ جان اور جسم اور مقدس مقامات کی طرف سے دفاع کرنا شرعی اعتبار سے بھی اور منطقی اعتبار سے بھی جائز ہو جاتا ہے ــــــــ

۶- اگر کسی جماعت یا فرد کی جان، مال، عزت و کرامت پر ظلم و زیادتی ہو تو اس کی طرف سے دفاع کی شرعی حیثیت کیا ہوگی۔ کیا دفاع یعنی طاقت کا استعمال واجب ہے یا مباح یا

مندوب؟ نیز حق دفاع کے حدود کیا ہیں؟

مختلف تنظیمیں اور قوانین، جان یا مال یا عزت وعصمت یا شرافت وکرامت کی طرف سے شخصی دفاع کے حق کو تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح اسلام دفاع کو اور ظلم کا جواب دینے کو اتنی ہی مقدار میں جائز قرار دیتا ہے جتنی کہ غلبہ ظن کے مطابق ظلم کا دفاع کرنے کے لئے لازم ہے، اگر ممکن ہو تو الاخف فالاخف کے اصول کو برتے، لہذا پہلے بات سے اور دوسروں کی مدد کے ذریعہ دفاع شروع کرے، پھر ہاتھ سے پٹائی کے ذریعہ، پھر کوڑے کے ذریعہ، پھر لاٹھی کے ذریعہ، پھر کوئی عضو کاٹ کر، پھر قتل کے ذریعہ دفاع کرے اس قاعدہ شرعیہ پر عمل کرتے ہوئے: "ضرر کو ضرر کے ذریعہ دور نہیں کیا جائے گا" اور جب اخف کے ذریعہ مقصد حاصل ہوسکتا ہو تو اشد پر عمل کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اسی طرح اس قاعدہ پر عمل کیا جائے کہ ضرورت یا حاجت کی مقدار کا اندازہ لگایا جائے گا، اگر ظلم یا شر سے بھاگ کر یا قلعہ یا گھر یا جماعت میں پناہ لے کر چھٹکارا ممکن ہو تو ایسا کرنا واجب ہوگا، اور ظالم کو قتل کرنا حرام ہوگا، اس لئے کہ مظلوم کو الأهون فالأهون کے ذریعہ اپنی جان بچانے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور دفاع کرنے والے پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں، الا یہ کہ وہ دفاع شرعی حدود سے تجاوز کرے تو اس وقت تجاوز کرنا جرم سمجھا جائے گا، اور اس کے بارے میں جنائی قانون اور شہری قانون دونوں اعتبار سے پوچھا جائے گا۔

حق دفاع کے حدود یا اس کی شرطیں چار ہیں (۲)۔

۱- یہ کہ ظلم یا جرم کا وقوع ہو۔

۲- یہ کہ ظلم کا وقوع بالفعل ہو نہ کہ تاخیر سے ہو اور اس کی صرف دھمکی دی گئی ہو۔

۳- یہ کہ اشد طریقے کو چھوڑ کر دوسرے اسہل طریقے سے ظلم کا دفاع کرنا ممکن نہ ہو جیسا کہ گزرا۔

۴- یہ کہ اتنی ہی طاقت سے ظلم کا دفاع کیا جائے جتنا کہ اس کے دفاع کرنے کے لئے لازم ہو، یعنی اتنی ہی مقدار میں جتنی کہ ظلم یا زیادتی کو روکنے کے لئے غلبہ ظن کے مطابق لازم ہے، اور الایسر فالایسر کے ذریعہ پھر اشد کے ذریعہ۔

اور جہاں تک اس حق کے واجب اور مباح اور مندوب ہونے کی حیثیت کا تعلق ہے تو وہ دفاع کی نوعیت کے مطابق ہوگی (۵)۔

اگر معاملہ نفس کی طرف سے دفاع کا ہو تو یہ جمہور (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ) کی رائے میں واجب ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ولا تلقوا بایدیکم الی التهلكة" (سورہ بقرہ: ۱۹۵)، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء الی امر الله" (سورہ حجرات: ۹)۔

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دفاع کرنے والے پر شرعی قانون یا جنائی قانون کسی جانب سے بھی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ بغاوت کرنے والے کا خون رائیگاں ہے۔

امام احمد کی رائے یہ ہے کہ نفس کی طرف دفاع کرنا جائز یا مباح ہے واجب نہیں ہے، اس لئے کہ فتنہ پیدا ہو جانے کی صورت میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "اپنے گھر میں بیٹھے رہو، اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ شمس کی شعاعیں تمہاری آنکھوں کو خیرہ کر دیں گی، تو اپنے چہرہ کو ڈھک لو"، اور ایک روایت میں ہے: "اگر فتنہ پیدا ہو تو اس میں اللہ کا مقتول بندہ ہو، قاتل مت ہو" (۶)۔

كلمة استبداد كلمات استعباد و عسف وتسلط وتحكم وفي مقابلتها كلمات "شرع مصون"، "وحقوق محترمة"، "وحياة طيبة" (مرتع ... ص ۱۰۰، ارہاب کی)۔

نیز جب ہم اس سے آگے بڑھ کر دہشت گردی (بالمعنی المعروف) کے فکر اور ابتدائی تخیل پر نظر کرتے ہیں تو بھی مذکورہ بالا تصور کی تائید ہوتی ہے، حکمائے صہیون کے پروٹوکولز میں دہشت گردی کا تصور اسی خالص مجرمانہ نوعیت کا پوری صفائی سے موجود ہے (ملاحظہ ہو: پروٹوکول اول)۔

"يجب أن يلاحظ أن ذوي الطبائع الفاسدة من الناس أكثر من ذوي الطبائع النبيلة وإذن فخير النتائج في حكم العالم ما ينتزع بالعنف والإرهاب، لا بالمناقشات الأكاديمية وما أندر من لا ينزعون إلى إهدار مصالح غيرهم توصلاً إلى أغراضهم الشخصية" (الخطر الیہودی (ترجمہ پروٹوکولات حکمائے صہیون) ص ۱۰۳، عبارت مختصراً)۔

یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ شریف اور سلیم الطبع انسانوں کے مقابلے میں شرپسند عناصر اور فاسد فطرت والے لوگ نسبتاً زیادہ ہیں، اس لئے دنیا پر حکمرانی کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے بہترین نتائج وہ ہوں گے جو تشدد اور دہشت گردی کے نتیجے میں وجود میں آئیں، ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اپنے ذاتی مفاد اور شخصی اغراض کی خاطر دوسروں کے مفاد اور مصالح کو پامال کر سکتے ہیں، اس روشنی میں اگر دہشت گردی کو دیکھیں تو درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱- دہشت گردی کا خمیر ظلم سے اٹھتا ہے اور تشدد (violence) کو اپنا ذریعہ بناتا ہے۔

۲- دہشت گردی میں انسان کے بنیادی حقوق پر دست درازی اور تمدن کی تخریب ہوتی ہے۔

۳- دہشت گردی کا نشانہ براہ راست عوام ہوتے ہیں۔

۴- دہشت گردی کے اغراض و مقاصد سیاسی، شخصی، قومی یا نفسی ہوتے ہیں۔

لہذا معلوم ہوا کہ موجودہ بامعنی المعروف دہشت گردی جس کا عربی ترجمہ "ارھاب" ہے اس کا تعلق تحقیقی طور سے قرآن کی تعبیر "ترھبون به عدو الله" سے دور دور تک نہیں ہے۔

اسلامی اعتبار سے ہر وہ عمل جو مبنی بر ظلم ہو، مجرمانہ نوعیت کا ہو، اس کے نتیجہ میں فساد و بدامنی پیدا ہوتی ہو، یہ دہشت گردی ہے، خواہ یہ انفرادی جانب سے ہو یا حکومت کی جانب سے ہو اور خواہ کسی طبقہ اور کسی مذہب کی جانب سے ہو، قرآن نے اسے فساد، فتنہ اور محاربہ اللہ جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے، چنانچہ مشرکین مکہ کی دہشت گردی کو قرآن نے "الفتنة اکبر من القتل" کہا ہے۔

دہشت گردی کے اسلامی تصور کو واضح کرنے کے لئے قرآن کی تعبیر فتنہ و فساد کی مختصر تشریح حسب ذیل ہے:

قرآن میں فتنہ کا مفہوم:

فتنہ کے اصل معنی آزمائش اور کھرے کھوٹے کی پہچان کرنے کے ہیں، اگر اس لفظ کا فاعل اللہ ہو اور اس کی نسبت خدا کی طرف سے ہو تو آزمائش کے معنی ہیں، اور اگر اس کی نسبت انسانوں کی طرف ہو تو قرآن نے درج ذیل معنی میں فتنہ کو استعمال کیا ہے:

i- کمزوروں پر ظلم، ان کے جائز حقوق سلب کرنا اور بے گھر کرنا، تکلیفیں پہنچانا، ارشاد ہے:

الف- "ثم ان ربک للذین ھاجروا من بعد ما فتنوا" (سورہ نحل: ۱۱۰)

ب-"وإخراج أهله منه أكبر عند الله والفتنة أكبر من القتل" (سورۃ بقرہ: ۲۱۷)۔

۲- جبر و استبداد کے ساتھ حق کو دبانا اور قبول حق سے لوگوں کو روکنا، مثلاً:

"فما آمن لموسى إلا ذرية من قومه على خوف من فرعون وملإيهم أن يفتنهم" (یونس: ۸۳)۔

۳- لوگوں کو گمراہ کرنا اور حق کے خلاف خدع و فریب و مکر کی کوششیں کرنا:

"وإن كادوا ليفتنونك عن الذي أوحينا إليك لتفتري علينا غيره" (سورۃ بنی اسرائیل: ۷۳)۔

۴- غیر حق کے لئے جنگ کرنا اور ناجائز اغراض کے لئے قتل و خونریزی کرنا:

"ولو دخلت عليهم من أقطارها ثم سئلوا الفتنة لآتوها وما تلبثوا بها إلا يسيرا" (سورۃ احزاب: ۱۴)۔

"كلما ردوا إلى الفتنة أركسوا فيها" (سورۃ نساء: ۹۱)۔

۵- پیروان حق پر باطل پرستوں کا غلبہ اور ظلم و زیادتی:

"إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد كبير" (سورۃ انفال: ۷۳)۔

فساد کا مفہوم:

ہر وہ فعل جو صلاح و صلاحیت کے خلاف ہو فساد ہے۔ قرآن میں عموماً اس کا اطلاق اجتماعی اخلاق اور نظام تمدن و سیاست کے بگاڑ پر کیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن فرعون، عاد و ثمود کو فساد کا مجرم قرار دیتا ہے:

"الذين طغوا في البلاد فأكثروا فيها الفساد" (سورۃ فجر: ۱۱-۱۲)۔

قرآن میں وہ جرائم جن کو وہ لوگ اختیار کئے ہوئے تھے اس تفصیل کے ساتھ بتائے گئے ہیں مثلاً فرعون کے جرائم یوں ہیں:

الف۔ تکبر و سرکشی، رعایا کے درمیان نسلی امتیاز برتنا، کمزوروں کو ناحق قتل کرنا اور ان پر ظلم کرنا:

"إن فرعون علا في الأرض وجعل أهلها شيعاً يستضعف طائفة منهم يذبح أبناءهم ويستحيي نساءهم إنه كان من المفسدين" (سورۃ القصص: ۴)۔

ب۔ قبول حق سے لوگوں کو باز رکھنا اور عبرتناک سزا کی دھمکی دینا:

"آمنتم له قبل أن آذن لكم إنه لكبيركم الذي علمكم السحر فلأقطعن أيديكم وأرجلكم من خلاف ولأصلبنكم في جذوع النخل ولتعلمن أينا أشد عذاباً وأبقى" (سورۃ طٰہٰ: ۷۱)۔

ج۔ کمزوروں کو اپنا غلام بنانا:

"وتلك نعمة تمنها علي أن عبدت بني إسرائيل" (سورۃ الشعراء: ۲۲)۔

د۔ طاقت کے بل پر خدائی کا دعویٰ، تکبر و غرور:

"وقال فرعون يا أيها الملأ ما علمت لكم من إله غيري" "واستكبر هو وجنوده في الأرض بغير الحق وظنوا أنهم إلينا لا يرجعون" (القصص: ۳۸، ۳۹)۔

ہ۔ رعایا کو اتنا ذلیل و پست بنانا کہ وہ غلامانہ اطاعت پر قناعت کر لیں:

"فاستخف قومه فأطاعوه" (سورۃ الزخرف: ۵۴)۔

و۔ ناجائز و غلط قانون کی بنیاد پر حکومت:

"فاتبعوا أمر فرعون وما أمر فرعون برشيد" (سورۃ ہود: ۹۷)۔

اسی طرح سے قرآن نے عاد و ثمود کے بھی تمدنی، دینی، اخلاقی، معاشرتی، مالی، معاشی جرائم کو بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو: قرآن کی آیات (الشعراء:۱۳۰، ہود:۵۹)۔ ثمود کے

مفسدانہ اعمال کے لئے ملاحظہ ہو: (الشعراء: ۱۵۱ تا ۱۵۲، النمل: ۴۸، ۴۹ وغیرہ)۔

اسی طرح بادشاہوں کی ملک گیری اور ظالمانہ اقتدار سے جو تباہی ہوتی ہے اس کو بھی قرآن فساد کہتا ہے:

"وإذا دخلوا قرية أفسدوها وجعلوا أعزة أهلها أذلة" (النمل: ۳۴)۔

وہ طرز حکومت جس میں حاکمانہ طاقت کو ظلم و ستم کے لئے استعمال کیا جائے وہ بھی فساد ہے:

"وإذا تولى سعى في الأرض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل" (البقرہ: ۲۰۵)۔

قرآن کی تعبیر فتنہ و فساد کی اس مختصر تشریح سے یہ بات مبرہن ہو جاتی ہے کہ ہر وہ عمل جو اخلاقی، سماجی، معاشی، سیاسی، ظلم و تعدی پر مبنی ہو، حقوق انسانی پر دست درازی اور پامالی کا ذریعہ ہو، جبر و تشدد اور خونریزی کا ذریعہ ہو، کمزوروں کو طاقتوروں کا غلام بنانے پر مبنی ہو، ناحق قتل و خونریزی کا باعث ہو، اس عمل کی نسبت خواہ افراد کی طرف سے ہو، جماعت کی طرف سے ہو یا حکومت کی طرف سے ہو، یہ سب فتنہ اور فساد ہے۔

مذکورہ بالا مفسدانہ اعمال سے تمدن انسانی میں بگاڑ، اور لوگوں میں خوف و ذلت پیدا ہوتی ہے، لہذا یہ مجرمانہ اعمال موجودہ تعبیر کے لحاظ سے دہشت گردی ہیں جن کی جامع ترین تعبیر فتنہ و فساد ہے۔

قرآن کی تعبیر "ترهبون به عدو الله" کا مطلب:

قرآن کریم کی سورۂ انفال کی آیت: "وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله" میں لفظ ارہاب کی تعبیر استعمال کی ہے، جو آج کل دہشت گردی کے معنی میں استعمال ہوتی ہے، لیکن دہشت گردی (بالمعنی المعروف) کا قرآن کی

اس تعبیر سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں، اس آیت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اپنی حفاظت اور شرپسند عناصر اعداء اللہ سے اپنی مدافعت اور دینی، ملی اور انسانی حقوق کی حفاظت کے واسطے اپنی پوزیشن کو اتنا مضبوط بناؤ کہ انسانیت کے دشمن اور اللہ کے دشمن کسی شرانگیزی کی جرأت نہ کر سکیں، بلکہ زیادہ سے زیادہ صحیح لفظوں میں یہ کہ "جنگی تیاری" یا "دفاعی پوزیشن" مضبوط رکھو، دہشت گردی (بالمعنی المعروف) کا اثبات یا تعلق اس تعبیر سے تو دور دور، ظلم، تعدی کے خلاف تو کوئی حدود میں جنگ کی تعیین بھی نہیں معلوم ہوتی، بلکہ اشارہ یہ ہے کہ اگر اللہ کے دشمنوں کے خلاف بغیر جنگ کے کام چل جائے تو بھی بہتر ہے، علامہ آلوسی نے خوب نکتہ پیدا کیا ہے: "وفي الآية إشارة إلى عدم تعيين القتال، لأنه قد يكون لضرب الجزية ونحوها" (روح المعانی ۱۰/۲۶)۔

اگر قرآن کا یہ حکم موجودہ دہشت گردی ہے تو پھر دنیا میں کسی ملک کے پاس فوج اور اسلحہ، جنگی قوت اور دفاعی پوزیشن بلکہ دنیا کے کسی بھی گھر ایک بندوق تک رکھنا زمانے کی منطق کے مطابق حرام ہونا چاہئے، اللہ نے تو پھول کو بھی کانٹوں سے گھیر دیا ہے، اپنی حفاظت تو انسان کیا جانوروں کی بھی فطرت ہے، اگر اسی فطری تیاری کا نام دہشت گردی ہے تو پھر دنیا میں ہر انسان دہشت گرد ہے۔

دہشت گردی اور اسلامی تعلیمات:

دہشت گردی کا مزاج اسلامی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے، اسلام امن وسلامتی اور سکون کا مذہب ہے، کوئی بھی ایسا عمل جو فتنہ وفساد یا قتل وخونریزی کا ذریعہ ہو قطعی حرام ہے، بلاوجہ کسی بھی انسان کی جان ومال یا آبرو پر حملہ انتہائی خطرناک ترین جرم ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

"من قتل نفساً بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً" (المائدہ: ۳۲)۔

(اگر کسی جان کو بغیر جان کے بدلے قتل کیا یا بغیر زمین میں فساد کی وجہ سے قتل کیا تو گویا کہ اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا)۔

علامہ ابن العربی "أو فساد في الأرض" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اختلف فيه، فقيل هو الكفر، وقيل هو إخافة السبيل (و بعض) يقول الفساد في الأرض هو الإذاية للغير" (احکام القرآن ابن العربی ۲/۹۴) یہاں اخافۃ السبیل کی تعبیر قابل غور ہے۔ اسی طرح زمین میں قتل و فساد برپا کرنے والوں سے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فساداً أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض" (المائدہ: ۳۳) یہ آیت صرف رہزنوں کے لئے ہی خاص نہیں ہے بلکہ محاربہ، قتل و فساد، ڈکیتی و لوٹ مار، اخافۃ السبیل، امن کو غارت کرنا سب اسی مفہوم میں شامل ہیں (حتی کہ ایک دوسرے مقام پر ایک بدترین معاشی جرم سود کو بھی قرآن نے محاربہ اللہ سے تعبیر کیا ہے اگرچہ مذکورہ آیت میں سزائیں سود سے متعلق نہیں ہیں)۔

خلاصہ یہ کہ دہشت گردی (بالمعنی المعروف) جس میں ظلم و تعدی، تشدد، بے گناہ انسانی حقوق پر دست درازی ہوتی ہے، وہ واضح طور پر جرم ہے جس کے مرتکبین دنیا و آخرت میں سزا کے مستوجب ہیں، اسلامی تعلیمات کے اندر جنگ ہو یا جہاد، شوقِ خونریزی کا تصور تک نہیں ہے۔

ظلم کے خلاف احتجاج اور آواز اٹھانا:

اسلام اپنے متبعین کو نہ ظلم کرنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی ظلم پر خاموش رہنے کی اجازت دیتا ہے، بلکہ اگر کسی پر ناحق ظلم کیا جائے تو قرآن میں یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اس پر آواز اٹھائے اور احتجاج کرے، اپنے جائز حقوق کا مطالبہ اور دفاع کرے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم" (النساء)، مفسرین نے اس آیت کے مختلف معنی بیان کئے ہیں مثلاً ظالم کے لئے بددعا کرنا، ظالم کو اس کے ظلم سے خبردار کرنا، ظلم کا انتقام لینا وغیرہ۔ علامہ ابوبکر جصاص رازی فرماتے ہیں: "لا یحب اللہ الجھر، قال ابن عباس وقتادۃ إلا أن یدعو علی ظالمہ، وعن مجاھد روایۃ إلا أن یخبر بظلم ظالمہ لہ وقال الحسن والسدی إلا أن ینتصر من ظالمہ" (احکام القرآن للجصاص ص ۲۹۱)۔

امام رازی اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

"المظلوم ماذا یفعل ؟ فیہ وجوہ، الأول : قال قتادۃ وابن عباس لا یحب اللہ رفع الصوت بما یسوء غیرہ إلا المظلوم فإن لہ أن یرفع صوتہ بالدعاء علی من ظلمہ. الثانی. قال مجاھد إلا أن یخبر بظلم ظالمہ لہ، الثالث لا یجوز اظھار الأحوال المستورۃ المکتومۃ . لکن من ظلم فیجوز إظھار ظلمہ بأن یذکر أنہ سرق أو غصب، وھذا قول الأصم، الرابع. قال الحسن إلا أن ینتصر من ظالمہ" (التفسیر الکبیر ۱۱/۱۰، قرطبی ۱۰۲)۔

ترجمہ: مظلوم شخص کیا کرے؟ اس کے بارے میں چند اقوال ہیں:

الف- حضرت قتادہ اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایسی بات کا برملا اظہار کرنا جس سے

دوسرے کو تکلیف ہو اللہ کو پسند نہیں ہے، ہاں مظلوم کے لئے اجازت ہے کہ وہ اپنے ظالم کے خلاف بددعا کرے۔

ب- علامہ مجاہد فرماتے ہیں کہ مظلوم کے لئے اجازت ہے کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو اس کے ظلم سے آگاہ کرے اور متنبہ کرے۔

ج- تیسرا قول یہ ہے کہ پوشیدہ امور کو ظاہر کرنا درست نہیں، ہاں مظلوم کے لئے اجازت ہے کہ وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا تذکرہ کرے، یوں کہ وہ لوگوں کو بتائے کہ فلاں نے میرا مال چوری کیا ہے یا غصب کیا ہے۔

د- چوتھا قول حضرت حسن بصری کا ہے کہ مظلوم کے لئے ظالم سے بدلہ لینے کی اجازت ہے۔

سید رشید رضا لکھتے ہیں:

"لا یحب الله الجهر بالسوء من القول الخ أي لكن من ظلمه ظالم فله الجهر بالشكوى من ظلمه شارحا ظلامته للحكام أو غير الحكام ممن ترجى نجدته ومساعدته على إزالة الظلم فلا حرج عليه في هذا الجهر" ([illegible])

(لیکن اگر ظالم شخص کسی پر ظلم کرے اور حکام کے سامنے یا ان لوگوں کے سامنے جن سے ظلم کے خلاف مدد و تعاون کی امید ہو، ظلم کی تفصیل بتاتے ہوئے ظالم کی شکایت زور آواز سے کرے تو مظلوم پر آواز بلند کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے)

مفسرین کی مذکورہ بالا آراء سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم کے خلاف چرچا کرنا، احتجاج کرنا، ظالم کے لئے بددعا کرنا اور اس کو ظلم سے متنبہ کرنا جائز ہے لیکن واضح رہے کہ ظلم کے خلاف آواز اٹھانے میں بھی اعتدال ملحوظ رہے، حد اعتدال سے بڑھنا جائز نہیں ہے (التفسیر [illegible])۔
اسی طرح سے احادیث میں بھی یہ اجازت دی گئی ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث اسی کا

چونکہ قلعوں پر زبردست اقتدار والوں کے مقام کے دشمن کا قبضہ ہے، اس حالت میں ذریعہ ایک شخص
دشمن کو نقصان پہنچانے کے لئے اپنی موت کو اس کا ذریعہ بناتا ہے، اس سے متعلق شرعی نقطۂ نظر کی
وضاحت کرنے سے پہلے چند امور کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔

الف: اسلام نے انسانی جان کو محترم بنایا ہے، بلا وجہ کسی کی جان لینا، کسی پر حملہ کرنا،
ہلاک کرنا اور قتل و خونریزی قطعی حرام ہے۔

ب: ہر شخص اپنی جان کا مالک نہیں ہے بلکہ اس کا امین ہے، کسی کے لئے یہ جائز نہیں
ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ خدا کی دی ہوئی امانت میں
خیانت کرتا ہے۔

ج: حدیث میں صراحت کے ساتھ خودکشی کی ممانعت ہے، جس کی وجہ سے فقہاء
بالاجماع خودکشی کو حرام کہتے ہیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد ہم فدائی حملوں سے متعلق شرعی حکم اور اس کے بارے میں اختلافی
آراء بیان کرتے ہیں:

اس مسئلہ کی دو نوعیتیں ہیں:

۱- کوئی شخص جنگ میں دشمنوں پر فدائی حملہ کرتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کی جان چلی
جائے۔

۲- کوئی شخص دشمنوں کے ہاتھ قید ہو گیا اور اب اس کو ان کے شدید ترین ظلم و عذاب
دینے کا اندیشہ ہے، اس سے بچنے کے لئے وہ خودکشی کرتا ہے۔

مسئلہ کی نوعیت اول سے متعلق چند نصوص موجود ہیں:

۱- سیرت نگار یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان کی

اپنی جان کو ہلاک کرتا ہے، نیز اگر یہ امید نہیں ہے کہ دشمن کو نقصان ہوگا تاہم اس کی موت کے ذریعہ مسلمانوں میں جرأت وہمت پیدا ہوجائے گی تب بھی اس میں ان شاء اللہ کوئی مضائقہ نہیں ہے، ملاحظہ ہو:

"ولو أن رجلاً حمل علی ألف رجل وحده فإن کان یطمع أن یظفر بھم أو ینکأ فیھم فلا بأس بذلک لأنه یقصد بفعله النیل من العدو"۔ نیز اس کے بعد فرماتے ہیں:"وقد فعل ذلک بین یدی رسول الله ﷺ غیر واحد من الأصحاب یوم أحد ولم ینکر ذلک علیھم رسول الله ﷺ، وبشر بعضھم بالشھادة حین استأذنه فی ذلک، وإن کان لم یطمع فی نکایة فإنه یکره له ھذا الصنیع، لأنه یتلف نفسه من غیر منفعة للمسلمین ولا نکایة فیه للمشرکین" نیز اس کے بعد آگے فرماتے ہیں:"وإن کان لا یطمع فی نکایة ولکنه یجری بذلک المسلمین علیھم حتی یظھر بفعله النکایة فی العدو فلا بأس بذلک إنشاء الله تعالی ، لأنه لو کان علی طمع من النکایة جاز له الإقدام فکذلک إذا کان یطمع فی النکایة فیھم بفعل غیره"(کتاب السیر الکبیر ۱/ ۱۹۲، رد المحتار ۴/ ۲۲۳)۔

مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں یہ مسئلہ بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ دشمن پر ایسا حملہ جس کے نتیجہ میں جان چلی جائے (فدائی حملہ) جائز ہے، لیکن مذکورہ بالا عبارت سے ہی اس کے جواز کے چند شرائط مستفاد ہوتے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

۱- حملہ کرنے والے کا مقصد خودکشی نہ ہو۔

۲- یہ گمان ہو کہ اپنے حملہ کے ذریعہ یا تو کامیاب ہوجائے گا یا کم از کم دشمن کا نقصان ہوگا یا مسلمانوں میں ہمت وجرأت پیدا ہوگی۔

اور اس تعذیب سے بچنے کے لئے خودکشی (اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے خودکشی یہ نہ ہو) مندرجہ ذیل شرطوں کے ساتھ جائز ہونی چاہئے:

الف- خودکشی کی نیت وقصد نہ ہو، اور نہ ہی تعذیب کے خوف سے ہو۔

ب- مصالح عامہ کو نقصان پہنچنے کا غالب گمان ہو۔

ج- اپنے اوپر یہ غالب گمان ہو کہ تعذیب کی تاب نہ لاکر ایسی معلومات فراہم کردے گا جو عام مسلمانوں کے لئے نقصان کا باعث ہوں گی (بشرطیکہ اس کے پاس ایسی معلومات ہوں)۔

د- حتی الامکان ایسی شکل اختیار کرے کہ اپنے فعل سے موت نہ ہو۔

دفاعی احکام شریعت کی روشنی میں:

اگر کوئی ظالم کسی کی جان، یا آبرو پر ناجائز حملہ کرتا ہے تو شریعت اس کو مدافعت کا حکم دیتی ہے، اگر اپنا دفاع کرنے میں یہ شخص مارا جائے تو شہید کہلاتا ہے۔ حدیث ہے:

"عن سعید بن زید رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من قتل دون مالہ فھو شھید، ومن قتل دون دینہ فھو شھید، ومن قتل دون دمہ فھو شھید، ومن دون قتل أھلہ فھو شھید۔ قال ھذا حدیث حسن صحیح" (ترمذی: کتاب الدیات، رقم الحدیث: ۱۴۲۱)۔

(حضرت سعید بن زیدؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنے دین کی مدافعت میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنی جان کے دفاع میں مارا

جائے وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنے اہل و عیال کے دفاع میں مارا جائے وہ شہید ہے)۔

جہاں تک دفاع کے فقہی احکام اور اس کے طریقہ کا تعلق ہے تو اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

دفاع کا حکم: دفاع کے حکم سے متعلق جب ہم کتب فقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم حسب ذیل تقسیم کر سکتے ہیں:

الف- دفاع عن النفس۔

ب- دفاع عن العرض۔

ج- دفاع عن المال۔

اسی طرح دفاع عن الغیر کی بھی یہی شکلیں ہوں گی ان کے احکام مختلف ہیں۔

دفاع عن النفس:

اپنی جان کا دفاع کرنے کے بارے میں جمہور فقہاء وجوب کے قائل ہیں، خواہ حملہ آور کافر ہو یا مسلمان ہو یا جانور ہو، امام شافعی وجوب دفاع کے لئے حملہ آور کے کافر یا جانور ہونے کی شرط لگاتے ہیں، البتہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک دفاع کرنا واجب نہیں ہے۔

"إذا هوجم الإنسان بقصد الاعتداء على نفسه أو عضو من أعضاء سواء أكان من إنسان آخر أم بهيمة فيجب على المعتدى عليه أن يدفع عن نفسه في رأي أبي حنيفة والمالكية والشافعية إلا أن الشافعية قيد وجوب دفع الصائل في هذه الحالة بما إذا كان الصائل كافراً أو بهيمة لأن الاستسلام للكافر ذل في الدين والبهيمة تذبح لاستبقاء الإنسان وأما إذا كان الصائل مسلماً فالأظهر عند الشافعية أنه يجوز الاستسلام له بل يسن لغير أبي داؤد.

كن خير ابن آدم   وقال الحنابلة: إن دفع الصائل على النفس جائز لا واجب الخ" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵؍۵۵۵)۔

(اگر کسی انسان کی جان یا کسی عضو پر ظلم کی نیت سے حملہ کیا جائے تو حملہ آور انسان ہو یا جانور بہر کیف مظلوم پر امام ابوحنیفہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اپنی جان کا دفاع واجب ہے، البتہ شافعیہ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ حملہ آور کافر یا جانور ہو کیونکہ کافر کے سامنے خود سپردگی ذلت ہے، ہاں اگر حملہ آور مسلمان ہے تو شافعیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس سے مقابلہ نہ کرے بلکہ خود سپردگی جائز ہے، بلکہ ابوداؤد کی روایت "كن خير ابن آدم" (آدم کے بہتر بیٹے کی طرح ہو جاؤ) کی وجہ سے مسنون ہے، حنابلہ کے نزدیک دفاع عن النفس جائز ہے واجب نہیں)۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: "ويجب دفع من شهر سيفاً على المسلمين ولو بقتله إن لم يمكن دفع ضرره إلا به" (رد المحتار علی الدر المختار ۵؍۳۵۱)۔

(جو شخص مسلمانوں پر تلوار اٹھائے اس سے دفاع واجب ہے اگرچہ اس کو قتل کرنا پڑے، اگر اس کے ضرر کو دور کرنے کا کوئی راستہ نہ ہو)۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنا دفاع ترک کردے تو گنہگار ہوگا۔

"قوله فقتله المشهور عليه أي أو غيره دفعاً عنه زيلعي وفي الكفاية: لو ترك المشهور عليه قتله يأثم" (رد المحتار ۵؍۳۵۱)۔

مولانا تھانویؒ کا فتویٰ:

"اگر حکام کی طرف سے کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے تو تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کردو، اگر پھر بھی حسب مرضی انتظام نہ ہو تو صبر کرو اور عمل سے یا زبان سے یا قلم سے

کرنا بھی جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص عورت کی عزت وناموس پر دست درازی دیکھتا ہے تو اس پر بھی اس عورت کی جانب سے دفاع کرنا واجب ہے خواہ ظالم کو قتل ہی کرنا پڑے بشرطیکہ ایسے شخص کے لئے دفاع کرنا ممکن ہو اور اسے اپنی جان کا اندیشہ نہ ہو)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی عزت وناموس کی حفاظت اور دفاع عورت پر واجب ہے، اگر وہ مجرم کو قتل کردے تو نہ صرف یہ کہ اس پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ اس کو اس کی اجازت ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ خود عورت ایسا کوئی اقدام کرتی ہے جس سے خود عورت کی موت واقع ہو جاتی ہے تو کیا اس کو خودکشی کہا جائے گا، یہ میرے خیال سے علماء کے لئے غور وفکر کا محتاج ہے، خاص طور سے موجودہ زمانہ میں جبکہ فسادات کے موقع پر ایک عورت سے نہایت وحشیانہ طریقہ پر دسیوں ظالم زنا بالجبر کرتے ہیں، حضرت تھانویؒ نے ایک ایسی عورت کے بارے میں جو اپنی عزت بچانے کے لئے ریل گاڑی سے کود کر خودکشی کرتی ہے درج ذیل فتوی ارشاد فرمایا تھا:

"عفیف عورتوں کو ایسے وقت میں حیا وعفت کا اکثر اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ وقوع ہلاکت کی طرف توجہ بھی نہیں ہوتی، اس لئے ایسی حرکت بطریق اضطرار کے ہوتی ہے، نیز ہلاکت یقینی بھی نہیں ہوتی ہے، بہت سے ایسے لوگ اس طرح کود کر بچ گئے ہیں، البتہ چوٹ ضرور لگی ہے، سو ایسے غلبہ کے وقت حق تعالی کی رحمت سے امید ہے کہ معذور ہوں گی، اس لئے اس کو خودکشی نہ کہا جائے گا۔ وقريباً من هذا أجاب أستاذي مولانا محمد يعقوب حين سئل عن النسوة اللاتي ألقين أنفسهم في البئر حين خفن على عفتهن في الزمان المعروف بالعذر" (غیر اسلامی حکومت کے شرعی احکام ص ۲۳۴ مرتب: مفتی محمد زید مظاہری)۔

لہذا موجودہ زمانہ کا خیال رکھتے ہوئے یہی زیادہ اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے عمل کو خودکشی نہ کہا جائے، حضرت تھانویؒ نے جو علت بیان کی ہے وہ نہایت اہم ہے اور اس زمانے میں غور وفکر کی محتاج ہے۔

تک کی اجازت ہے، لیکن شریعت نے یہ اجازت مطلقاً یونہی نہیں دی کہ جہاں ذرا خطرہ بھی محسوس ہو فوراً دفاعی پوزیشن اختیار کر کے قتل وقتال شروع کر دے، چنانچہ فقہاء اس ذیل میں چار شرطیں بیان کرتے ہیں:

۱- جس حملے سے دفاع کر رہا ہے وہ شرعاً ظلم وعدوان کی حد تک آتا ہو، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ ایسا مجرمانہ حملہ جس پر شریعت نے کوئی سزا مقرر کی ہو۔

۲- حملہ کا بالفعل وقوع ہو، ایسا نہ ہو کہ صرف وہم کی بنیاد پر ہی دفاعی طرز عمل اختیار کر کے قتل وقتال شروع کر دیا جائے۔

۳- حملہ کا دفاع کرتے ہوئے حتی الامکان اسہل فالاسہل طریقہ اختیار کیا جائے (تفصیل آگے آئے گی)، مثلاً اگر صرف شور مچانے سے ہی حملہ آور بھاگ جائے تو اس کو مارنا جائز نہیں۔

۴- دفاع کے علاوہ اور کوئی راہ ممکن ہی نہ ہو، یعنی دفاعی قتل وقتال وجنگ مجبوراً اختیار کی جا سکتی ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۷۵۳)۔

مدافعت کے شرعی اصول:

اگر کسی پر کوئی ظالم حملہ آور ہوتا ہے تو شریعت نے مدافعت کا طریقہ بتایا ہے، اس کا اصول اور طریقہ مندرجہ ذیل ہے:

الف- از خود قتل وقتال شروع نہ کرے، حدیث ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: فلا تعطه مالك. قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: قاتله. قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد.

قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: هو في النار" (مسلم، کتاب الایمان، رقم الحدیث: ۲۲۵)۔

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کوئی شخص آ کر میرا مال چھیننے کی کوشش کرے تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کو اپنا مال نہ دو۔ اس نے کہا: اگر وہ قتال کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھی قتال کرو۔ اس نے کہا: اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ آپ ﷺ نے کہا: تم شہید ہو گے۔ اس نے کہا: اگر میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جہنم میں جائے گا)۔

قاضی عیاضؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: "وأمره بقتاله دليل على جواز قتاله وإن طلب المال على وجوه بكل حال" (اکمال المعلم، ۱: ۴۴۴)۔ بعض روایات میں اس سے بھی زیادہ تفصیل ملتی ہے:

"عن أبي المخارق عن أبيه قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: الرجل يأتيني فيريد مالي؟ قال: ذكره بالله. قال: فإن لم يذكر؟ قال: فاستعن عليه بمن حولك من المسلمين. قال: فإن لم يكن حولي أحد من المسلمين؟ قال: فاستعن عليه بالسلطان. قال: فإن نأى السلطان عني؟ قال: قاتل دون مالك حتى تكون من شهداء الآخرة أو تمنع مالك" (نسائی: ۴۰۸۳)۔

(حضرت ابن مخارقؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک ظالم شخص آ کر میرا مال لیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اللہ کی یاد دلاؤ۔ اس نے عرض کیا: اگر وہ پھر بھی نہ مانے؟ آپ نے فرمایا: اپنے قریب کے مسلمانوں سے اس کے خلاف مدد طلب کرو۔ اس نے عرض کیا: اگر میرے قریب کوئی (مددگار) مسلمان نہ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سلطان وقت سے مدد طلب کرو۔ اس نے عرض کیا: اگر سلطان بھی مجھ سے دور ہو؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے مال کی مدافعت میں

جنگ کرو، یہاں تک کہ یا تو تم شہید ہو جاؤ یا اپنے مال کو بچا لو)۔

یہ احادیث اگرچہ مال کے بارے میں ہیں، لیکن فقہاء نے ان احادیث سے جو اصولی طریقہ مستنبط کیا ہے وہ یہ ہے:

"ويبتدئ المدافع بالأخف فالأخف إن أمكن، فإن أمكن دفع المعتدي بكلام واستغاثة بالناس حرم عليه الضرب، وإن أمكن الدفع بضرب اليد حرم استخدام السوط، وإن أمكن الدفع بالسوط حرم استعمال العصا، وإن أمكن الدفع بقطع عضو حرم القتل، وإن لم يمكن الدفع إلا بالقتل أبيح للمدافع القتل لأنه من ضرورات الدفع" (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۸/ ۱۰۶، نہایۃ المحتاج ۸/ ۲۳، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۷۵۱، شرح الزرکشی علی متن الخرقی ۳/ ۱۱۵، کذا فی البدائع وغیرہا)۔

(دفاع کرنے والا حتی الامکان آسان سے آسان تر طریقہ اختیار کرنے کی کوشش کرے، اگر صرف زبان سے یا استغاثہ کے ذریعہ دفاع ممکن ہو تو مارنا حرام ہے، اگر ہاتھ کے ذریعہ سے دفاع ممکن ہو تو کوڑا استعمال کرنا حرام ہے، اگر کوڑے سے دفاع ممکن ہو تو لاٹھی کا استعمال حرام ہے، اگر کسی عضو کو کاٹنے پر اکتفا کے ذریعہ دفاع ممکن ہو تو قتل ممنوع ہے، اور اگر مجبوراً قتل تک نوبت پہنچ جائے تو قتل بھی جائز ہے کیونکہ یہ ایک دفاعی ضرورت ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ حملہ آور ظالم کا دفاع کرنے میں اس ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے، اگر اس کا خیال نہیں رکھتا ہے مثلاً ظالم صرف شور مچانے پر بھاگ سکتا تھا اس نے قتل کر دیا تو ضامن ہوگا، لیکن فقہاء نے اس اصول سے مندرجہ ذیل شکلیں مستثنیٰ قرار دی ہیں:

۱- حملہ آور کو بھگانے کے لئے دفاع کرنے والے کے پاس صرف تلوار کے علاوہ اور کچھ نہیں اس نے مجبوراً اس سے دفاع کیا جس سے ظالم قتل ہو گیا۔

۲- دونوں میں باہم لڑائی شروع ہو جائے اور معاملہ سخت ہو جائے، کنٹرول سے باہر

ہو تو ترتیب کی رعایت وخیال رکھنا ضروری نہیں ہے۔

۳-دفاع کرنے والے کو اندازہ ہو کہ حملہ آور بغیر قتل کئے نہیں بھاگ سکتا ہے یا یہ اندیشہ ہو کہ ظالم درپے قتل ہے تو بغیر رعایت ترتیب قتال جائز ہے۔

۴-حملہ آور ایسا ہو کہ شرعاً اس کا خون ہدر ہو جیسے کہ مرتد، حربی، یا زانی محصن وغیرہ تو بھی ترتیب ضروری نہیں ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۸/۱۰۶)۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ اسلام نے دفاع کو کیا حیثیت دی ہے اور اس کے حدود کیا ہیں، ظاہر ہے کہ دفاع کرنے والے کے اندر دفاع کرنے کی صلاحیت واستطاعت کا ہونا بھی ضروری ہے، آج کل حکومتوں کے ظلم کے خلاف آواز اٹھانے اور دفاع کرنے میں یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ کہیں اس سے زیادہ بڑے شر میں مبتلا نہ ہو جائے۔

حضرت تھانویؒ کا فتویٰ:

اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے حضرت تھانویؒ کا ایک فتویٰ ملاحظہ ہو: ''استطاعت (قدرت) سے مراد یہ ہے کہ اس فعل پر قدرت ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں ایسا خطرہ بھی نہ ہو جس کی مدافعت (دفع کرنا) بظن غالب عادۃً ناممکن ہو، ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس سے زیادہ شر میں مبتلا نہ ہو جائیں، مدافعت کی استطاعت کے لئے محض استطاعت واستطاعت لغویہ (محض کسی کام پر قدرت ہونا) کافی نہیں بلکہ استطاعت شرعیہ (جس کی تفصیل حضرتؒ نے اوپر بیان کی ہے) شرط ہے۔ اگر کامیابی کی توقع غالب نہ ہو تو ایسے افعال (مقابلہ کرنا) جائز نہیں اور نہ ان میں اجر ہے'' (مذہب وسیاست ص ۱۱۵)۔

عالمی امن وسلامتی - اسلامی نقطۂ نظر سے

مولانا [illegible]

پھلواری شریف، پٹنہ

اسلام رحمت و رأفت اور امن وسلامتی کا دین ہے۔ یہ ایسا مذہب ہے جس نے انسانیت کو سکون واطمینان کی دولت بخشی ہے اور جنگ وجدال سے اس کو نجات دلایا ہے۔ اس نے ایک بے قصور انسان کے قتل کو پوری انسانیت کی جان اور اس کے قتل کے برابر بتایا ہے بلکہ بلاضرورت کسی جاندار چیز کو ہلاک کرنے سے بھی منع کیا ہے۔ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ مسلم اور غیر مسلم سبھی پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے سماجی اور معاشرتی معاملات میں ہمدردی اور خیر خواہی کی تاکید کی ہے۔ ظلم وستم کو ہر طرح سے حرام قرار دیا ہے۔ ظلم کے خاتمہ کے لئے بدلہ لینے کی اجازت تو دی ہے لیکن اسی کے بقدر۔ اس سے تجاوز کرنے کی شدید ممانعت کر دی ہے۔ غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ ودعوت کا حکم دیا ہے لیکن کسی پر جبر وزبردستی کرنے پر روک لگا دی ہے۔ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے سامنے اسلام کی ایک روشن، پاکیزہ اور تابناک تعلیمات آتی ہیں جن کا اعتراف غیر مسلم بھی کرتے ہیں۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ابتداء سے ہی دشمنان اسلام کا ایک گروہ برابر اسلام مخالف سرگرمیوں میں ملوث رہا ہے اور اسلام کے روشن اور تابناک چہرے کو داغدار اور بھیانک صورت میں پیش کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی پاکیزہ اور عدل ومساوات پر مبنی تعلیمات اس گروہ کے ذاتی مفادات سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ اور ان تعلیمات کی کشش سے

"الرهبة والرهب - مخافة مع تحرز واضطراب" رہبہ اور رہب کے معنی ایسے خوف کے ہیں جس میں احتیاط اور اضطراب شامل ہو (المفردات ص ۲۰۵)۔

جدید عربی لغت المرائد (۱/ ۸۸) میں ہے:

"الإرهاب: رعب تحدثه أعمال عنف كالقتل وإلقاء المتفجرات أو التخريب"۔

"الإرهابي: من يلجأ إلى الإرهاب بالقتل أو إلقاء المتفجرات أو التخريب لإقامة سلطة أو تقويض أخرى"۔

دہشت گردی: تشدد کے اعمال جیسے تخریب کاری، بم اندازی اور قتل سے پیدا ہونے والا خوف ہے۔

دہشت گرد: کسی حکومت کے قیام یا کسی حکومت کے خاتمے کے مقصد سے تخریب کاری، بم اندازی یا قتل کے ذریعہ دہشت پھیلانے میں مصروف شخص ہے۔

انسائکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں دہشت گردی کی یہ تعریف کی گئی ہے:

A Systemetic use of terror or unpredictable violence against governments, publics or individuals to attain a political objective.

"کسی سیاسی مقصد کے حصول کے لئے حکومتوں، عوام یا افراد کے خلاف دہشت یا غیر متوقع تشدد کا منظم استعمال کرنا ہے۔"

عربی لغت "المرائد" میں إرهاب اور إرهابيون کا جو مفہوم بیان کیا گیا ہے اور انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں دہشت گردی کی جو تعریف کی گئی ہے وہ اس زمانہ میں رائج دہشت گردی کے حقیقی مفہوم کی ادائیگی سے قاصر ہے، کیونکہ اس میں اس سلسلے کی بعض اہم چیزیں ذکر نہیں کی گئی ہیں۔

دہشت گردی کا حقیقی مفہوم کسی خاص سیاسی مقصد کے پیش نظر قتل و غارت گری کرنا اور فتنہ و فساد پیدا کرنا ہے جس سے کسی خاص شخص یا کسی خاص جماعت یا کسی خاص طبقہ کو شدید خوف و ہراس میں مبتلا کیا جائے۔ یہ خوف و خطرہ عقیدہ و دین کے تعلق سے بھی ہو سکتا ہے، جان و مال کے تعلق سے بھی اور عزت و آبرو یا ملک و وطن کے تعلق سے بھی۔ خواہ یہ عمل انفرادی طور سے انجام دیا جائے یا اجتماعی طور سے۔ یعنی اس کے انجام دینے والے کچھ افراد ہوں یا پوری حکومت اس میں ملوث ہو۔ یہ سب دہشت گردی ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے دہشت گردی کی جو تعریف کی گئی ہے اور بہت حد تک صحیح معلوم ہوتی ہے، وہ درج ذیل ہے:

"الإرهاب: هو العدوان الذي يمارسه أفراد أو جماعات أو دول بغيا على الإنسان دينه ودمه وعقله وماله وعرضه، ويشمل صنوف التخويف والأذى والتهديد والقتل بغير حق وما يتصل بصور الحرابة وإخافة السبيل وقطع الطريق وكل فعل من أفعال العنف أو التهديد يقع تنفيذا لمشروع إجرامي فردي أو جماعي ويهدف إلى إلقاء الرعب بين الناس أو ترويعهم بإيذائهم أو تعريض حياتهم أو حريتهم أو أمنهم أو أحوالهم للخطر، ومن صنوفه إلحاق الضرر بالبيئة أو بأحد المرافق والأملاك العامة أو الخاصة أو تعريض أحد الموارد الوطنية أو الطبيعية للخطر فكل هذا من صور الفساد في الأرض التي نهى الله سبحانه وتعالى المسلمين عنها" (اسلام اور عالمی شدہ: ۱۲۷۱)۔

(دہشت گردی ظلم و ستم کی ایسی کارروائی ہے جس کو کسی انسان کے دین، جان، عقل، مال اور عزت و آبرو پر حملہ کرنے کے لئے افراد، جماعتیں یا حکومتیں انجام دیتی ہیں۔ یہ کارروائی خوف زدہ کرنے، تکلیف پہنچانے، دھمکی، ناحق قتل، خونریزی، راہ کو پر خطر بنانے اور رہزنی جیسی

صورتوں کو شامل ہے۔ اس میں تشدد اور دھمکی کے وہ تمام اسلوب داخل ہیں جو کسی فرد یا جماعت
کے مجرمانہ منصوبہ کو پورا کرنے کے لئے انجام دیئے جاتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں
کے درمیان خوفناک ماحول پیدا کر دیا جائے، یا درندگی کے ذریعہ ان کو خوف و دہشت میں مبتلا
کر دیا جائے یا ان کی زندگی، آزادی، حقوق اور ان کے جانوں کو خطرے سے دوچار
کر دیا جائے۔ دہشت گردی کی مختلف قسموں میں سے یہ بھی ہے کہ فضا کو خراب کر دیا جائے،
پبلک یا پرائیویٹ منفعت کی چیزوں یا املاک میں سے کسی کو تباہ کر دیا جائے یا ملکی اور قدرتی
وسائل کو خطرے سے دوچار کر دیا جائے۔ یہ تمام اسباب زمین میں فساد پیدا کرنے کی مختلف
صورتیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع فرمایا ہے۔

اس سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ دہشت گردی فساد فی الارض ہی کی
ایک بدترین صورت ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں فساد پھیلانے سے سختی سے منع فرمایا
ہے اور اس پر سخت سزا متعین فرمائی ہے اس لئے دہشت گردی جو حقیقت میں فساد فی الارض ہی
ہے قطعاً غیر اسلامی فعل ہے۔ یہ اسلامی قانون کے اعتبار سے حرام اور سخت ترین سزا کی مستوجب
ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات سے اس کی حرمت اور اس پر سخت ترین سزا کا ثبوت ملتا ہے۔
چند آیات پیش ہیں:

۱- "إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فسادا
أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض
ذلك لهم خزي في الدنيا ولهم في الآخرة عذاب عظيم" (المائدہ: ۳۳)

(یہی سزا ہے ان لوگوں کی جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد
برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کو قتل کر دیا جائے یا ان کو سولی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ
پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو ملک سے دور کر دیا جائے۔ یہ ان کے لئے دنیا

میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔

اس آیت کریمہ میں محاربہ اور فساد فی الارض کی سزا متعین کی گئی ہے۔ محاربہ حرب (جنگ) سے مشتق ہے اور سلم (امن وسلامتی) کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے۔ اس سے محاربہ کے معنی ہوئے بدامنی پھیلانا اور سلامتی کو ختم کرنا۔ یہ سزا ان لوگوں کے لئے مقرر کی گئی ہے جو اپنی پوری طاقت وقوت سے مسلح ہوکر امن عامہ کو برباد کریں، حکومت کے قوانین کی علانیہ خلاف ورزی کریں اور عوام کے جان ومال اور عزت وآبرو پر دست درازی کریں۔ ان کی دو سزا متعین کی گئی ہے: ایک اخروی اور دوسری دنیوی۔ اخروی سزا کو عذاب عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے اور دنیاوی سزا کے چار طریقے بتائے گئے ہیں:

۱- قتل: یعنی ان فسادیوں کو قتل کردیا جائے، ۲- سولی: ان کو سولی پر چڑھا دیا جائے۔ ۳- ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں۔ ۴- ان کو قید کردیا جائے۔ ان چاروں طریقوں میں سے کسی ایک پر عمل کرنے کا حکومت کو اختیار ہے۔ غرض شریعت اسلامی میں فساد فی الارض کی اتنی سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ اور چونکہ دہشت گردی اسی فساد فی الارض کی ایک قسم ہے اس لئے اس کی بھی یہی سزا ہوگی۔

۲- "ولا تبغ الفساد فی الأرض إن الله لا یحب المفسدین" (سورۂ قصص: ۷۷)۔

(اور زمین میں فساد برپا نہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں فرماتا ہے)۔

۳- "ولا تفسدوا فی الأرض بعد إصلاحها" (سورۂ اعراف: ۵۶)۔

(زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کی اصلاح کے بعد)۔

۴- "إنما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الأرض بغیر

الحق اولئک لہم عذاب الیم" (سورۃ شوریٰ: ۴۲)۔

(ملامت ان ہی پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فساد برپا کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے)۔

۵-"واذا تولیٰ سعیٰ فی الارض لیفسد فیہا ویہلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد" (سورۃ بقرہ: ۲۰۵)۔

(اور جب وہ پیچھے جاتا ہے تو پوری کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد برپا کردے اور کھیتوں اور نسلوں کو تباہ کردے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا)۔

درج بالا چاروں آیات میں تمام قسم کی فساد انگیزی سے روکا جا رہا ہے۔ جس میں قتل و غارت گری، اموال کا لوٹ کھسوٹ، عزت و آبرو کی پامالی، مکانات و دکانوں کو آگ لگا دینا، باغوں کو اکھاڑ دینا، کھیتی کو تباہ کر دینا، کارخانوں کو برباد کر دینا اور ہر قسم کی تخریبی کارروائی شامل ہے جس سے ملک کی معاشی و اقتصادی خوشحالی متاثر ہو۔ دہشت گردی میں یہی سب چیزیں شامل ہوتی ہیں اور ان سب چیزوں کا نقصان ہوتا ہے۔

ان سب آیات سے دہشت گردی کے حرام ہونے اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہونے کا مکمل ثبوت مل جاتا ہے۔ اس لئے کسی فرد یا جماعت یا حکومت کے لئے یہ قطعی جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کے حصول کے لئے دہشت گردی کو اپنا طریقہ کار بنائے، اس کے ذریعہ کسی بے گناہ طبقہ یا عوام اور رعایا کو شدید جانی و مالی تکلیف و اذیت میں مبتلا کرے، اس کی عزت و آبرو کو پامال کرے اور دین، عقیدہ اور وطن کے بارے میں اس کے دل میں خوف و خدشہ پیدا کرے۔

۶- کسی حکومت کا اپنی رعایا میں سے کسی خاص طبقہ کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھنا۔

اس کی جان و مال کی حفاظت نہ کرے، بلکہ جان و مال کی تباہی کی کوشش کرتا، ایسے حالات پیدا کر دینا جس سے اس طبقہ کی نسل کشی ہوتی رہے۔ معاشی، نسلی، دینی ہر اعتبار سے اس کا استحصال کرنا یہ بھی دہشت گردی ہے اور یہ ریاستی دہشت گردی ہے۔ یہ انفرادی دہشت گردی سے زیادہ سنگین اور زیادہ خراب نتائج کی حامل ہوتی ہے۔ اسی ظلم وستم اور ناانصافی کے نتیجہ میں انفرادی دہشت گردی جنم لیتی ہے۔ اور پھر وہ سلسلہ چل پڑتا ہے جو پورے ملک اور اس کے نظام کے لئے تباہی و بربادی کا سبب بن جاتا ہے۔

یہ فطری بات ہے کہ جب ملک کے تمام طبقوں کے ساتھ انصاف و مساوات کا سلوک کیا جائے اور ان کو ان کے حقوق دے دیئے جائیں لیکن کسی ایک طبقہ کے ساتھ شدید ظلم وستم کا سلوک روا رکھا جائے اور ان کے حقوق غصب کر لئے جائیں تو وہ طبقہ یقیناً کچھ عرصہ کے بعد اپنے حق کے لئے اٹھ کھڑا ہوگا اور پہلے تو مناسب انداز میں اپنے حقوق کا مطالبہ کرے گا لیکن جب اس کو اس میں ناکامی ہوگی تو وہ مایوس ہو کر دہشت گردی کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔

اس وقت دنیا میں جہاں جہاں دہشت گردی کی تباہی نظر آتی ہے ان میں سے اکثر جگہوں میں اس کی اصل وجہ یہی سرکاری دہشت گردی ہے۔ اس کی وجہ سے سماجی و معاشی ناانصافی اور ظلم وستم سے عاجز آ کر کوئی ایک طبقہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے اپنے اور دوسروں کے جان و مال کو بے دریغ ضائع و برباد کر رہا ہے۔ اور یہ کوئی آج کی نئی بات نہیں ہے بلکہ قبل سے ایسا ہوتا آ رہا ہے اس کی مثالیں بے شمار ہیں۔ اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

۱- سوویت یونین کے قیام کے بعد وہاں کی جابر حکومتوں نے اپنے عوام خصوصاً مسلم عوام کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا اور ملکی حصار میں قید کر کے دنیا سے ان کا تعلق ختم کر دیا جس کے نتیجہ میں لاکھوں افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آخر سوویت یونین کے زوال کے بعد اس حصار سے عوام کو نجات ملی۔ متعدد ممالک آزاد ہوئے اور دنیا سے ان کا تعلق قائم ہوا۔ یہ اسی

ریاستی دہشت گردی کا ایک مکمل نمونہ ہے۔

۲- چیچنیا میں روسی حکومت نے جس طرح چیچنیائی مسلمانوں کے ساتھ ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ ان کی حقوق تلفی ہو رہی ہے۔ منظم طور سے ان کی نسل کشی کی جا رہی ہے۔ ان کو مکمل طور سے مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے۔ یہ بھی سرکاری دہشت گردی کی نمایاں مثال ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہاں کی عوام نے علم بغاوت بلند کر رکھا ہے۔ حکومت اور عوام میں شدید مزاحمت جاری ہے۔

۳- مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی مقدس سرزمین فلسطین میں جس طرح امریکہ اور برطانیہ کے اشارے اور ان کی خفیہ کوششوں سے مسلمانوں کی حکومت کو ختم کر کے ایک سخت متعصب یہودی وصیہونی حکومت قائم کر دی گئی اور وہاں کے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا ہے۔ روزانہ مسلمانوں کا قتل ہو رہا ہے۔ یہ بھی سرکاری دہشت گردی کی ایک کھلی مثال ہے۔ اس کے رد عمل میں وہاں کے رہنے والے اصل باشندوں نے سرکاری دہشت گردی کا جواب جماعتی دہشت گردی سے دینا شروع کر دیا ہے۔

۳- کسی طبقہ کے ساتھ ہونے والی ناانصافی اور ظلم و ستم کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں جن کی وجہ سے ان کے رد عمل اور احتجاج کے حکم میں بھی فرق ہوگا۔ اس کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

۱- اگر ناانصافی اور حق تلفی اس طرح ہو رہی ہے کہ زندگی کی بعض ایسی سہولیات سے ان کو محروم کیا جا رہا ہے جس سے معاشرہ کے دوسرے افراد فیضیاب ہو رہے ہیں۔ مثلاً ملازمت میں تعصب برتنا، معاشی استحصال کرنا، زیادہ ٹیکس لگا دینا، بجلی پانی سے محروم کر دینا وغیرہ تو ایسی صورت میں قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے احتجاج کرنا جائز ہے۔

فقہ کا مشہور قاعدہ ہے۔ "الضرر یزال" یعنی لاحق ہونے والے ضرر اور تکلیف

دہشت کو دور کیا جائے گا۔

۲- اگر ناانصافی و حقوق تلفی کا تعلق جان و مال اور عزت و آبرو سے ہے تو ایسی صورت میں احتجاج کرنا اور اپنے حقوق کے لئے لڑنا واجب ہے۔ کیونکہ انسان پر اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرنا واجب ہے۔ اور ان کی حفاظت میں جو جان دے دے اس کو شریعت نے شہید کا درجہ دیا ہے۔

"فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم" (البقرۃ: ۱۹۴)۔

(جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرو اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہے)۔

"عن سعید بن زید قال قال رسول الله ﷺ: من قتل دون ماله فهو شهید، ومن قتل دون أهله فهو شهید، ومن قتل دون دینه فهو شهید، ومن قتل دون دمه فهو شهید" (سنن نسائی کتاب [illegible])۔

(حضرت سعید بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔ جو اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہوئے ہلاک ہو جائے وہ شہید ہے۔ جو اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے ختم ہو جائے وہ شہید ہے۔ جو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے)۔

۳- اگر ناانصافی اور ظلم و ستم کا تعلق دین اور مذہب سے ہے کہ اسلامی احکام کی ادائیگی میں رکاوٹ ڈالی جا رہی ہے، دین و شریعت پر حملہ کیا جا رہا ہے، مساجد و عبادت گاہیں توڑی جا رہی ہیں، اسلامی تعلیمات پر عمل دشوار بنایا جا رہا ہے تو اس کے خلاف احتجاج کرنا اور اس کے مقابلہ میں اٹھ کھڑا ہونا شریعت میں فرض کا درجہ رکھتا ہے۔ خواہ اس کے لئے حکومت وقت سے نبرد آزمائی کیوں نہ کرنی پڑے۔

"أذن للذین یقاتلون بأنهم ظلموا وإن الله علی نصرهم لقدیر۔ الذین

اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم بعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز" (سورۃ حج:۳۹،۴۰)۔

(جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے ان کو (جہاد کی) اجازت دے دی گئی اس بنا پر کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، اور اگر اللہ بچاؤ نہ کرتا لوگوں کا ایک دوسرے سے ٹکرا کر تو منہدم کر دی جاتیں خانقاہیں، گرجے، عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ قوت والا زور آور ہے)۔

"ومالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا" (سورۃ نساء:۷۵)۔

(تم کو کیا ہوا کہ نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں اور ان کے واسطے جو مغلوب ہیں مرد، عورتیں اور بچے، جو کہتے ہیں اے ہمارے رب نکال ہمیں اس بستی سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں)۔

ان آیتوں میں جہاد کی فرضیت کا تذکرہ ہے۔ جہاد کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی کہ ان لوگوں پر ظلم کیا گیا ہے اس لئے یہ لوگ جہاد کرنے پر مجبور ہیں گے۔ اور دوسری بات یہ بتائی گئی کہ قتال و جہاد کا حکم کوئی نیا نہیں ہے۔ انبیاء و صالحین کے زمانے سے چلا رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اہل حق کے ہاتھوں اہل باطل کو کمزور نہ کرتا تو یہ سب دینی عبادت گاہیں جو مختلف مذاہب کی ہیں باقی نہ رہتیں بلکہ اہل باطل کے ہاتھوں تباہ ہو جاتیں۔ جہاد کے ذریعہ ہی اہل حق نے باطل پرستوں کے حملوں کا دفاع کیا اور دین اور اس کے شعائر باقی رہے۔ اس لئے جب دین و شریعت

پر حملہ ہو تو اس کا دفاع فرض ہو جاتا ہے۔

ایسا مظلوم طبقہ جو ظلم و ستم کا نشانہ بنا ہوا ہے اور سیاسی معاشی، تہذیبی اور دینی ہر اعتبار سے اس کا نقصان کیا جا رہا ہے۔ اگر اپنے اوپر کئے جانے والے مظالم کے خلاف یہ مظلوم طبقہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور احتجاج پر آمادہ ہو جاتا ہے تو یہ اس کا فطری حق ہے۔ اس کو دہشت گردی سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ درج ذیل آیت کریمہ سے اس کی اجازت ملتی ہے:

"والذين إذا أصابهم البغي هم ينتصرون وجزاء سيئة سيئة مثلها" (سورۂ شوریٰ: ۴۰)۔

(اور وہ لوگ کہ جب ان پر زیادتی ہوتی ہے تو وہ بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے)۔

"وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصابرين" (سورۂ نحل: ۱۲۶)۔

(اور اگر بدلہ لو تو اسی قدر بدلہ لو جس قدر تم کو تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے)۔

ان دونوں آیات سے اپنے اوپر کئے گئے ظلم و ستم کا بدلہ لینے اور اپنے حقوق کے مطالبہ کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کی پوری اجازت ملتی ہے۔ اگر اس طرح کی زیادتیوں پر احتجاج نہ کیا جائے اور ظالم حکومت کے خلاف تحریک نہ چلائی جائے تو مظلوم طبقہ ظالم حکومت کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو کر صفحۂ ہستی سے ختم ہو جائے گا۔ اس لئے اپنے انسانی حقوق کے حصول کے لئے پوری طاقت و قوت سے جد و جہد کرنا دہشت گردی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں حکومت وقت کے خلاف اس سے کچھ زیادتی ہو جاتی ہے تو یہ بھی غلط نہیں ہے۔ کیونکہ فقہاء کرام نے قاعدہ "الضرورات تبيح المحظورات" کے تحت یہ ذکر کیا ہے کہ اگر کسی شخص پر کوئی حملہ آور ہو اور

وہ مظلوم شخص اپنے دفاع میں اس سے مقابلہ کرے۔ اور اس مقابلہ میں حملہ آور کی موت ہو جاتی ہے تو اس پر کوئی الزام نہیں ہے، کیونکہ اس نے اپنی جان کی حفاظت کے لئے دفاع کیا ہے۔

"ودفع الصائل ولو أدى إلى قتله" (الاشباہ والنظائر)۔

(حملہ آور کو روکنے کی اجازت ہے اگرچہ نتیجتاً اس کے قتل تک پہنچ جائے)۔

۲۔ مظلوم طبقہ کو ظالم گروہ یا ظالم حکومت سے بدلہ یا انتقام لیتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ حقوق سلبی اور ظلم و تعدی کے ردعمل میں معصوم اور بے گناہ لوگوں کی جانوں اور ان کے اموال کو تباہ و برباد نہ کیا جائے اور نہ ان کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جائے کیونکہ اپنے سلب شدہ حقوق کی بازیافت اور اپنے اوپر ڈھائے جانے والے مظالم کی مدافعت کی شریعت نے اجازت دی ہے بلکہ یہ شریعت میں مطلوب بھی ہے لیکن بے گناہ لوگوں پر ظلم و تعدی کرنے سے سختی سے منع بھی کیا ہے۔ یہاں تک کہ جنگ میں عورتوں، بچوں اور ضعیف بوڑھوں کو قتل کرنے پر پابندی لگا دی ہے۔

"عن ابن عمرؓ قال: وجدت امرأة مقتولة في بعض مغازي رسول الله ﷺ فنهى رسول الله ﷺ عن قتل النساء والصبيان" (بخاری: کتاب الجہاد، ۴۲۳)۔

(حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی غزوہ میں ایک مقتول عورت پائی گئی تو آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرما دیا)۔

اسلامی فوج روانہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے جو نصیحت فرمائی اس میں یہ بھی فرمایا:

"لا تقتلوا شيخاً فانياً ولا طفلاً ولا صغيراً ولا امرأة" (ابوداؤد: کتاب الجہاد، باب دعاء المشرکین ۱۵۹۳)۔

(بے حد بوڑھے شخص کو قتل نہ کرو، نہ کسی چھوٹے کسی بچے کو اور نہ کسی عورت کو)۔

"عن رباح بن ربیع قال: کنا مع رسول اللہ ﷺ فی غزوۃ فرای الناس مجتمعین علی شیء فبعث رجلاً فقال: انظر علی ما اجتمع ھؤلاء، فجاء فقال: علی امراۃ قتیل۔ فقال: ما کانت ھذہ لتقاتل۔ قال: وعلی المقدمۃ خالد بن الولید رضی اللہ عنہ فبعث رجلاً فقال: قل لخالد لا تقتلن امراۃ ولا عسیفا"

(ابوداؤد: کتاب الجہاد، باب فی قتل النساء، ۲/۳۶)۔

(حضرت رباح بن ربیعؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو کسی چیز پر جمع دیکھا تو ایک شخص کو بھیجا کہ دیکھو یہ لوگ کس چیز پر بھیڑ لگائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے آکر بتلایا کہ ایک مقتول عورت پر بھیڑ لگی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ قتال میں شریک تو نہیں تھی۔ مقدمۃ الجیش پر حضرت خالد بن الولیدؓ تھے، آپ ﷺ نے پیغام دے کر بھیجا کہ ان کو کہا جائے کہ کسی عورت اور مزدور کو قتل نہ کرو)۔

امام محمد بن حسن شیبانی فرماتے ہیں:

"ولا ینبغی أن یقتل النساء من اھل الحرب ولا الصبیان ولا المجانین ولا الشیخ الفانی لقولہ تعالی: وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم (سورہ بقرہ: ۱۹۰) وھؤلاء لا یقاتلون وحین استعظم رسول اللہ ﷺ قتل النساء أشار إلی ھذا بقولہ: ھاہ، ما کانت ھذہ تقاتل، أدرک خالدا وقل لہ: لا تقتلن ذریۃ ولا عسیفا" (شرح السیر الکبیر ۴/۱۴۱۵)۔

(اہل حرب کی عورتوں، بچوں، مجنون اور بے حد بوڑھے کو قتل کرنا مناسب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کر رہے ہیں۔ اور یہ لوگ جنگ نہیں کر رہے ہیں اور جس وقت حضور ﷺ نے عورتوں کے قتل کو

بڑی غلطی قرار دی اسی کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا: "یہ تو جنگ نہیں کر رہی تھی۔ خالد سے جا کر کہو کہ بچوں کو اور مزدوروں کو قتل نہ کریں"۔

۵- فقہ اسلامی کا مشہور مسئلہ ہے کہ جنگ میں کسی عورت کو، کسی بچے کو، کسی ازکار رفتہ بوڑھے کو، کسی اپاہج کو اور کسی نابینا کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ قتل کی اباحت لڑائی سے ہوتی ہے اور لڑائی ان لوگوں سے نہیں ہو سکتی۔ ہدایہ میں ہے:

"ولا یقتلوا امرأۃ ولا صبیاً ولا شیخاً فانیاً ولا مقعداً ولا أعمی لأن المبیح للقتل ھو الحراب ولا یتحقق منھم" (ہدایہ کتاب السیر ۲/۵۶۲)۔

دہشت گردی کی حقیقت

اور اسلام میں اس کا حل

محمد علی تسخیری، ایران

ترجمہ: حبیب الرحمن ندوی

اسلامی اور انسانی نقطۂ نظر سے دہشت گردی کی تعریف پر ایک نظر:

پچھلے بیس سالوں میں دہشت گردی کے تعلق سے بہت سی تحقیقات منظر عام پر آئیں، بعض نے ان کی تعداد نو سو تک قرار دیا ہے، خصوصی میگزین و ماہنامے شائع ہوئے، بلکہ علمی مراکز و معاہد تحقیق کا قیام وجود میں آیا، دہشت گردی سے لڑنے کے لئے طرح طرح کی اسٹریٹجی اور طریقہ کار پیش کئے گئے، دہشت گردی سے لڑنے کے لئے اتنی فوجوں کو تربیت دی گئی جن کی تعداد خود دہشت گردوں سے متجاوز ہے، بلکہ شاید دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر خود دہشت گردی کا ارتکاب کیا گیا، اس کینسر کے علاج کے لئے بے شمار سیمینار اور کانفرنسیں منعقد کی گئیں (۱۲، باب الدین ۲۰۰۲، المعجم الموضوعی ص ۱۱)، لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان سب کے باوجود دہشت گردی کا مفہوم مبہم کا مبہم رہا، اس کے متعلق اٹھنے والے سوالات بلا جواب رہ گئے، گویا وہ خود امر مقصود ہے، جو دہشت گردی کی مخالفت و مزاحمت کے دعویدار ان کو سخت ترین دہشت گردی کے ارتکاب و غرور و تکبر کے مظاہرے، قوموں کی نسل کشی، ان کے حقوق کی پامالی، ان کی دولت کے سرچشموں کی بربادی اور ان کی عزت و آبرو سے کھلواڑ کرنے کا جواز فراہم کرتا ہے۔

محقق شمید نے دہشت گردی کی ۱۰۹ تعریفوں کا ذکر کیا ہے، اور پھر اس نے خود اس کی تعریف یوں کی ہے:

دہشت گردی کشمکش و تنازع کا ایک اسلوب ہے جس میں رمزی شکار تشدد سے فعال ہدف کے طور پر کام کرتے ہیں، یہ مرتکب و فعال شکار کی جہت اپنی خصوصیت کے ساتھ کسی دوسرے گروپ یا جماعت کی خصوصیات میں اشتراک کا رشتہ رکھتی ہے جو ان کو قربانی کے لئے منتخب کرنے میں بنیاد واساس کا کام کرتی ہے، تہدید و تشدد یا دھمکی کے استعمال سے اس جماعت یا طبقہ کے دوسرے افراد مستقل خوف و دہشت کی حالت میں رہتے ہیں، اور یہ جماعت جس کے افراد کے احساس امن کو بالقصد پارہ پارہ کیا جاتا ہے وہی اس مستقل خوف و دہشت کا ہدف حقیقی ہے، جس کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اس کی قربانی کو اکثر مشاہدین کی نگاہ میں غیر طبعی عمل سمجھا جاتا ہے، کبھی تو اس عمل میں قساوت و شدت کی وجہ سے، کبھی وقت کی نامناسبت کی وجہ سے (مثلاً امن و صلح کے زمانے میں) اور کبھی مکان کی نامناسبت کی وجہ سے (جیسے میدان جنگ کے علاوہ ہو) یا روایتی جنگ میں رائج و مقبول قواعد کی عدم پابندی کی وجہ سے (۱۱، باب ۹، ہاتی، ص ۲۰۰)۔ اسی طرح وہ اس کی طویل تعریف کرتا ہے جس کا کچھ بھی حاصل نہیں ہے۔

جبکہ جنکنز نے دہشت گردی کی تعریف یہ کی ہے کہ: دہشت گردی وہ عمل ہے جسے برے اشخاص انجام دیتے ہیں۔

حالانکہ یہ عجیب و غریب تعریف ہے۔ اب کون اچھے برے اور خیر و شر کی تحدید کرے گا؟ کیا وہ وحشی مغرور و متکبر طاقتور نہیں ہیں جو انسانیت کی قسمتوں سے کھیلتے ہیں جن میں سرفہرست آج امریکہ ہے؟

استاذ شریف بسیونی نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ:

دہشت گردی عالمی سطح پر ممنوع تشدد کے استعمال کا طریقہ ہے، جس پر اعتقادی (مذہبی

دوسرے یہ کہ اس حقیقی و شفاف فطرت انسانی کا استقرار کیا جائے جو کہ دو رنگی، مفاد، مصلحت کے تقاضوں سے پاک ہو، تا کہ انسانی اصول و مبادی کو متعین کر کے بین الاقوامی پلیٹ فارم پر عمومی انسانی معیار کے طور پر پیش کیا جا سکے، تا کہ ہمارے مطالبہ کے نتائج بین الاقوامی سطح کے مختلف میدانوں پر پھیلا اور ایک عمومی فریم ورک کی تشکیل کے لائق اور مفید ہوں۔

تیسرے یہ کہ ان اسلامی اور انسانی اصول و مبادی سے ایک ایسی عمومی تعریف مستنبط کریں جو جامع بھی ہو اور مانع بھی، جامع ان تمام مفردات کا ہو جو دہشت گردی کے ضمن میں متحقق ہیں، اور مانع ان تمام احوال و واقعات کے لئے ہو جو خود دہشت گردی کا سبب ہیں، اور اعلیٰ اصول و مبادی انہیں دہشت گردی کے نام سے تعبیر کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔

چوتھے یہ کہ ہمیں ان تمام واقعات کا جائزہ لینا ہے جو کہ قومی و بین الاقوامی سطح پر بطور دہشت گردی کے نمونے پیش کئے جاتے ہیں، تا کہ ان نتائج کی روشنی میں ان کی تحقیق و تجزیہ کی جائے اور پھر بڑی دقت و دیدہ ریزی کے بعد اس پر مناسب حکم لگایا جا سکے، تا کہ کوئی التباس یا ابہام باقی نہ رہ جائے اور ہر عمل کو اس کی حقیقی صفت سے متصف کیا جا سکے۔

اس مقدمہ کی روشنی میں ہم اپنی بات کو چند نکات میں ملخص کریں گے:

پہلا نکتہ:

یہ کہنا نا گزیر ضرورت ہے کہ بین الاقوامی بلاک، یا ہر ملک یہاں تک کہ ہر جماعت کے کچھ دشمن اور مخالفین ہوتے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے خاتمہ کے لئے کوشاں رہتا ہے، جب کشمکش عروج پر ہوتی ہے تو ہر فریق دوسرے کو بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس پر طرح طرح کی تہمت طرازیاں کرتا ہے جیسے انارکی پسند، جرم پسند، قانون مخالف، باغی، غیر انسانی اور دہشت گردی وغیرہ جیسے القاب سے نوازتا ہے۔

بلکہ بسا اوقات ایک فریق اس قسم کے دعوے صرف اس لئے کرتا ہے کہ وہ دوسرے فریق کے حقوق سلب کرنے کے منصوبوں کی تنفیذ کر سکے۔ اور بہانہ کی تہمت کا یہ ہوتا ہے کہ وہ دشمنوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور قومی و ملی مفاد کے خلاف کام کرتے ہیں۔

اس کام کو انجام دینے کے لئے ہر فریق اپنے بین الاقوامی اثر و رسوخ کو استعمال کرتا ہے تاکہ دوسری طاقتوں کو اپنی جانب کھینچ سکے یا تو عملی طور پر یا بین الاقوامی پلیٹ فارم اور اداروں کے ذریعہ اپنی تائید کی شکل میں۔ اس شکل میں مسئلہ ایک عمومی شکل اختیار کر لیتا ہے اور جیت ہوتی ہے بالا دستی، اثر و رسوخ کی اور متاثر کر دینے کی قدرت و صلاحیت کی۔ اور منطق سلیم کو استعمال نہیں ہوتا۔

جس میں سے احساسات کو متاثر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور دہشت گردی مسترد جیسے نعروں کے تحت ان مفاد پرستانہ منصوبوں کی تنفیذ کے لئے جذبات کا ناجائز استعمال کیا جاتا ہے، اس لئے کہ دہشت گردی اگر اس کے اسباب و اغراض سے قطع نظر کریں تو انسانی طور پر قابل مذمت عمل ہے۔ اور کوئی بھی سلیم فطرت انسان انسان کی عزت و آبرو، آزادی و خود مختاری، امن و امان اور نوکری و معاش کو خطرہ میں ڈالنے کو پسند نہیں کر سکتا، یہ ایک ایسا فطری احساس ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

دوسرا نکتہ:

اگر ہم لفظ دہشت گردی کے لغوی مدلول کا تتبع کرتے ہیں اور انسانی زندگی پر اس کے مدلولات کا جائزہ لیتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ دہشت گردی مختلف شکلوں پر ہو سکتی ہے۔ دہشت گردی کی ایک قسم وہ ہے جو امن و سلامتی، عزت و آبرو اور جان و مال کو خطرہ میں ڈال دیتی ہے۔ ایک قسم تہذیبی و ثقافتی دہشت گردی کی ہے جو انسانی تشخص کا خاتمہ کر دیتی ہے اور قیادت و خصوصیت

کی طرف لے جاتی ہے، دوسری طرف میزبانی دہشت گردی ہے جو آزاد اور صاف ستھری فضا میں انسان کے تنفس کی آزادی کو سلب کر لیتی ہے، اسی طرح ہم بہت سی دہشت گردیوں جیسے معاشی دہشت گردی، علمی دہشت گردی، سفارتی دہشت گردی اور فوجی دہشت گردی وغیرہ کا نام لے سکتے ہیں۔

دہشت گردی کے عمل کو انجام دینے والے کے لحاظ سے اس کی عملی تقسیم موجود ہے، اور اس تقسیم کو قابل اعتبار سمجھنا ضروری ہے، میری مراد اس سے دہشت گردی کی سرکاری اور غیر سرکاری تقسیم ہے، سرکاری دہشت گردی جو کہ زیادہ خطرناک دہشت گردی ہے، میرا اس عمل کو کہتے ہیں جس کی تائید کسی ایسے ادارے یا حکومت کی طرف سے ہو رہی ہو جس کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کر لیا گیا ہو، خواہ اس دہشت گردی کو انجام دینے والے اس ملک کی فوج ہو یا افراد ہوں، ہو سکتا ہے یہ دہشت گردی خود حکومت کے مفاد میں انجام دی جا رہی ہو، اس کے مقابلے میں غیر سرکاری دہشت گردی آتی ہے۔

تیسرا نکتہ:

کسی بھی عمل یا سلوک میں ہم دو موثر عنصر پر توجہ کر سکتے ہیں:

اول: کام کرنے والوں کے دواعی و اسباب۔

دوم: خود اس عمل یا کام کی انسانوں کے نزدیک مقبولیت۔

یہ دونوں چیزیں لازم و ملزوم نہیں ہیں، کبھی کام کرنے والے کے شخصی اسباب اس کی نگاہ میں انسانی ہوتے ہیں حالانکہ عمومی سطح پر ہو سکتا ہے وہ انسانی نہ سمجھے جاتے ہوں، اور کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے کہ عامل کا مقصد کوئی انسانیت پسندانہ شکل ہو، اور شاید اس کی نگاہ و تصور میں وہ غیر انسانی ہی ہو لیکن عام نقطہ نظر سے وہ انسانی تصور کیا جاتا ہے۔

بعض کاموں کے تعلق سے زاویے نظر مختلف ہو جاتے ہیں اور اس پر حسن و قبح کا

جنگ کے احکام اور اس کی اخلاقیات ہیں (دیکھئے: ہمارا مقالہ "احکام الحرب والاسری بین
الدین والمصلحۃ")۔

حرابہ کے احکام ہیں (حرابہ کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ شہر یا خارج شہر لوگوں کو مرد
ہوں یا عورت، کمزور ہوں یا قوی، ڈرانے کے لئے خشکی میں ہو یا تری میں، دن کی روشنی میں ہو یا
رات کی تاریکی میں ہتھیار اٹھانے کا نام حرابہ ہے) اور یہ تعریف اللہ کے اس قول سے مستنبط کی
گئی ہے، "إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فسادا أن
يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض ذلك
لهم خزي في الدنيا ولهم في الآخرة عذاب عظيم" (مائدہ ۳۳)۔

ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ اس آیت نے موضوع اور ہدف دونوں کا ذکر کر دیا ہے، اور وہ
معاشرہ کے ساتھ جنگ اور زمین میں فساد کی برپائی ہے، اسی طرح اس آیت نے اس دردناک
عذاب کا بھی ذکر کر دیا ہے جو ان لوگوں کو ملے گا، یہ ساری چیزیں موضوع کے تعلق سے اسلام کے
اہتمام پر دلالت کرتی ہیں۔

چوری اور قتل کے احکام بھی اسی ضمن میں آتے ہیں۔

اسی طرح اسلامی لٹریچر میں فتک (حملہ کرنا)، غیلہ (اچانک حملہ کرنا) اور
ائتمار (سازش کرنا) کے قبیل کی اصطلاحات بھی ملتی ہیں جن کا تعلق اس لفظ سے ہے۔

اسی طرح دوسری نصوص آخری حد تک عہد و پیمان کے احترام کے تعلق سے ملتی ہیں کہ
عہد و پیمان کی رعایت اس وقت تک واجب ہے جب تک فریق ثانی اس کی دفعات کا پابند ہے۔

مزید برآں اسلام کے اخلاقی نظام کے اپنے تقاضے ہیں، یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا
وضعی قوانین میں کوئی معنی نہیں، لیکن اس نظام میں اپنی حقیقت و اصالت رکھتے ہیں، جھوٹ ایک
بری چیز ہے اور کبائر کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے، اسی طرح چغل خوری ہے، اسی طرح ہم دیکھتے

غیر انسانیت اور اس کے قبول عام یا عدم مقبولیت کی حد ہونے کے دو اہم معیار تصور کرتے ہیں

"ہمارا خیال ہے کہ یہ دونوں معیار اکثر اوقات ایک دوسرے سے پیوستہ رہتے ہیں

اس بات کو ایک مثال کے ذریعے سمجھنے کے لئے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ تقریباً تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ مندرجہ ذیل امور میں عدم انسانیت کی صفت پائی جاتی ہے، مثال کے طور پر:

فحش کاری اور خاندانی نسب کا خاتمہ۔

منشیات اور عقلیت پسند شخصیت و تشخص کا خاتمہ۔

سماج اور قوموں کی ذلت اور ان کی دولتوں کی لوٹ مار۔

عنصریت اور انسانی اخوت کا خاتمہ۔

معترفہ حقوق کی پامالی اور بدعہدی۔

آباد علاقوں پر بمباری، کیمیکل، بایولوجیکل اور ایٹم بم وغیرہ کا استعمال، شہری ہوائی، بحری، مسافر لائن، سیاحتی اور تجارتی جہازوں پر قبضہ اور اس قسم کے دوسرے کام جو جنگ میں ساری انسانیت کے نزدیک قابل مذمت ہیں۔

یہ مثالیں ایسی ہیں جن کے انسان دشمن ہونے میں کسی باشعور شخص کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔

لہذا یہ اور اس قسم کی دوسری چیزیں ہماری اس تعریف میں معقول معیار کا کام کریں گی، اسی طرح کوئی بھی عمل جو ان کے خاتمے اور ان کی مزاحمت کے لئے انجام پائے گا وہ انسانی عمل تصور کیا جائے گا، اگر دوسری انسانی قدروں کی پامالی نہ ہوئی ہو تو اس عمل کے ساتھ ہاتھ ملانا چاہئے۔

ایمان سے ہم آہنگ ہوں، پھر اس قیاس و معیار کو عام کریں۔

۵- اس طرح یہ بھی ملحوظ رہے کہ کسی بھی عمل شدہ کا ہونا دہشت گردی کی مصداقیت کے لئے شرط نہیں ہے۔

اس تعریف کی روشنی میں ہم ان صفات کی تحقیق کر سکتے ہیں جو اس یا اس عمل پر منطبق کی جاتی ہیں، اور اس بات کو یقینی بنا سکتے ہیں کہ اس صفت کا اطلاق درست نہیں ہوگا:

الف- قومی مزاحمتی سرگرمیوں پر جو صرف سامراج، غاصبین اور زبردستی قبضہ کر بیٹھنے والوں کے خلاف کی جاتی ہیں۔

ب- ہتھیار و قوت کے ذریعہ تھوپی گئی جماعت کی مزاحمت پر۔

ج- آمرانہ حکومتوں اور آمریت کی تمام قسموں کو رد کرنے اور اس کے اداروں پر ضربیں لگانے پر۔

د- نسلی امتیازات کی مزاحمت اور اس کے قلعوں کے انہدام پر۔

ہ- کسی بھی قسم کی زیادتی کے بالمثل جواب پر اگر دوسرا چارہ کار نہ ہو۔

اس طرح اس کا انطباق اس کسی بھی ڈیموکریٹک عمل پر نہیں ہوگا جس کے ساتھ دہشت گردی شامل نہ ہو، خواہ اس کا مقصد انسانی نہ ہو۔

اسی طرح اس کا انطباق اس انفرادی تخریب کاری پر بھی نہیں ہوگا جس سے کوئی اجتماعی تاثیر مرتب نہ ہوتی ہو۔

یہ اور اس قسم کے اعمال اگرچہ کسی جہت سے قابل مذمت ہو سکتے ہیں لیکن اتنی بات تو یقینی ہے کہ وہ دہشت گردانہ اعمال نہیں ہوں گے۔

جبکہ اس کی تعریف کا اطلاق ہوگا:

الف- بری، بحری اور فضائی ہر قسم کی رہزنی کے اعمال پر۔

ب- تمام سامراجی کارروائیوں بشمول جنگ اور فوجی حملوں پر۔

ج- قوموں کے خلاف تمام مستبدانہ کارروائیوں اور آمریت پسندی کی ہر قسم کی حمایت

چاہے جائیکہ قوموں پر اس کے تھوپنے پر۔

د- ان تمام عسکری و فوجی اسالیب پر جو انسانی عرف کے خلاف ہیں، جیسے کیمیکل، ایٹمی

اور بایولوجیکل ہتھیاروں کا استعمال، آبادی علاقوں پر بمباری، گھروں کو اڑانا اور امن پسند شہریوں کو

دربدر کرنا وغیرہ۔

ھ- جغرافیائی، ثقافتی اور سیاسی ماحول کو ملوث کرنے پر، اور ناپاک فکری دہشت گردی تو

سب سے زیادہ خطرناک قسم کی دہشت گردی ہے۔

و- ہر اس عمل پر جو قومی یا بین الاقوامی معاشیات کو کنٹرول کرتا ہو، غریبوں اور محروموں

کو نقصان پہنچاتا ہو، اقتصادی و اجتماعی تفاوت و فرق کی جڑیں مضبوط کرتا ہو، اور قوموں کو قرضوں

کی بیڑیوں میں جکڑ دیتا ہو۔

ز- ہر اس سازشی عمل پر جو قوموں کی آزادی و خود مختاری کے ارادوں کا گلا گھونٹ دیتا

ہو اور ان پر ناپاک تحالف تھوپ دیتا ہو۔

اسی طرح تعریف مذکوری کی دلوات کی مثالیں پیش کر سکتے ہیں۔

پانچواں نکتہ:

گرچہ دہشت گردی کے خلاف اور اس کی مزاحمت کے لئے بہت سی کانفرنسیں منعقد کی

گئیں، اور بہت سی کوششیں کی گئیں، لیکن اکثر و بیشتر جن امور کی وجہ سے وہ ناکام ہوئی ہیں ان

میں سے یہ ہیں کہ:

یہ کوششیں انسانی بنیادوں اور بین الاقوامی سطح پر نہیں ہوئی ہیں، بلکہ سب سے پہلے

انہوں نے محدود مقاصد کے حصول کو اپنا ہدف بنایا۔

ان کوششوں میں ان حالات وظروف کا علاج نہیں ڈھونڈا گیا جو دہشت گردی کو وجود میں لاتے ہیں اور نہ اس کے حقیقی علل واسباب کو تلاش کیا گیا، پر لطف بات یہ ہے کہ امریکہ جو کہ خود بین الاقوامی دہشت گردی کا جنم داتا ہے اور جس نے قوموں کو ستانے اور ان پر قابض ہو جانے، آمریت پسند نظامہائے حکومت کی تائید وسرپرستی، زمینوں وملکوں پر غاصبانہ قبضہ، آباد علاقوں پر ظلم وزیادتی کا سرچشمہ ہے، وہی امریکہ دہشت گردی مخالف کا نعرہ نہیں وسیمینار کروا رہا ہے، اور اس کے نزدیک دہشت گردی سے مراد ہر وہ عمل ہے جو امریکا کے متکبرانہ مصلحتوں اور مفاد کے خلاف ہے۔

اس لئے آج جو ہم دیکھ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ بڑی طاقتیں قوت وجبر کے ذریعہ یا پروپگنڈہ ومیڈیا کے ذریعہ دہشت گردی کی خود ساختہ تعریف ومفہوم کو ملکوں اور قوموں پر تھوپ رہی ہیں، دہشت گردی کی یہ ایسی تعریف ہے جو بڑی طاقتوں اور ان کے مفاد ومصالح کے پیش نظر کاٹ چھانٹ کر وضع کی گئی ہے، اور پھر ان طاقتوں نے خود ہی یہ حق بھی حاصل کرلیا ہے کہ اپنی فہم کو عملی طور پر ساری دنیا میں نافذ کردیں، گویا کہ ساری زمین ان کی ملکیت ہے، پتہ نہیں انہیں یہ دونوں حق کس نے دے دیا؟ کہ اپنی وضع کردہ تعریف کو دوسروں پر تھوپ دیں، اور اپنی فہم کو سبھوں پر منطبق کردیں، بلکہ یہ بڑی طاقتیں بیک وقت مدعی، قاضی اور منفذ (تنفیذی اداروں) کا رول ادا کرنے لگی ہیں، اور اس میں اقوام متحدہ اور دوسرے عالمی تنظیموں واداروں کو بھی نظر انداز کرجاتی ہیں۔

گیارہ ستمبر کے واقعات اور امت مسلمہ کے خلاف یورش:

کسی بھی عاقل یا دین دار کو یہ کہنے میں ہرگز تردد نہ ہوگا کہ ۱۱ ستمبر کے واقعات قابل

ذہنیت اور وحشت کے رویہ کے حامل تھے، اور اس سے انسانیت کو بہت بڑے نقصان اور خسارے کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس نے ایک بڑی طاقت کو اپنے جنگی اور سامراجی منصوبے کی تکمیل کا موقع فراہم کر دیا، جس نے مغربی انسانی قدروں اور بین الاقوامی معاہدوں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا تاکہ ساری دنیا پر اپنی بالادستی قائم کر سکے، بلکہ اس نے تو اس زیادتی کے لئے ایک فلسفہ بھی گڑھ لیا اور اسے اخلاقی قرار دیا۔

اس طرح ہمارے سامنے وہ امریکی اسٹریٹجی آگئی جو تین بنیادوں میں ایک طرف عمل سلام کے ظہور اور دوسری طرف روسی اتحاد کے خاتمے کے بعد وضع کی گئی تھی، جس نے جدید عالمی نظام کی تجدید قیادت کے ساتھ مسلح اسلام یا سیاسی اسلام بنیاد پرستی کی وجہ سے جنگ کو اپنے بڑے مقاصد میں رکھا گیا، یہاں ہم نے اس اسٹریٹجی کو اور اس کی تیز رفتاری کو خاص طور پر امت اسلامیہ کے خلاف عملی طور پر دیکھ لیا ہے، اس میں ایک دور رس منصوبہ بندی تھی جس کے بعض پہلوؤں کی طرف ہم ذیل میں اشارہ کرتے ہیں:

اول: اسلامی تہذیب کی قدروں اور اس کے مفاہیم میں تشکیک پیدا کی گئی، اس کی بہت سی مثالیں ہیں جو مغرب ہمارے سامنے لایا ہے، جیسے کہ ایک اخلاقی اصل کا کوئی زوال، مغربی تہذیب کی اسلامی تہذیب پر فضیلت کا بیان، صفات الٰہی کے حق سے متعلق عقیدہ، اسلامی عقیدہ پر ترجیح و فضیلت، جہاد کے خلاف ہنگامہ، عورتوں کے حقوق سے متعلق اسلامی نقطہ نظر پر حملہ وغیرہ۔

دوم: اسلام اور جو کچھ بھی اسلامی ہے اس سے مغربی دشمنی اور کینہ پروری میں اضافہ۔ اسلامی مساجد و مراکز پر حملے، مسلم اقلیتوں پر دہشت گردی کی تہمت کی انگلیاں ان حکومتوں تک پر اٹھانا جو ان کو دوست سمجھتی ہیں، اور پھر یہاں تک کہ قانونی ہجرت پر بھی پابندی عائد کرنا جبکہ یورپ کو آج بھی ہجرت کی ضرورت ہے۔

پھیلایا جا سکے۔

تیسرا اور سب سے اہم پہلو پریشان کن فاصلوں کو بند کرنے کی کوشش تھی، جن میں سرفہرست فلسطین کا مسئلہ ہے۔ امریکہ نے شیرون کو ہری جھنڈی دکھا دی تاکہ وہ اس کا تصفیہ کی کر دے۔ اس نے بھی خوف کے حالات کا فائدہ اٹھایا اور فلسطینیوں کے خلاف اپنی کارروائیوں کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے دوسرے مرحلہ کا جز قرار دیا، اور ایسے اعمال کا ارتکاب کیا جن سے انسانیت شرمندہ ہے۔ امریکا نے کھل کر اور بڑی بے شرمی کے ساتھ اس کی مدد کی، مزاحمت کی عزت افزائی اور ان سارے نعروں کی مغربی تاریخ کو مغرب یکسر بھلا بیٹھا جو وہ آزادی، ڈیموکریسی، حقوق انسانی، بین الاقوامی معیار وغیرہ کے نام پر بلند کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ اقوام متحدہ جنین کے کیمپوں میں ہونے والے صیہونی جرائم کی تحقیق قرارداد کے صادر ہونے کے باوجود نہ کر سکا حالانکہ وہ واضح اور ثابت شدہ حقائق تھے اور بین الاقوامی شخصیتوں کی شہادتیں ان پر ثبت تھیں۔

دہشت گردی کے جو مظاہر ہم مشاہدہ کرتے ہیں ان میں اکثر کے بہت سے اسباب ہیں:

الف۔ جہالت، اندھی عصبیت کی مدح، اور دنیا کے تعلق سے ظلمت پسندانہ نقطۂ نظر۔

ب۔ بھوک، درماندگی، پسماندگی اور محرومی، فقر تو قریب تھا کہ کفر ہو جاتا۔

ج۔ ظلم واستبداد، جبر واکراہ، تحقیر وتشدد، انسانی حقوق کی پامالی، اور اس کی جائز آزادی کا سلب ہو جانا۔

د۔ اخلاقی موانع کا فقدان، اقدار کی پستی، اندھی بھوکی لالچی حیوانی جذبات درون کا پھیلاؤ۔

تو جب تک ان اسباب کے خاتمہ کے لئے عالمی سطح پر فیصلہ کن منصوبہ بندی نہیں کی

جائے گی یا اس کی شدت تاثیر میں کمی نہیں لائی جائے گی یا اسباب مسلسل دہشت گردی پیدا کرتے رہیں گے۔

سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ جس بڑی طاقت کی تاریخ جنگوں، بربادیوں اور دہشت گردی سے بھری پڑی ہے وہی آج دہشت گردی کے خلاف جنگ میں سب سے آگے ہے حالانکہ وہ دہشت گردی کے خلاف اپنی تھوپی ہوئی جنگ میں بھی بدترین قسم کی دہشت گردی کا ارتکاب کئے جا رہی ہیں اور صہیونی دہشت گردانہ نظام جیسی فاشسٹ اور دہشت گرد نظاموں کی مدد کرتی ہے۔

انھیں امور کے پیش نظر ہم نے دوسری میٹنگوں میں اسلامی اور عالمی سطح پر ایک کام کرنے کی دعوت دی ہے اور وہ ہے: بین الاقوامی پلیٹ فارم پر مجوزہ موقف۔

دہشت گردی بشمول اس کی تمام شکلوں، اس کے مضامین و مشمولات اور اس کے سرچشموں کی روک تھام کی حکمت عملی کے اقدام کے طور پر ہم اس بات کی ضرورت سمجھتے ہیں کہ اقوام متحدہ اس منصوبہ کے لئے تیار ہو اور اس کو قبول کرے، بشرطیکہ نئے وسائل وطریقہ وضع کئے جائیں جو بڑی طاقتوں کو اس منصوبہ کو اپنے مخصوص مفاد کی خاطر استعمال سے روک سکے، اور اقوام متحدہ پر دباؤ ڈال کر اپنے متکبرانہ مقاصد کے تحت چلانے میں مانع ہو۔ صرف اسی شکل میں اقوام متحدہ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ اور روئے زمین پر عادلانہ امن وامان قائم کرنے کے سلسلے میں عالمی مرجعیت حاصل ہو سکتی ہے۔ میرے خیال میں اس مہم کے مقدمات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- اقوام متحدہ کے ممبر ممالک کے درمیان حقوق وواجبات میں مساوات وبرابری، اس کی قراردادوں پر کچھ مخصوص ممالک کی بالادستی پر روک، خصوصاً منصفانہ طریقہ عمل میں جس کے ذریعہ مجلس امن (سیکوریٹی کونسل) اپنے فیصلے دیا کرتی ہے، اسی طریقہ کی وجہ سے دنیا کی ایک سے زیادہ علاقوں میں مسلسل دہشت گردی جاری ہے اور خاص طور پر فلسطین میں، اس لئے کہ

امت کی سطح پہ پیش کردہ حل:

امت کی سطح پر پیش کیا جانے والا حل تقریباً بالکل واضح ہے، اور مندرجہ ذیل امور پر مبنی ہے:

۱- مختلف میدانوں (اسلام کی اور اس کے مقاصد کی فہم، موجودہ صورتحال کی فہم، اور موقف کی فہم) میں اپنی امت کی عوام کے اندر شعوری سطح کو بلند کرنا۔

۲- زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی شریعت کی تطبیق کو عام کرنا۔

۳- اسلامی تعلیمات کے مطابق امت کے مختلف گروہوں کے لئے تمام پہلوؤں پر حاوی ایک تربیتی کورس چلانا۔

۴- ہر وہ کام کرنا جو عملی طور پر امت کے موقف کو ایک رکھ سکے، ہم نہیں چاہتے کہ یہ عمل خیالی ہو، اور نہ ہی ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ مایوس کن ہو، بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ وہ شرعی اغراض و مقاصد کی روشنی میں واقعیت پسندانہ معتدل نہج پر قائم ہو۔

۵- اسلامی اداروں کو تقویت پہنچانے، جس کو وجود میں لانا ضروری ہو اس کو وجود میں لایا جا سکے اور نئے وسائل اور اسالیب اور طریقوں کے تحت عمل کرنے کی اسے زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائے۔

۶- سیاسی، معاشی، میڈیائی، جغرافیائی، مادی امکانات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کا ایک مکمل منصوبہ وضع کیا جائے، اسی طرح عوامی، علمی، ثقافتی صلاحیتوں کو استعمال کیا جائے اور مقابلہ کے لئے انہیں تیار کیا جائے۔

۷- بعض فروعی یا جزوی تنازعات کے حل، ان سے اعراض یا ان کو موخر کرنے کے لئے کام کیا جائے تاکہ اس سے اہم ترین مقصد کی خدمت ہو سکے، اور سارے کام کو تنسیقی انداز میں کیا جائے۔

قانونی امکانات اور بین الاقوامی اداروں سے استفادہ کیا جائے۔

۵- اس بات کی ہرگز اجازت نہ دی جائے کہ امریکہ اس مسئلہ اور اس جیسے دوسرے مسائل میں تن تنہا فیصلہ کرنے کا مجاز ہو اور نہ مرکزی حصوں پر اعتماد کیا جائے۔

۶- غاصب یہودیوں اور ان کے مددگاروں کا دوبارہ مکمل بائیکاٹ کرنے کے لئے سنجیدہ غور و فکر کیا جائے، بلکہ فوری طور پر عوامی بائیکاٹ کو نافذ کر دیا جائے۔

۷- اس میدان میں اور خاص طور پر بین الاقوامی قراردادوں کی تنفیذ کے مطالبے کے سلسلے میں تنظیم اسلامی کانفرنس کے سیاسی کردار کو پہلے سے زیادہ مؤثر بنایا جائے۔

۸- بین الاقوامی سطح پر دہشت گردی کی ایک مکمل جامع تعریف وضع کی جائے اور اس کے اور جائز مزاحمت کے درمیان تفریق کی جائے۔

۹- فلسطینی مزاحمت کو قومی تحفظ دیا جائے۔

۱۰- جنوبی افریقہ کے دشمن کا تعاقب کے طرز پر غیر سرکاری تنظیموں کے امکانات اور صلاحیتوں سے بھرپور اور سرگرم استفادہ کیا جائے۔

ہے حلال نہیں ہے مگر یہ کہ جب تین چیزوں میں سے ایک کا مرتکب ہو: جان کو جان کے بدلے، شادی شدہ زانی، اور مرتد یعنی کسی مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنے والا)۔ اسلام میں خون کی اتنی اہمیت ہے کہ اس کے عوض میں پوری دنیا کا ختم ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے: "زوال الدنیا اھون عند اللہ من قتل رجل مسلم" (یعنی دنیا کا ختم ہو جانا اللہ کے نزدیک کسی مسلمان کے خون بہانے سے زیادہ آسان ہے)۔

قرآن کریم کی مذکورہ آیات اور ان تدریجی حقائق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسلام نے امن وسلامتی کو معاشرہ کا جزء لاینفک قرار دیا ہے کیونکہ اس کی خمیر انسانیت نوازی اور ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر اٹھی ہے، بھائی چارہ اور محبت ومودت اس کی سرشت میں ودیعت کی گئی ہے، آپسی تعلقات کو جوڑنے، پڑوس اور دوسرے حق داروں کے حقوق کی ادائیگی کی پرزور تاکید فرمائی گئی ہے، خدا کی نگاہ میں وہی شخص معزز ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا اور اس کا پاس رکھنے والا ہو، جس قدر انسان اللہ سے ڈرے گا اسی قدر گناہوں سے اجتناب کرے گا۔

آج کل "دہشت گردی" کا لفظ بکثرت استعمال ہوتا ہے لیکن اب تک اس کا صحیح معنی ومفہوم نہ متعین ہو پایا اور نہ حقیقی انطباق عمل میں آیا، دنیا کا یہ عجیب فلسفہ ہے کہ جس نے ذریعہ تعمیر انسانیت اور راہ نجات ہموار ہو اسی کو دہشت گردی کا نام دیا جاتا ہے لیکن جو انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے والا ہے، انفیسی طبقہ پر ظلم وستم کو روا رکھنے والا ہے وہ امن پسند ہے، دور حاضر میں قتل وغارتگری کی قسمیں اور موجودہ دور میں قتل وخونریزی کے جو واقعات رونما ہو رہے ہیں وہ تین طرح کے ہیں:

۱- بے گناہوں کو قتل کرنا، ۲- ایک جگہ ہوئے ظلم کے بدلہ دوسری جگہ کے افراد کا بدلہ

یعنی ۳۔ رائے عامہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے غیر متعلق لوگوں پر حملہ کرنا دہشت ہے۔

ماہنامہ تعمیر [illegible] ص ۱۸۔

پہلی قسم کا اسلام روز اول ہی سے مخالف ہے، انسانی جان کے تحفظ کے سلسلہ میں سے ہی اللہ کے رسول اور قرآن کافی ہیں۔ دوسری قسم کا تعلق دہشت گردی اور انتہا پسندی سے ہوگا، کیونکہ آخرت میں کوئی شخص کسی کا ذمہ دار نہیں ہوگا، سورۂ نجم میں ہے: "الا تزر وازرۃ وزر اخری" (کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا)۔ تیسری قسم بھی دہشت گردی کے قبیل سے ہے، رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے ظلم کرنا، بے گناہوں کا قتل، جہازوں کا اغوا، سفیروں کا قتل اور یرغمال بنانا سب اسی زمرے میں آتا ہے۔ اسلام کا موقف اس سلسلہ میں بالکل واضح اور صریح ہے کہ ان جیسی حرکات کا مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ تیسری قسم کے ضمن میں خودکش دستوں کا بھی مسئلہ ہے لہٰذا اس کی وضاحت ضروری ہے کہ کتب احادیث میں خودکشی کی بہت مذمت وارد ہوئی ہے، اور خودکشی کرنے والے کو جہنمی قرار دیا ہے۔ خودکشی کا لفظ ذہن میں جیسے ہی آتا ہے تیسری قسم کے گروہ سامنے آتے ہیں: ۱۔ دہشت گرد تنظیمیں، ۲۔ حکومت، ۳۔ تحریک آزادی۔ دہشت گرد تنظیمیں جو حملے کرتی ہیں ان کے پاس کوئی قانونی جواز نہیں ہوتا، شریعت کی رو سے وہ صحیح نہیں ہیں۔ حکومتیں کسی جنگ کے موقع پر کسی خطرناک حملے کو روکنے کے لئے خودکش دستوں کا سہارا لیتی ہیں تو یہ جنگی حکمت عملی ہے جس کی شریعت اجازت دیتی ہے۔ جنگ یمامہ میں حضرت براء بن مالک کا قصہ جنہوں نے تنہا اہل یمامہ میں گھس کر جان دے دی اس کی بین دلیل ہے۔ تحریکات آزادی کے افراد جب دشمنوں اور ظالموں سے بہت پریشان ہو جاتے ہیں خودکش افراد تیار کرتے دشمن کی طاقت کا جواب دیتے ہیں۔ فلسطین کی تازہ صورت حال اس کی واضح مثال ہے جہاں حماس نے اس لڑائی کو جنگ کے قوانین و آداب پر منطبق کیا ہے۔

جہاد اور دہشت گردی کا فرق:

جہاد اور دہشت گردی دو متضاد چیزیں ہیں، دونوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے، جہاد بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی انسانی جان کے احترام، امن و امان کے قیام، ظالم کی سرکوبی اور حق کی حمایت و حفاظت کے لئے ارشاد باری: "وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله" وجود میں آتا ہے (حجۃ اللہ البالغہ ص ۹) جبکہ دہشت گردی، فتنہ و فساد، انتقام اور بدعنوانی، اناری اور بے گناہ، بے قصور انسانوں کے قتل کا ایک مجرمانہ مجنونانہ فعل ہے۔

اب سوالنامہ کے جوابات ذیل میں پیش کئے جارہے ہیں:

۱۔ دہشت کے معنی "خوف و ہراس" کے ہیں، عربی میں "تخویف" اور "ارہاب" سے یہ لفظ متعارف ہے، انگریزی میں اس کا متبادل لفظ Terror استعمال کیا جاتا ہے، علامہ راغب اصفہانی نے "مفردات الفاظ القرآن" میں ص ۳۶۶ پر ارہاب کے معنی "مخافة مع تحرز واضطراب" یعنی اضطراب و بے چینی کے ساتھ خوف و ہراس بیان کیا ہے، جبکہ محمد بن یعقوب مجد الدین الفیروز آبادی نے "القاموس المحیط" ص ۷۸۱ پر ارہاب بمعنی اخافه و توعده یعنی ڈرانا اور دھمکانا لکھا ہے، صاحب تاج العروس نے "الازعاج والاخافة" یعنی پریشان کرنا اور ڈرانا سے تعبیر کیا ہے، عیسائی مستشرق الیاس انطوان نے القاموس العصری میں Terrorism سے اس کو ادا کیا ہے، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار نے ان الفاظ میں اس کی تعریف کی ہے:

A Systematic use of terror, or unpredictable violance against governments, public or individuals to allain a political objective.

(دہشت گردی نام ہے منصوبہ بند طریقہ سے خوف و ہراس پھیلانے اور تشدد کے

غیر متوقع طریقہ استعمال کرنا، جس کا ارتکاب حکومت، عوام یا افراد کے خلاف سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے کیا گیا ہو)۔

شیخ محمد بن ہادی المدخلی نے اپنی کتاب "الارھاب و آثارہ علی الافراد والامم" میں ص۶ پر لکھا ہے: "الارھاب کلمة مبنی لها معنی ذو صور متعددة یجمعها الاخافة والترویع للآمنین وقد تجاوز الاخافة والترویع الی ازهاق الانفس البریئة واتلاف الاموال المعصومة و نهبها وهتک الاعراض المصونة وشق عصا الجماعة" (دہشت گردی کئی صورت پر مبنی ہے، مجموعی اعتبار سے بے گناہوں کو ڈرانا، دھمکانا ہے، اب تو یہ تعریف متعدی ہوگئی ہے اور مختلف صورتیں پیدا ہوگئی ہیں کہ بے گناہ لوگوں کو قتل کرنا، محفوظ مال کو ضائع کرنا، عزت کو پامال کرنا اور جماعتی وحدت کو پراگندہ کرنا ہے)۔

قرآن کریم میں "رہب" سے مشتق تقریباً چھ الفاظ مختلف جگہوں پر استعمال ہوئے ہیں جس سے سابق الذکر معنی کو تقویت ملتی ہے، خوف و ہراس قائم کرنا ہرگز اسلام کا مطمح نظر نہیں، وہ تو سراپا رحمت و برکت ہے۔ سورۂ حشر میں ہے: "لانتم اشد رهبة" سورہ قصص میں ہے: "جناحک من الرهب" سورۂ انبیاء میں ہے: "یدعوننا رغبا ورهبا" سورۂ انفال میں ہے: "ترهبون به عدو الله وعدوکم" سورۂ اعراف میں ہے: "واسترهبوهم" سورۂ بقرہ میں ہے: "ایای فارهبون" مجموعی طور پر ڈرنے اور ڈرانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ دور جدید کے مشہور محقق J.P. Sharma نے دہشت گردی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ "دہشت گرد ایسا شخص ہے جو کہ قانون کے ذریعہ قائم شدہ حکومت کو مرعوب و معطل کرنے کی غرض سے یا عوام یا ان کے کسی طبقہ میں خوف و ہراس پیدا کرنے کے لئے بم، ڈائنا مائٹ یا آتش گیر اشیاء یا پھٹ پڑنے والی اشیاء یا گولی چلانے والے ہتھیار یا دوسرے قاتلانہ ہتھیار،

زہریلی گیس یا دیگر خطرناک و تباہ کن مادہ کا استعمال کرتا ہے، جو کسی کی موت، کسی کے زخمی ہونے یا مال و اسباب کی تباہی یا قوم کی زندگی کی ضروریات کی ترسیل کے نظام کو درہم برہم کرنے کا ذریعہ ہے" (ملاحظہ ہو: اسلام اور دہشت گردی مصنفہ ڈاکٹر سید عبد الباری بحوالہ انڈین ایکسپریس بنگلور ۱۲ اگست ۱۹۹۲ء)۔

ایک خاتون صحافی نے لکھا ہے کہ پرتشدد واقعات کے بار بار اظہار سے خوف و ہراس پیدا کرنا دہشت گردی ہے۔

ان قدیم و جدید تعریف پر غور کرکے عالمی منظر نامہ پر ایک طائرانہ نگاہ بھی ڈالی جائے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوگی کہ کون دہشت گرد ہے اور کون امن پسند، میڈیا اور ذرائع ابلاغ کی زہر افشانی نے حقائق پر تہہ بہ تہہ پردہ ڈال دیا ہے جس سے لوگوں کو کچھ نظر نہیں آتا لہذا اس چشم بینا کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔

۲- دہشت گردی کی سابق الذکر تعریف کے بموجب حکومتوں کا یہ رویہ دہشت گردی کے قبیل سے ہے، کیونکہ یہ صرف پریشان کرنے اور ہراساں کرنے کے لئے ہوتا ہے، بالخصوص ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں دفعہ ۲۹ کے تحت جو حقوق ہر مذہب کے ماننے والوں کو دیئے گئے ہیں اس کی خلاف ورزی تو مسلم ہے اسی کے ساتھ قانونی بغاوت ہے لہذا وعدہ کا ایفاء نہ کرنا بہت بڑا ظلم کرنا ہے، دینی و دنیوی دونوں لحاظ سے یہ امر قابل جرم ٹھہرا۔

۳- اگر کسی طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس پر حقوق کی حصول یابی کے لئے آواز اٹھانا حدیث نبوی "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده" (ترمذی، مسلم شریف) کی رو سے واجب ہے کیونکہ "فليغيره" وجوب پر دلالت کرتا ہے، نیز اگر حق پر آواز نہیں اٹھائی گئی تو ظالم گروہ کو مزید حق تلفی کا موقع ملے گا لہذا اول وہلہ میں اس شر کا استیصال کرنا ضروری ہے کیونکہ فقہ کے اکثر مسائل میں جو وسائل مفضی الی ارتکاب الحرام ہیں ان کی بھی ممانعت ہے، دلیل وقد

عبدالقیس کو حضور اکرم ﷺ کا مخصوص قسم کے برتنوں کے استعمال کرنے کی ممانعت ہے، امام نووی نے ریاض الصالحین میں ابوداؤد وترمذی ونسائی کے حوالے سے ایک روایت ذکر کی ہے، جو بتصدیق امام نووی صحیح سند سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إن الناس إذا رأوا الظالم فلم يأخذوا على يديه أوشك أن يعمهم الله بعقاب منه"، اور فرمایا گیا: "من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون عرضه فهو شهيد" اسی طرح مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا سابق الذکر دہشت گردی کی تعریف سے خارج ہے کیونکہ یہ عین اسلام ہے، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کا مشہور ارشاد ہمارے لئے مینارۂ نور ہے کہ "انصر أخاك ظالماً أو مظلوماً"، لہذا ایسا عمل وجوبی درجہ رکھتا ہے، اور دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں آئے گا۔

۴- مظلوموں کے اس گروہ سے بدلہ لینا سراسر خلاف شرع ہے، کیونکہ قرآنی آیت: "لا تزر وازرة وزر أخرى" (سورۂ نجم، ۳۸) اس کی عین دلیل ہے، علاوہ صلیبی جنگوں میں عیسائی فلسطین، شام اور مختلف علاقوں میں مسلمانوں کے ساتھ امن و عافیت سے رہے، کیونکہ ان کا بذات خود کوئی جرم نہیں تھا، اسی لئے دوسرے سے بدلہ لینا از روئے شرع درست نہیں ہے۔

۵- دہشت گردی کے جو اسباب لوگوں کے سامنے آتے ہیں ان کے حل کرنے کے لئے اسلام ہماری یہ رہنمائی کرتا ہے کہ تمام اس کی جامعیت اور شمولیت میں نظر رکھتے ہوئے ان مسائل کو حل کریں، کیونکہ اگر یہ معاشی مسئلہ ہے تو اسلامی معاشیات کی روشنی میں انجام پائے گا، ڈاکٹر زید بن محمد بن ہادی المدخلی اپنی کتاب "الإرهاب وآثاره على الأفراد والأمم" میں لکھتے ہیں: "فإن العلاج لداء الإرهاب في البلدان الإسلامية أصحاب العقيدة السليمة هو الوحي الإلهي الذي يحمله ويبلغه من يفقه معناه ويحسن تبليغه وإن الأطباء هم

ولاة الأمر من العلماء الربانيين والحكام الصالحين ثم المجتمع بنوعيه الصغير والكبير الداخلي والخارجي وأما علاج الإرهاب في الدول الكافرة فمصدره الذي ارتضوه لأنفسهم هو القوانين الوضعية التي إن حققت شيئاً من دفع الضرر فلا بد أن يكون ذا عوج ومن ثم يزداد داء الارهاب في بلادهم كثرة وانتشاراً" (دہشت گردی جیسے مرض کے ازالہ کی صرف یہی شکل ہے کہ اگر یہ مرض ممالک اسلامیہ میں ہے تو اس کا علاج صحیح عقیدہ و ایمان والے ہیں جو وحی الٰہی کے معانی و مفاہیم کو سمجھتے ہیں اور یہی قوم کے ظاہری و روحانی مرض کے طبیب بھی ہیں، پھر معاشرہ پر ایک نظر کرلی جائے کہ اندرونی اور بیرونی، چھوٹے اور بڑے پیمانہ پر مرض کو کیسے درست کیا جائے، غیر مسلم ممالک میں دہشت گردی کے پنپنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مصنوعی قوانین وضوابط کا اپنے آپ کو پابند کرلیا ہے، ان قوانین کی وجہ سے کچھ مسائل حل بھی ہوتے ہیں تو اس کی کجی باقی رہتی ہے اور دہشت گردی روبترقی رہتی ہے۔

۲- اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو اس کی مدافعت کرنا چاہئے، حدیث میں آتا ہے: "عن أبي هريرةؓ قال: جاء رجل فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: فلا تعطه مالک، قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: قاتله، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: هو في النار" (مسلم، ۲/ ۲۰۶)۔

اس حدیث میں مدافعت کے حدود بھی بتائے گئے ہیں، نیز صیغہ امر کے استعمال سے وجوب کا ثبوت ملتا ہے، مزید حق مدافعت کی تائید کے سلسلہ میں ارشاد نبوی ہے:

"إذا قاتل أحدكم فليجتنب الوجه فإن الله خلق آدم صورته" (مسلم)۔

اسلام گہوارۂ امن

مولانا محمد رشد صدیقی

جامعۃ الامام ابن تیمیہ، چندن بارہ، مشرقی چمپارن

۱- اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی نام ہے بے قصور اور معصوم افراد پر ظلم وستم اور ان کو ہراساں و پریشان کرنے کا، ریاست کے خلاف چھیڑا گیا اس مجرمانہ عمل کا جس کا مقصد کسی خاص آدمی، یا مخصوص فرقے، یا پھر عوام کے دماغ میں خوف بٹھانا ہو، یہ طاقت کے استعمال کا ایک طریقہ ہے جس کا مدعا اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا کرنا ہوتا ہے، اسی طرح کوئی بھی سخت اقدام جب اپنی جائز حد سے بڑھ کر فساد وفتنہ کا باعث ہو جائے اور اس کا کوئی اصلاحی مقصد واضح نہیں تو وہ بھی دہشت گردی کے ذیل میں آئے گا، ایسی چیرہ دستی جو دوسروں کی جان ومال اور عزت وآبرو پر دست درازی کرے دہشت گردی ہے۔

مذہب اسلام ازل سے دہشت گردی اور ہر ظالمانہ حرکت کی سخت مذمت کرتا ہے، اسلام ایک نظریاتی مذہب ہے، جس کی بنیاد توحید، رسالت اور آخرت پر ہے، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کی جان ومال یا عزت وآبرو پر حملہ کرے۔ اگر اسلام کا نام لے کر کوئی بھی مسلمان دہشت گردی کو روا رکھتا ہے اور اس گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ اسلام اور شریعت محمدی ﷺ سے بغاوت سمجھا جائے گا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"من أجل ذلك كتبنا على بني

بنی اسرائیل انہ من قتل نفساً بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعاً" (المائدہ: ۳۲) (اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے بارے میں یہ حکم جاری کردیا کہ جو شخص کسی آدمی کو بغیر کسی مقتول کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے قتل کرڈالے گا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کرڈالا اور جو شخص کسی آدمی کو بچالے گا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو بچالیا)۔

اللہ تعالی کا ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: "وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین" (البقرہ: ۱۹۰) (اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

اسلام کسی کی جان و مال یا عزت و آبرو پر حملہ کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دیتا۔ اگر کوئی اس قانون کی خلاف ورزی کرے اور جان و مال یا عزت و آبرو پر حملہ آور ہو جائے تو اسلام نے اس جرم کی ایسی سخت سزا تجویز کی ہے جس سے مظلوم کو پورا پورا انصاف مل سکے۔ اسلام تشدد کرنے کی اجازت نہیں دیتا لیکن جو تشدد پر آمادہ ہو جائے اسے آزاد چھوڑنا بھی سماج کے لئے خطرناک ہے۔

اسلام لوگوں سے آپس میں حسن سلوک بالخصوص غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کے معاشرے میں رواداری کی تعلیم و تلقین کرتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کریم کی تعلیمات صاف اور صریح اور مذہبی رواداری اور فراخدلی پر مشتمل ہے۔ زندگی کے صحیح اور غلط راستوں کی حقیقت بیان ہونے کے بعد اعلان کیا جاتا ہے: "لا اکراہ فی الدین" (البقرہ: ۲۵۶) (دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے)۔

اسلام میں امن وسلامتی اور صلح و آشتی کے خواہاں کفار و مشرکین کے ساتھ بھی حسن سلوک کی اجازت و ہدایت ہے: "لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب

المقسطین" (الممتحنہ:۸) (اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جن لوگوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ نہیں کی، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)۔

اسلام دہشت گردی کا روادار نہیں ہے، کیونکہ اسلام ایک خالق کے ذریعہ انسان کی تخلیق، تمام انسانوں کو ایک مرد اور ایک عورت کی اولاد اور اللہ ترسی و پرہیزگاری کو واحد معیار شرافت قرار دے کر تمام انسانیت میں جنگ و جدل کے محرکات کا جڑ سے خاتمہ کر دیتا ہے، اور صلح و امن کی بنیادی و آفاقی حقیقت پر اپنی نشان لگاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شرک بالتوحید کا سودا نہ کرتے ہوئے قرآن کریم صاحب ایمان کو امن کا زیادہ حق دار قرار دیتا ہے۔

"فأی الفریقین أحق بالأمن إن کنتم تعلمون، الذین آمنوا ولم یلبسوا إیمانھم بظلم أولئک لھم الأمن وھم مھتدون" (الانعام:۸۱،۸۲) (پھر اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ دونوں میں سے کون سی جماعت امن کی زیادہ حقدار ہے، جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا، انہی کے لئے امن ہے، اور وہی راہ راست پر ہیں)۔

ایمان اور مومن کے الفاظ جس مادے سے مشتق ہیں، "ا م ن" اس کا لفظ امن ہی ہے، اسی طرح اللہ پر کامل یقین، جو ظلم سے پاک ہو، امن کا باعث اور ضامن ہے۔ چنانچہ امن کی حقیقی قدر اور اس کی پاسداری بھی اہل ایمان ہی کر سکتے ہیں، اسی صداقت کے پیش نظر قرآن کریم نے بدامنی، فساد اور فتنے کو قتل سے بھی بڑا جرم قرار دیا ہے۔

"والفتنة أشد من القتل" (البقرہ:۱۹۱)۔

دہشت گردی ایک وحشیانہ فعل ہے اور اسلام کے تہذیبی نظام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام انسان کو صرف اللہ کا خوف دیتا ہے، لہٰذا وہ کسی انسان کو اس کی اجازت نہیں

رہے سکتا کہ وہ لوگوں کو اپنا خوف دلائے اور انہیں خوف زدہ کر کے اپنے اغراض و مقاصد اور مفادات حاصل کرے۔ معاشرے میں کشیدگی اور کشمکش اسلام کو گوارا نہیں، وہ ہر قسم کی کشمکش اور چپقلش ختم کر کے ایک پر امن ماحول میں افراد کے درمیان الفت و محبت، اخوت و بھائی چارگی، اور رفاہی کاموں میں اشتراک و تعاون کے مواقع پیدا کرنا چاہتا ہے، تا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے پوری یکسوئی کے ساتھ اپنی اور کائنات کی تخلیق کے مقاصد کی تکمیل میں بے روک ٹوک مشغول ہوں۔ دنیا میں اخلاص اور اللہ ترسی کے ساتھ نیک اعمال کر کے آخرت کی کامیابی کا سامان کریں۔

اسلامی جہاد کی شان یہ ہے کہ ظالم اقتدار کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنا اس کی اہم ترین خصوصیت ہے، اور ظالم کو اس کے ظلم سے روکنے کی کوشش ایمان کی علامت ہے۔ اس لئے کہ لوگوں کو برائی سے منع اور بھلائی کی تلقین کرنا امت مسلمہ کا امتیازی کردار اور منصبی فریضہ ہے۔ یہ جہاد شر کے خلاف تعمیری محاذ آرائی اور باطل کے ساتھ حق کی پنجہ کشی ہے، جس میں طاقت کا استعمال کسی تخریبی سرگرمی کے لئے نہیں، صرف تعمیری مقاصد کے لئے ہوگا۔ یہ حق پسندی اور حق گوئی، دہشت گردی اور دہشت پسندی کے لئے پیغام فنا ہے، خواہ اس کا ارتکاب کوئی فرد کرے، کوئی جماعت کرے، یا کوئی حکومت کرے۔

۲۔ بلاشبہ شر پسند حکومتوں کے ان غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ پر بھی دہشت گردی کا اطلاق ہوگا، کیونکہ دہشت گردی درحقیقت بے قصور اور معصوم افراد پر ظلم و ستم ڈھا کر ان کو ہراساں و پریشان کرنے کا نام ہے، خواہ یہ درندگی و سفاکی افراد کی طرف سے ہو یا گروہوں، جماعتوں اور حکومتوں کی جانب سے۔ دہشت گردی کے لفظ میں سنگ دلی، بے رحمی، اور تشدد زنی کے مفاہیم مضمر ہیں۔

أُخرجوا من ديارهم بغير حق الا أن يقولوا ربنا الله" (الحج: ۳۹-۴۰) ترجمہ: جن مومنوں سے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، انہیں اب جنگ کی اجازت دے دی گئی، اس لئے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے، اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے، جو لوگ اپنے گھروں سے ناحق اس لئے نکال دیئے گئے کہ انہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے۔

ترمذی، نسائی اور طبری وغیرہم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب رسول کریم ﷺ مکہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیئے گئے تو یہ آیت نازل ہوئی، حضرت ابو بکرؓ نے جب یہ آیت سنی تو کہا کہ اب جنگ ہوگی۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے: حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ جہاد سے پہلی آیت نازل ہوئی تھی، مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی تعداد کم اور مشرکین کی تعداد زیادہ تھی، اسی لئے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صبر کی تلقین کرتا رہا، بیعت عقبہ کی رات میں اہل مدینہ کی تعداد اسی (۸۰) سے زیادہ تھی، انہوں نے رسول کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد اجازت چاہی کہ منیٰ میں موجود مشرکوں کو قتل کر دیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے، ہجرت کے بعد رسول کریم ﷺ اور مہاجرین مدینہ میں جمع ہو گئے، اور مہاجرین اور انصار کی مجموعی تعداد سے مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی طاقت وجود میں آ گئی، اور مدینہ ان کی چھاؤنی اور مسلمانوں کا دار الاسلام بن گیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر کے جہاد کو مشروع کر دیا۔

مکہ میں مسلمانوں پر جو ظلم و ستم ہوا اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا گیا تو ان کا کوئی قصور نہیں تھا، سوائے اس کے کہ انہوں نے اس بات کا اقرار کر لیا تھا کہ ان کا رب صرف اللہ ہے، اسی لئے مدینہ آنے کے بعد جب ان کی ایک طاقت وجود میں آ گئی تو اللہ نے انہیں جہاد کی اجازت دے دی تاکہ ان پر جو ظلم ہوا تھا اس کا بدلہ لے سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا: "وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا إن اللہ لا یحب المعتدین" (البقرہ: ۱۹۰) (اور اللہ کی راہ میں قتال کرو ان لوگوں سے جو تم سے قتال کرتے ہیں، اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، لیکن زیادتی نہ کرو، یعنی نہ جنگ کی ابتداء تمہاری طرف سے ہونی چاہیے، اور نہ جن سے جنگ کرنے سے تمہیں منع کیا گیا ہے ان سے جنگ کرو، مثال کے طور پر عورتیں، بوڑھے، پاگل، بچے، گرجوں میں رہنے والے، اور جن سے تمہارا معاہدہ ہے انہیں قتل نہ کرو، کسی کا مثلہ نہ کرو، حیوانات کو قتل نہ کرو، اور درختوں کو نہ کاٹو، اور اسلام کی دعوت دیے بغیر اچانک کسی قوم پر حملہ نہ کرو، اس لیے کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (تیسیر الرحمن لبیان القرآن: ۱/۱۰۹)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے: "نہی عن قتل النساء والصبیان" (یعنی نبی کریم ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا) (بخاری: کتاب الجہاد)۔

حدیث مذکورہ کا پس منظر راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک غزوہ میں دیکھا گیا کہ مخالف کیمپ کی ایک عورت قتل ہوگئی ہے، آپ ﷺ نے اس حرکت کو ناپسند کیا اور عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا (مسلم: کتاب الجہاد والسیر)۔

رسول کریم ﷺ جب کوئی لشکر روانہ فرماتے تو اس کے امیر کو خاص طور پر تقویٰ کی اور ان مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کی نصیحت فرماتے جو جنگ میں شریک اور اس کے ماتحت ہیں، اس کے بعد فرماتے: "انطلقوا باسم اللہ وباللہ وعلی ملة رسول اللہ، ولا تقتلوا شیخاً فانیاً، ولا طفلاً، ولا صغیراً، ولا امرأة، ولا تغلوا، وضموا غنائمکم، واصلحوا وأحسنوا إن اللہ یحب المحسنین" (ابوداؤد: کتاب الجہاد، باب فی

المحسنین) (یعنی جاؤ اللہ کا نام لے کر، اللہ کی مدد چاہتے ہوئے، اور اللہ کے رسول کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے، قتل نہ کرو کسی شیخ فانی کو، کسی بچے کو، کسی کم سن کو، اور کسی عورت کو، خیانت نہ کرو، اپنی غنیمتیں جمع کرو، اپنے معاملات ٹھیک رکھو، اور حسن سلوک کرو، اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔

یہ اور اس مفہوم کی بہت ساری روایات ہیں جن سے یہ بات متشرح ہوتی ہے کہ اسلام میں بے قصور اور ظلم میں شامل نہ ہونے والوں پر کسی طرح کی زیادتی روا نہیں۔

۵۔ اگر کہیں دہشت گردی کسی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی ناانصافی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے تو اس کے تدارک کے لئے اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ کسی بھی حکومت میں بسنے والے تمام گروہوں کو ان کے معاشی یا سیاسی حقوق پورے طور پر فراہم کئے جائیں۔ اور کسی بھی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی ناانصافی روا نہ رکھی جائے۔ اسلام ہر نوع کے ظلم و جور کے خلاف ہے، وہ اس کی کسی بھی حال میں اجازت نہیں دیتا اور اپنے ماننے والوں کو عدل وانصاف کا پابند بناتا ہے، وہ اس کی بنیاد پر پورے معاشرہ کی تعمیر چاہتا ہے۔ لہٰذا اگر وہ جگہ جہاں سیاسی یا معاشی ناانصافی کی وجہ سے دہشت گردی جنم لیتی ہے وہاں ہر طرح کا عدل وانصاف کا قیام عمل میں لایا جائے تو یہ مرض بآسانی اس ملک سے دور ہو سکتا ہے۔

اور جہاں طاقت وقوت کے ذریعہ حکومت اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کرنے کی خواہش کی بنا پر دہشت گردی جنم لیتی ہے تو اس کے تدارک کے سلسلے میں اسلام کی ہدایت ہے کہ دشمن سے مقابلہ کے لئے حکومت بھی اس کے دفاع کے لئے پوری تیاری جاری رکھے گی اور جنگی لحاظ سے مضبوط ہوگی تو مخالف قوتیں جو سامنے ہیں ان پر بھی اور جو چھپی ہوئی ہیں ان پر بھی دھاک بیٹھے گی اور وہ اس پر حملہ آور ہونے کی ہمت نہ کر سکیں گے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم وآخرین من دونھم، لا تعلمونھم اللہ یعلمھم، وما تنفقوا من شیء فی سبیل اللہ یوف الیکم وانتم لا تظلمون" (الانفال: ۶۰) (اور کافروں کے مقابلے کے لئے ہر ممکن طاقت اور فوجی گھوڑوں کو تیار رکھو جن کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو مرعوب کر دو گے، اور دوسرے دشمنوں کو بھی جو ان کے علاوہ ہیں جنہیں تم نہیں جانتے ہو انہیں اللہ جانتا ہے، اور تم اللہ کی راہ میں جو بھی خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا کا پورا دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں ہوگا)۔

۶- ہر انسان کا یہ فطری حق ہے کہ وہ اپنی جان و مال یا عزت و آبرو کی حفاظت کرے اور کسی طرف سے اس پر حملہ ہو تو اس کا دفاع کرے۔

انسان کا گھر اور خاندان اس کا اپنا ہے۔ اسے اپنی بیوی، بچوں، ماں باپ اور افراد خاندان سے جذباتی لگاؤ و تعلق ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات وہ اپنی جان عزیز سے بھی زیادہ ان سے محبت و پیار کرتا ہے۔ اس پر ان کی اخلاقی اور قانونی ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔ اس کا یہ حق ہے کہ انہیں ظلم و زیادتی کا شکار ہونے نہ دے اور ان پر کسی قسم کی دست درازی یا حملہ ہو تو ان کا مکمل دفاع کرے، بعض صورتوں میں اپنا اور اہل خاندان کا دفاع آدمی پر واجب ہوتا ہے۔

دفاع کے اس حق کو دنیا کا ہر مہذب قانون تسلیم کرتا ہے، اسلام نے بھی اسے ایک بنیادی حق کے طور پر مانا ہے۔ اس کے نزدیک ہر انسان کو اپنی جان و مال یا عزت و آبرو اور اپنے خاندان کے دفاع کا پورا حق حاصل ہے۔ ایک مسلمان کی جان اس راہ میں چلی جائے تو وہ شہادت کا مقام حاصل کرے گا۔ رسول کریم ﷺ کے متعدد فرمودات اور ارشادات میں اس کی پوری وضاحت موجود ہے۔

حضرت سعید بن زید کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد" (ترمذی: کتاب الدیات، باب ما جاء فی من قتل دون ماله فهو شهيد) (یعنی جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنی جان کی حفاظت میں قتل کردیا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنے گھر والوں کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے)۔

دفاع کے سلسلے میں دو ضروری باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱- دفاع کی ذمہ داری دراصل ریاست کی ہے کہ وہ شہریوں کی جان و مال و عزت و آبرو کی حفاظت کرے۔ کسی شہری یا شہریوں کے کسی گروہ کو اپنے دفاع کی اس وقت ضرورت پیش آتی ہے جب اچانک حملہ ہو اور ریاست کو اپنی ذمہ داری ادا کرنے کا موقع نہ مل سکے یا وہ اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی کرے، اس لئے ضروری ہے کہ جہاں انسان یہ دیکھے کہ اس کی جان و مال یا عزت و آبرو کو خطرات لاحق ہیں، پہلے حکومت کو اس کی ذمہ داری یاد دلائے اور اس کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرے، لیکن اگر اس کا موقع نہ ہو یا حکومت کی طرف سے غفلت برتی جائے تو آدمی دفاع کا پورا حق رکھتا ہے۔

۲- دفاع میں اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ طاقت کا کم سے کم استعمال ہو۔ اگر حملہ آور صرف ڈرانے دھمکانے یا شور مچانے سے فرار کی راہ اختیار کرے تو اسے زخمی کرنے یا قتل کرنے کی کوشش نہیں ہوگی۔ اس کی جان اسی وقت لی جائے گی جب کہ اس کے سوا کوئی دوسری تدبیر کارگر معلوم نہ ہوتی ہو۔

دفاع کا حق ایک مسلّمہ حق ہے۔ اس سے متعلق کچھ اور بھی فروعات ہیں جو حسب ذیل

اسلام اور عالمی امن

مولانا عبدالرشید قاسمی [illegible]

بلاشبہ اسلام جو رب العالمین کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے آخری پسندیدہ دین ہے کسی طرح کی ظلم و جارحیت کا ہرگز قائل نہیں لہٰذا وہ دہشت گردی کی بھی کسی طرح تائید نہیں کرتا جس میں بے گناہوں کے جان و مال کو نشانہ بنایا جاتا ہے لیکن کچھ ایسے مفسدین پیدا ہوتے رہیں گے جو اپنے کو مصلحین میں بزعم خود شمار نہیں کریں گے بلکہ یہ کہیں گے کہ ہم ہی مصلح ہیں، باقی دنیا مفسد اور ہم فساد کا سد باب کرنے والے ہیں۔

"وإذا قيل لهم لا تفسدوا في الأرض قالوا إنما نحن مصلحون ألا إنهم هم المفسدون ولكن لا يشعرون" (سورۂ بقرہ:۱۱-۱۲)۔

امام راغب اصفہانی فساد کی تعریف یہ کرتے ہیں:

"الفساد خروج الشيء عن الاعتدال ويضاده الصلاح" (مفردات القرآن، ۳۶۴)

(اعتدال سے کسی چیز کا نکلنا ہی فساد ہے اور یہ اصلاح کی ضد ہے)۔

قرآن کریم نے بزعم خود مصلحین کی نیت کو بھانپ لیا اور دو ٹوک لفظوں میں فرمایا کہ ان کو دنیا میں بھی عبرتناک سزا ملے گی اور آخرت میں بھی وہ عذاب عظیم کے مستحق ہوں گے:

"إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فساداً أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض

ذلک لهم خزي في الدنيا ولهم في الآخرة عذاب عظيم" (المائدہ:۳۳)۔

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے رہتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹے جائیں یا وہ ملک سے نکال دیئے جائیں یہ تو ان کی رسوائی دنیا میں ہوئی اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے)۔

صاحب جمل فرماتے ہیں کہ "یسعون في الأرض فسادا" محاربۃ المسلمین کے معنی میں ہے یعنی جو فساد پھیلانے والے ہیں وہی محارب ہیں، کیونکہ اہل تحقیق کے نزدیک دونوں فقروں کے درمیان "و" واو تفسیری ہے اور اس لئے دوسرا فقرہ "یسعون في الأرض" پہلے فقرہ "الذین یحاربون الله ورسوله" کی تشریح و تفسیر اور اس کی مراد متعین کر رہا ہے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ مراد آیت بالا کی راہزنوں اور ڈاکوؤں کے گروہ سے ہے عام اس سے کہ وہ بہادر کافر ہو یا مسلمان، کیونکہ یہ گروہ جب اپنی اصلاح کا نمونہ دکھانے کے لئے نکلتا ہے تو پوری شان وشوکت کے ساتھ جس پر حملہ کیا جائے وہ ہتھیار سے مقابلہ کی تاب نہ لا سکتی۔

"ذهب أكثر المفسرين وعليه جملة الفقهاء إلى أنها نزلت في قطاع الطريق" (اکثر مفسرین اور تمام فقہاء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ آیت ڈاکوؤں کے بارے میں نازل ہوئی ہے)۔

عاصیوں اور نافرمانوں کے طبقہ میں یہ گروہ خصوصیت کے ساتھ محاربین کا مصداق ہوتا ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں: "يتناول كل من كان موصوفا بهذه الصفة سواء كان كافرا أو مسلما" (ہر وہ شخص جو اس صفت سے متصف ہو خواہ کافر ہو یا مسلمان اس حکم میں شامل ہے)۔

امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں: "ولم يسم بذلك كل عاص لله تعالى إذ

جبی بهذه الحزنة فی الامتناع واظهار المغالبة فی أخذ الأموال وقطع الطريق" (اور اللہ کے ہر نافرمان کو محارب نہیں کہا جائے گا کیونکہ وہ مالوں کے چھیننے اور راستہ کو منقطع کرنے اور لوگوں کو روکنے میں اس مرتبہ کو نہیں پہنچتا) (تفسیر قرآن، ۹۰۰)۔

یہاں محاربہ سے مراد معصیت اور مخالفت یا اللہ اور اس کے رسول کے لئے قانون کو توڑنا اور اس سے مقابلہ کرنا ہے، اہل لغت نے یہی معنی لئے ہیں۔ المعصية ای يعصونه (معصیت یعنی اس کی نافرمانی کرنا)۔

اب جو کوئی کسی رہگذر یا کسی پر بلا عذر حملہ کرتا ہے، وہ یہی جرم سعی فی الارض کا مرتکب ہوتا ہے اور یہی اللہ اور رسول سے محاربہ ہے۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

"سمی قاطع الطريق محاربا لله لكون المسافر معتمداً على الله تعالى فالذي يزيل أمنه محارب لمن اعتمد عليه في تحصيل الأمن" (ڈاکوؤں کو اللہ سے محاربہ کرنے والا اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ مسافر نے اللہ پر اعتماد کیا تھا اور ڈاکو اب اس کے امن کے درپے ہے لہذا محارب اس سے امن کے حصول میں جنگ کر رہا ہے) (تفسیر قرآن، ۹۰۰)۔

دہشت گردی کی تعریف:

پس معلوم ہوا کہ انفرادی یا اجتماعی یا حکومتی سطح پر کسی کے امن کو زائل کرنا یا جان، مال اور عزت کو لوٹنا یہ دہشت گردی میں شمار ہوگا۔ گویا دہشت گردی کی تعریف یہ ہوئی کہ جس نے بھی کسی کی عزت، آبرو اور جان، مال کو خطرہ میں ڈالا وہ اللہ اور رسول سے جنگ کرنے والا اور آج کی اصطلاح میں دہشت گرد ہے۔ کیونکہ محاربہ اور فساد دونوں کے معنی میں قدر اشتراک ہے، اس لئے کہ جو حربی ہوگا وہ عموماً فسادی بھی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر حربی بلا پروانۂ امن اسلامی

اختیف میں آئے تو اس کی جان اور مال مباح ہو جاتے ہیں، کیونکہ اس کی طرف سے فساد کا
امکان قوی ہوتا ہے۔(ج ۲، ص ۵۹۵)

۲۔ حکومت پر دہشت گردی کا اطلاق:

دہشت گردی کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں:

انفرادی دہشت گردی، اجتماعی دہشت گردی، حکومتی دہشت گردی۔

بعض وقت لوگوں کو حقوق کی پامالی اور محرومی کا احساس ردعمل پیدا کرتا ہے، اسی بناء پر
ردعمل کو کچلنے سے تشدد پیدا ہوتا ہے، اگر ان مسائل کو انصاف پسندی، عدل گستری کے ساتھ حل
کیا جائے اور حکمت وبصیرت اور افہام وتفہیم کو ملحوظ رکھا جائے تو مسائل تشدد کی راہ اختیار نہ کریں،
یہی مسائل کے حل کرنے کا دانشمندانہ طریقہ ہے لیکن مادی مسائل پر کنٹرول، انسانیت دشمن مشیروں
اور کارکنان کی غلط پالیسیوں کے بناء پر بعض وقت اصحاب اقتدار کو اس فریب میں مبتلا کر دیتا ہے
کہ حقوق کا مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ ناروا سلوک کی راہ اختیار کی جائے، اور عموماً یہ صورتحال
اس وقت وجود میں آتی ہے جب کسی ملک کے عوام شرعی حقوق کے خواہاں ہوتے ہیں اور ارباب
اقتدار اسے دہشت گردی قرار دے کر تشدد کے راستہ پر برق رفتاری سے سفر شروع کر دیتے ہیں۔
پس حکومت اور نوکر شاہی پر دہشت گردی کا اطلاق ہی نہیں ہوگا، بلکہ صرف عوام ہی دہشت گرد
قرار دیے جائیں گے، اس لئے کہ یہ "الذین یحاربون اللہ ورسولہ" کے صحیح مصداق
ہیں، کیونکہ ارباب اقتدار مطالبہ کرنے والوں سے اسی لئے بغض رکھتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے
رسول کے نام لیوا ہیں اور قانون خداوندی کے نفاذ کے متمنی اور خواہاں رہتے ہیں، چنانچہ ان مطالبہ کو
کچلنے کے لئے مہلک سے مہلک ہتھیاروں کا استعمال کرتے ہیں، اس قتل وغارت گری
میں خود ان کے قوانین ٹوٹ جائیں انہیں اس کی بالکل پرواہ نہیں، لہذا یہ "یسعون فی الارض

فسادا" میں بھی شمار ہوگا ایسی حکومتوں پر بھی دہشت گردی کا اطلاق بالکل صحیح ہے۔

۳-احتجاج اور ردعمل:

"لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول إلا من ظلم" (نساء:۱۴۸) (اللہ منہ پھوڑ کر برائی کرنے کو پسند نہیں کرتا سوائے مظلوم کے)۔

بلا ضرورت اور بلا مصلحت شرعی کسی کی بدگوئی کسی حال میں جائز نہیں، مظلوم البتہ اپنے دل کا بخار بے جھجک کر نکال سکتا ہے، اور حاکم کے سامنے فریاد لے جا سکتا ہے۔ انسان کے طبعی تقاضوں اور اضطراری اور نیم اضطراری ضرورتوں کا اس حد تک لحاظ بجز شریعت اسلامی کے اور کس نے کیا۔

پس احتجاج اور اظہار ناراضگی کے ثبوت کے لئے آیت بالا بین دلیل ہے جس سے صاف ظاہر ہوا کہ مظلوم کا ظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا درست ہے۔

عملی احتجاج کے جواز پر بھی ایک حدیث سے روشنی پڑتی ہے:

"جاء رجل إلى رسول الله ﷺ يشكو جاره، فقال: اطرح متاعك على الطريق، فطرحه فجعل الناس يمرون ويلعنونه فجاء إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله مالقيت من الناس، قال: وما لقيت منهم؟ قال: يلعنوني، قال: لعنك الله قبل الناس، فقال: إني لا أعود، فجاء الذي شكاه إلى النبي ﷺ فقال: ارفع متاعك فقد كفيت" (مجمع الزوائد ۸: ۱۷۰)۔

(ایک صاحب دربار رسالت میں پڑوسی کی شکایت لے کر پہنچے، آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا سامان نکال کر راستے پر رکھ دو، چنانچہ ان صحابی نے ارشاد نبوی کے مطابق ایسا ہی کیا۔ لوگ وہاں سے گزرتے اور اس کے پڑوسی پر لعنت بھیجتے جاتے، وہ پڑوسی حضور ﷺ کی خدمت

کرتے ہیں تو ایسے لوگوں سے مظلوم کے لئے بدلہ لینا جائز ہے۔ اور عورت، شیخ فانی اور بچوں کو بطور
انتقام قتل کرنے کو تو بدلہ کی بات دور یہ حرام ہوگا اور عنداللہ ظالموں میں شمار ہو جائے گا۔ اگر یہ لوگ
صاحب رائے ہوں کسی مرتبہ یا روپیوں سے دشمن کی مدد کرتے ہیں تو پھر ان سے بطور انتقام بدلہ لینا
جائز ہوگا۔

"ولا تقتلوا امرأة ولا صبيا ولا شيخا فانيا ولا مقعدا ولا أعمى لأن المبيح للقتل عندنا هو الحراب ولا يتحقق منهم ولهذا لا يقتل يابس الشق والمقطوع اليمنى والمقطوع يده ورجله من خلاف والشافعي يخالفنا في الشيخ والمقعد والأعمى لأن المبيح عنده الكفر والحجة عليه ما بينا وقد صح أن النبي عليه السلام نهى عن قتل الصبيان والذراري وحين رأى رسول الله ﷺ امرأة مقتولة قال هاه ما كانت هذه تقاتل فلم قتلت" (الہدایہ ۲: ۵۶۱)

(عورت، بچہ، شیخ فانی، اپاہج اور اندھے کو قتل نہ کرے اس لئے کہ ہمارے نزدیک جنگجو کو ہی قتل کرنا جائز ہے چونکہ عورت وغیرہ سے جنگ کا صدور نہیں ہوتا اسی وجہ سے مفلوج اور دایاں ہاتھ بایاں پیر یا بایاں ہاتھ دایاں پیر کٹے ہوئے کو قتل کرنے کی اجازت نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک شیخ فانی، اپاہج اور اندھے کو کفر کی بنا پر قتل کرنا جائز ہے اور یہ روایت صحیح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا اور آپ ﷺ نے جس وقت ایک مقتولہ عورت کو دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس نے کس جرم میں اسے قتل کیا اس کا قتل کرنا جائز نہیں۔)

ان اصولی آراء کی روشنی میں معلوم ہوا کہ مظلوم کو ظلم کرنے والے گروہ کے انہیں افراد کو بطور انتقام قتل کرنا یا ان سے بدلہ لینا جائز ہے جو ظالم کسی طرح کے معین ہوں۔ اعانت کی شکلوں میں اولی و اعلی کی تقسیم نہیں کی جائے گی۔

۵- اسبابِ تدارک:

کسی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی نا انصافی ہورہی ہو تو ان اسباب کے تدارک کے لئے درج ذیل صورتیں اختیار کرنی چاہئے:

۱- حضرت ابودرداءؓ سے یہ الفاظ حدیث منقول ہیں:

"إن الله يقول أنا الله لا إله إلا أنا مالك الملك وملك الملوك وقلوب الملوك بيدي وإن العباد إذا أطاعوني حولت قلوب ملوكهم عليهم بالرأفة والرحمة وإن العباد إذا عصوني حولت قلوب عليهم بالسخط والنقمة فساموهم سوء العذاب فلا تشغلوا أنفسكم بالدعاء على الملوك ولكن اشغلوا أنفسكم بالذكر والتضرع أكفكم ملوككم" (مجمع الزوائد ۵: ۲۴۹)۔

(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں مالک الملک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں اور بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے دلوں کو ان کی طرف رحمت وشفقت سے متوجہ کرتا ہوں، اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے دلوں کو ان کے خلاف ناراضی اور غضب کے ساتھ متوجہ کردیتا ہوں چنانچہ وہ انہیں بدترین اذیتیں پہنچاتے ہیں، لہٰذا تم بادشاہوں کو بددعا دینے میں مشغول نہ ہو بلکہ اپنے آپ کو ذکر اور دعا وتضرع میں مشغول رکھو، میں تمہارے بادشاہوں کے معاملے میں تمہاری مدد کروں گا)۔

حدیث پاک سے اسبابِ تدارک میں سے ایک سبب یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی گروہ یا علاقے والوں کے ساتھ معاشی، سیاسی اور علاقائی ناانصافی ہورہی ہو تو پہلا کام انہیں یہ کرنا ہے کہ اللہ رب العزت سے اپنی پریشانی کے ازالے کی درخواست کریں اور ذکر واذکار، استغفار وغیرہ

بلکہ حقیقت میں اس کے بغیر آگے کی کوئی بھی تدبیر کامیاب ہونے والی نہیں ہے۔

۲۔ منکر کو اپنی طاقت بھر روکنے کی کوشش کرنا واجب ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"من رأى منكم منكراً فليغيره بيده ومن لم يستطع فبلسانه ومن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان" (مشکوۃ ۲/۴۳۶) (تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے، اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے نکیر کرے، اور اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے، اور یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے)۔

۳۔ ناانصافی کسی بھی شکل میں ہو ظلم ہے اور ظلم منکر کی ایک بدترین شکل ہے، لہٰذا اس منکر کو مٹانے کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں، مثلاً اپنے سیاسی اور عوامی اثر و رسوخ کا استعمال کرے، اگر عدالتی چارہ جوئی سے مدد ملتی ہو تو عدالت سے چارہ جوئی کی جائے۔ اطراف کے بااثر افراد سے اس ظلم کو روکنے کی درخواست کی جائے اور ان سے بھی مادی سیاسی مدد حاصل کی جائے۔ اگر تدارک میں جنگ و جدال کی نوبت آئے تو اس کی بھی تیاری اور ہمت کی جائے۔ حضرت تھانوی نے اس طرح کی ناانصافی کے تدارک کے لئے یوں فتویٰ دیا ہے: "ایسا مال ظلم کرنا جس میں جواز کا شبہ بھی نہ ہو بلکہ صریح ظلم ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اپنے اوپر سے ظلم کو دفع کرے، اگرچہ قتال کی نوبت آ جائے اور صبر بھی جائز ہے مگر مقابلہ اولیٰ ہے (احسن الفتاوی ۶/۱۳۱)۔

پس عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ ناانصافی خواہ کسی شکل میں ہو اس کا تدارک کرنا واجب ہے اور اسباب تدارک میں دعا و ذکر، استغفار اور افہام و تفہیم، سیاسی اثر و رسوخ، اطراف علاقے کے سربرآوردوں سے امداد و تعاون اور جنگ بھی ہے، ان میں سے حالات کے مطابق اسباب تدارک اختیار کرنا ضروری ہے۔

کرنا ہے وہ چاہے ظلم کا شکار ہو خواہ حقیقتاً یا امکاناً۔ پھر دفاع کرے۔ اور دفاع کا حکم عرض کر دیا

دین کی وجہ سے۔ مدافعت انفرادی اور اجتماعی ہو سکتی ہے۔ پس حق مدافعت کے لئے تیاری میں

اور اجتماعی قوت ضروری نہیں جس کی شریعت میں ہر وقت اجازت ہے۔

پس مسلمانوں سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب جان، دین اور عزت و آبرو خطرہ میں

پڑ جائے تو وہ بے اعتنائی اور سرخمیدگی کی راہ اختیار کرنے کے بجائے متحد ہو کر اپنی حفاظت

کریں۔

دہشت گردی - اسلامی نقطۂ نظر

سید محمد [illegible] حسین شاہ - [illegible]
رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

اسلام مذہب امن ہے۔ اس کے نزدیک کسی کی جان لینا بہت بڑا ظلم ہے اور سب سے بڑا جرم ہے۔ اسلام انسانوں کی زندگی کو بے حد اہم سمجھتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: "انه من قتل نفساً بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعاً" (سورۃ مائدہ: ۳۲)۔

(بات یہ ہے جس نے کسی جان کو بغیر کسی جان کے بدلے کے یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے قتل کر دیا تو گویا اس نے سب انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی جان کو زندگی دلائی تو گویا اس نے سب انسانوں کو زندگی دلائی)۔

اس سے پتہ چلا کہ کسی بے گناہ کو مار دینا ساری انسانیت کا قتل ہے۔ اور کسی کو مارنے کی دو صورتیں یہاں آیت میں بیان ہوئی ہیں۔

۱۔ اگر کوئی انسان کسی انسان کو مار دیتا ہے تو اسے بدلے میں قتل کر دیا جائے گا۔

۲۔ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی زمین میں فساد پھیلاتا ہے۔ ڈاکے ڈالتا ہے، سڑکوں، راستوں، جنگلوں، پہاڑوں یا کسی مقام پر بھی انسانوں کو قتل کرتا ہے، مال لوٹتا ہے، عزت لوٹتا ہے۔ تو اسے جوابی طور پر سزائے موت ہوگی۔ قرآن پاک نے "فساد فی الأرض" (فساد فی زمین

کیونکہ بے گناہ کا قتل انسانیت کا قتل ہے، وہ کسی کی عزت پر ڈاکہ نہیں ڈال سکتا، وہ کسی کا مال نہیں لوٹ سکتا، وہ کسی کو زخمی نہیں کر سکتا، وہ کسی کو ڈرا نہیں سکتا، وہ کسی کی بے عزتی نہیں کر سکتا۔

اگر وہ اقتدار میں آتا ہے تو انصاف کرتا ہے، اقتدار سے باہر ہوتا ہے تو انصاف کے لئے جد و جہد کرتا ہے، وہ ہر اس بات کی شہادت اپنے اوپر فرض سمجھتا ہے جس کا اسے علم ہے، غور فرمائیں، جس فرد، جس معاشرے اور جس حکومت میں یہ صفات ہوں کیا وہ دہشت گرد ہے؟ یہ تو ایک مہذب معاشرے کے لئے بنیادی شرطیں ہیں، اسلام تو جبر و اکراہ کا بھی دشمن ہے۔

جبر و اکراہ اور اسلام:

اسلام جبراً کسی کا مذہب تبدیل کرنے کا شدید مخالف ہے، ارشاد ربانی ہے:

"لا اکراہ فی الدین" (بقرہ: ۲۵۶) (دین میں کوئی جبر نہیں ہے)۔

آپ اپنی خواہش کے تحت کسی کو جبراً مسلمان نہیں کر سکتے مزید ارشاد ربانی ہے:

"افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین" (یونس: ۹۹) (کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں)۔

جس مذہب میں جبر جرم ہو، انصاف کا بول بالا ہو، فساد کی بیخ کنی ہو، قتل سب سے بڑا جرم ہو، وہ دہشت گرد ہو سکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں، تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ دور حاضر میں غیر مسلم اقوام مسلمانوں پر اپنے مکروہ مقاصد کی تکمیل کے لئے دہشت گردی کا الزام لگا رہی ہیں یعنی چور ہمیں چور کہہ رہا ہے، صدیوں سے وہ خود دہشت گردی میں مبتلا ہیں وہ غیر ادست ہیں اور بے گناہوں پر الزام لگاتے ہیں۔

اسلام نے تو دہشت گردوں اور باغیوں کے لئے شدید سزائیں رکھی ہیں، ملاحظہ ہو:

"یقیناً ان لوگوں کی سزا جو اللہ و رسول کے مقابل جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فسا

سے لئے تگ و دو کرتے ہیں یہ ہے کہ انہیں اچھی طرح قتل کر دیا جائے، یا صلیب پر چڑھا دیے جائیں، یا ان کے ہاتھ پاؤں ایک دوسرے کے خلاف (دایاں ہاتھ بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں) کاٹ دیے جائیں، یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے، یہ دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہے، اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے (المائدہ: ۳۳)۔

رہی بات مسلمان ریاست میں غیر مسلموں سے سلوک کی تو مختصر گزارش ہے۔

غیر مسلموں سے سلوک:

اسلام غیر مسلموں سے حسن سلوک کا قائل ہے، وہ انہیں اپنی حکومت میں مذہبی آزادی دیتا ہے، کمانے کی آزادی دیتا ہے، تعلیمی آزادی دیتا ہے، حتیٰ کہ ایسے کلمات کہنے پر بھی گرفت نہیں کرتا جن پر مسلمانوں کی گرفت ہوتی ہے۔

ہم پیچھے تفصیلاً عرض کر چکے ہیں کہ غیر مسلموں کے حق میں وصیت کی جا سکتی ہے، انہیں صدقات دیے جا سکتے ہیں، خواہ وہ نقدی کی صورت میں ہوں، جنس کی صورت میں ہوں، یا غذائی اجناس ہوں، جو غیر مسلم اسلامی ریاست میں رہتے ہیں وہ ذمی ہیں، ذمی نہ گالی ہے اور نہ ہی کوئی خراب لفظ، یہ ذمہ (ذمہ داری) سے بنا ہے، اس کا مطلب ہے ان کے مذہب، جان، مال اور املاک کی ذمہ دار مسلمان حکومت ہے، سیدنا فاروق اعظمؓ نے ایسے ذمی کی ذمہ داری اٹھانے کا حکم دیا جو بڑھاپے کی وجہ سے قانونی ٹیکس نہیں دے سکتا تھا، اس کی ذمہ داری کا مطلب اسے روٹی، کپڑا اور مکان مہیا کرنا تھا۔

" اسلام نے تو یہاں تک رعایت دی کہ اگر غیر مسلم آپ سے جنگ کرتے قتل ہو گیا ہے تو اس کا مثلہ (شکل بگاڑنا) نہیں کریں گے، انہیں دھوکہ نہیں دیں گے" (ہدایہ ۲: ۳۲۲)۔

" اگر وہ مسلمانوں کا مال اپنے ملک میں لے جائیں تو قبضہ کر لیں اور مسلمان وہاں طلب

پاس تو یہ مال مسلمان قیمت دے کر واپس نہیں گے" (ایضاً ۲، ۱۵۳)۔

اگر ذمی ہے، جزیہ (تحفظ کا ٹیکس) نہیں دیتا یا کسی مسلمان کو قتل کرتا ہے، یا نبی کریم علیہ السلام کی گستاخی کرتا ہے، یا کسی مسلمان عورت سے بدکاری کرتا ہے تو پھر بھی وہ ذمی رہے گا (ہدایہ ۱، ۵۶۳)۔

ان سب کے باوجود ابھی بھی ہم ہی مستوجب عذاب و عتاب ہیں، ابھی بھی ہم سے شکایت ہے۔

؎ خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد

اس مختصر تمہید اور سابقہ تحریر نے بہت سے مسائل واضح کر دیئے ہیں، اب سوالات کی طرف آتے ہیں:

۱۔ اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی یہ ہے کہ بلا وجہ کوئی فرد یا کچھ افراد مل کر بے گناہ لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیں، مال لوٹنے لگ جائیں، جائیدادیں تباہ کرنے لگ جائیں، عصمت دری کرنے لگیں، یہ سب شہروں میں کریں، مجمعوں میں کریں، گھروں میں کریں، شاہراہوں پر کریں، جنگلوں میں کریں، ہوائی جہازوں، بحری جہازوں، گاڑیوں یا کسی بھی اور مقام پہ کریں۔ طریقۂ واردات یہ ہو کہ ڈر اور خوف پھیلا دیں، اچانک فائرنگ کر کے، بم بلاسٹ کر کے یا کسی بھی اور قسم کے جبر و تشدد سے کریں تو یہ دہشت گردی ہو گی۔

دہشت پھیلا کر کوئی مقصد حاصل کرنا دہشت گردی ہے، اور اس کی حقیقت یہی ہے جو ابھی ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔

اب بات بالکل واضح ہے کہ اسلام تو اسے محاربہ کہہ کر ایسے ظالم لوگوں کو شدید سزا دیتا ہے، جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں، مزید برآں ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ اسلام امن، آشتی

اور محبت کا موجب ہے۔ وہ دہشت گردی کو ختم کرنا جرم تصور کرتا ہے۔ جب کہ دنیا میں اپنے مفادات
کی خاطر بے گناہ مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے۔ یہ الزام سراسر ظلم و زیادتی ہے۔ جبکہ
حقیقت حال کو بھی پتہ چل جائے گا کہ ان کا الزام بے جا تھا۔

۲۔ حکومتوں کے قیام کا مقصد انصاف قائم کرنا، عوام کے مسائل کا خیال رکھنا، ان کے مصائب کو دور کرنا، ظلم سے لوگوں کو بچانا اور خود ظلم سے بچنا ہوتا ہے۔ اگر حکومت خود ظلم شروع کر دے اور تمام طبقات کے ساتھ عدل و مساوات کا سلوک نہ کرے اور ان کے ساتھ سیاسی و معاشی ناانصافی کرے اور ان کے بنیادی حقوق کے تحفظ سے بھی پہلو تہی کرے اور کسی طبقے کو جانی و مالی نقصان بھی پہنچائے تو یہ سب فعل ظلم و تعدی ہیں اور ظلم کا دوسرا نام دہشت گردی ہے۔ ایسی حکومتیں اسلامی نقطہ نگاہ سے دہشت گرد ہیں، خواہ وہ مسلم حکومتیں ہوں یا غیر مسلم حکومتیں ہوں۔ ایسی حکومتیں اپنے فرائض سے بھی غفلت کے جرم کی مرتکب ہیں۔

اسلام نے تو ایسی حکومت کے احکام ماننے سے بھی روک دیا ہے اگر معصیت کی بات وطاعت ہو، ارشاد نبوی ہے:

"مالم يؤمر بمعصية فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة" (بخاری، ج ۲، ص ۱۰۵۷)

(جب تک اسے گناہ کا حکم نہ دیا جائے، جب حکومت گناہ کا حکم دے تو پھر اس کی بات نہ سنی جائے گی اور نہ ہی اس کی اطاعت کی جائے گی)۔

یہ جو حکومت خود مجرم ہے ظالم ہے، حقیقی ﷺ کی منشا ہے اس کی اطاعت لازم نہیں رہتی۔

۳۔ اگر حکومت کسی گروہ کے ساتھ ظلم و تعدی و ناانصافی کا رویہ رکھے تو ان کے خلاف

احتجاج ہوگا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے افضل جہاد قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ کا ترجمہ
ہے: "سب سے بڑا جہاد ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے"۔

یہ حدیث تقریباً سب صحیح کتابوں میں موجود ہے۔ ایک اور حدیث کا مفہوم یہ ہے:
"منکر کو ہاتھ سے روکو، اگر یہ ممکن نہ ہو تو زبان سے روکو، یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل سے برا سمجھو مگر یہ سب
سے ضعیف ایمان ہے"۔

اگر آپ اس مسئلے میں مارے جائیں تو یہ شہادت ہے۔ اپنی جان، اپنے مال اور اپنی
عزت و آبرو کی حفاظت میں موت اسلام کے نزدیک شہادت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے اس
ارشاد کو سب مشہور کتب حدیث میں محدثین نے نقل کیا ہے۔

رہی بات یہ کہ ایسا عمل دہشت گردی تو نہیں؟ تو عرض ہے کہ دہشت گردی بے گناہوں
کے قتل و غارت کا نام ہے۔ تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ یہ عمل تو دہشت گردی کا رد عمل ہے۔ اور حق طلبی
ہے۔ حق طلبی اسلام، دیگر سب مذاہب اور انسانیت دوست عادل حکومتوں کے نزدیک نہ صرف
جائز بلکہ لازم ہے۔ اسلامی تاریخ میں سیدنا امام حسین علیہ السلام اور سیدنا امام احمد بن حنبل اور
برصغیر میں حضرت مجدد الف ثانی نے طلب حقوق کے لئے جابر حکمرانوں سے ٹکر لی۔ کیا انہوں نے
دہشت گردی کا راستہ اپنایا؟ ان حضرات نے جرأت و شجاعت کی نئی تاریخ لکھی۔ اگر
دہشت گردی کے خلاف اگر کلمۂ حق کہا نہ گیا تو پھر ریاستی دہشت گردی بھی ختم ہونے میں نہیں
آئے گی لہٰذا تا حد مقدرت اسے ختم کرانے کے لئے جدوجہد لازم ہے۔

۴۔ اسلام بدلہ لینے کی اجازت صرف جرم کے برابر دیتا ہے اور اس ضمن میں یہ بھی حکم ہے کہ
اس سے ظلم سے زائد بدلہ نہ لیا جائے۔ مثلاً کسی نے اگر کسی کی ایک انگلی توڑ دی ہے تو اسلام اس کی
دونوں انگلیاں توڑنے کی اجازت نہیں دیتا اور ہاتھ کو جوڑ سے توڑنے کی اجازت بھی نہیں دیتا۔

اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اسے اس زیادتی کا بدلہ دینا ہوگا۔

اسلام تو عفو و درگزر کا مذہب ہے، اگر کوئی زیادتی کرتا ہے تو اسے معاف کر دینا بہتر ہے، اللہ کریم کے ہاں اس کا بہت اجر ہے، اگر بدلہ ہی لینا ہے تو وہ اس کی زیادتی کے مطابق ہوگا اس سے زائد نہیں۔

اب اگر کسی گروہ نے بدلہ لیتے ہوئے اس گروہ سے ہٹ کر ان کے ہم مذہبوں یا ہم وطنوں یا ہم جنسوں یا ہم زبانوں کو مارنے کی زیادتی کی تو اسلام قطعاً اس کی اجازت نہیں دیتا، اور بے گناہ کسی فرد کو مارنا اسلام کے نزدیک پوری انسانیت کو قتل کرنا ہے، اور یہ قرآن پاک کے حوالے سے ہم ذکر کر آئے ہیں۔

قصاص لینے کا فائدہ یہ ہے کہ آئندہ ایسی احمقانہ کوششیں رک جاتی ہیں، ارشاد ربانی ہے:

"ولكم في القصاص حياة يا أولي الألباب لعلكم تتقون" (البقرۃ:۱۷۹)

(اور تمہارے لئے قصاص (بدلے) میں اے عقل والو زندگی ہے تاکہ تم بچ جاؤ)۔

لیکن اس بدلے میں زیادتی و تعدی کی اجازت نہیں، ارشاد باری ہے:

"يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم القصاص في القتلى الحر بالحر والعبد بالعبد والأنثى بالأنثى فمن عفي له من أخيه شيء فاتباع بالمعروف وأداء إليه بإحسان" (سورۃ البقرۃ:۱۷۸) (اے ایمان والو! مقتولوں میں بدلہ تم پر لازم قرار دیا گیا ہے، آزاد کے بدلے وہی آزاد، غلام کے بدلے وہی غلام، اور عورت کے بدلے وہی عورت، جسے بھائی کی طرف سے کچھ معافی مل جائے تو معروف طریقے سے پیروی اور حسن سلوک سے ادائیگی ہے)۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ زیادتی کی اجازت نہیں اور معافی کی تحسین کی گئی، مزید ملاحظہ ہو:

"وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصابرين"

(النحل: ۱۲۶) (اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا بدلہ لو جتنی تمہیں تکلیف دی گئی ہے۔ اور اگر تم صبر کرو (بدلہ نہ لو) تو یہ بات صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے)۔

حاصل کلام یہ کہ بے گناہوں کو گنہگاروں اور مجرموں کے بدلے میں قتل کرنا جرم ہے جس کی سزا مختلف ہوتی ہے۔ اسلام ایسے فعل کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

۵۔ ہم اوپر عرض کر آئے ہیں کہ اسلام دہشت گردی کے سخت خلاف ہے، اور وہ دہشت گردوں کو سخت سزا بھی دیتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسی حرکات از قسم دہشت گردی وغیرہ کا قانونی گرفت سے اسلام سدباب کرتا ہے۔

مگر اسلام سزا یا ہر مسئلے کی تہہ تک پہنچنے کے لئے اس کے اسباب و علل کی تلاش کرتا ہے اور پھر وہ ان اسباب کو ختم کرنے پر توجہ دیتا ہے، مثلاً دہشت گرد غربت کے ہاتھ سے تنگ آکر یہ حرکات کرتے ہیں تو اسلام ان کی ملازمتوں کا بندوبست کرتا ہے، بیت المال سے ان کی مدد کرتا ہے، اگر دہشت گردی کا کوئی اور سبب ہے تو اسے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ ہمیشہ کے لئے دہشت گردی کا سدباب ہو سکے۔ مختصر لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسلام جڑ سے بدکرداری کا دشمن ہے، جب بدکاری کی جڑ نہیں ہوگی تو بدکاری کیسے وجود پذیر ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے دہشت گردوں کے مددگاروں کا بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے، حنفی، مالکی اور حنبلی فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ:

"لو اجتمع المحاربون فباشر بعضهم القتل والأخذ، وكان بعضهم ردءاً كان للردء حكم المحاربين في جميع الأحوال وذلك للاكتفاء بوجود المحاربة منه، باشر بعضهم القتل أو لم يباشره فيقام الحد عليهم جميعاً" اهـ

فرمایا: جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے، اور جو اپنی جان بچاتے مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپنے دین کے تحفظ میں مارا گیا وہ شہید ہے، جو گھر والوں کی حفاظت کرتے مارا گیا وہ شہید ہے، امام ترمذی نے فرمایا: سند اً یہ حدیث حسن ہے)۔

مندرجہ بالا باتوں کے تحفظ میں مارا جانے والا شہید ہے، مزید وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل حدیث بھی سامنے رکھ لیں تا کہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو:

"وروى مسلم عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: لا تعطه مالک، قال: أرأيت إن قاتلني؟قال: قاتله، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: فهو في النار" (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۵/۹۸)۔

(امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا، اے اللہ کے رسول! آپ کی رائے کیا ہے اگر ایک آدمی آئے اور میرا مال لینا چاہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا مال اسے نہ دے، اس نے عرض کیا: اگر وہ مجھ سے لڑنے لگ جائے تو آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: اس سے لڑائی کر، اس نے عرض کیا: اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ فرمایا: پھر تو شہید ہے، اس نے عرض کیا: اور اگر میں اسے ماردوں تو پھر آپ کا ارشاد کیا ہے؟ ارشاد ہوا: وہ پھر جہنمی ہے)۔

ان احادیث کو سامنے رکھ کر فقہاء نے جو آراء دی ہیں علامہ الجزیری کتاب کے مذکورہ بالا صفحہ پر لکھتے ہیں طوالت کے خوف سے ترجمہ پیش ہے:

"اس پر سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص پر ہجوم کرتا ہے تا کہ اس کا مال لے لے یا اسے قتل کر دے اور واقعہ شہر کا ہو، جہاں مدد مل سکتی ہے، یا صحرا کا ہو جہاں کوئی مددگار نہیں ہوتا، یا وہ شہر یا صحرا میں اس کے گھر والوں کی ہتک عزت کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے اختیار ہے کہ

اب مجرم کو زخمی کر دے اور مسلمانوں سے مدد چاہے یا فوج سے مدد طلب کرے، اگر وہ زخمی ہو کر باز آ گیا، چھوڑ کے چلا گیا تو اب اس سے مزید قتال کی ضرورت نہیں ہے، اگر وہ باز نہیں آیا پھر بھی مال چھینے یا قتل کرنے یا اس کے گھر والوں میں سے کسی کو قتل کرنے یا اس کے حرم میں داخل ہونے (بیوی، بیٹی، بہن، ماں، کسی محرم عورت، نوکرانی، لونڈی یا بچے) کے لئے آگے بڑھا یا گھر سے باہر چوکیدار کو قتل کر دیا تا کہ اندر جا کر بدکاری کا ارتکاب کرے یا ان خواتین میں سے کسی کو جبراً اٹھانے جائے تو اب خاندان کے سربراہ پر واجب ہے کہ جتنی قوت ہو اس سے خاتون کا دفاع کرے، اور ہر قسم کا اسلحہ استعمال کرے، اگر وہ صرف ضرب، تھپڑ، لاٹھی، اسلحہ یا کسی اور سے دفاع کر سکتا ہے تو اس حالت میں اسے مارنا ضروری ولازم ہے، ہاں، مارتے وقت مکمل بار میں ہی اسے قتل کرنے کی نیت نہ کرے، بلکہ ایسے مقامات پر مارے کہ وہ (زخمی ہو) مرے نہیں، اگر اس نے اپنی جان بچانے، مال یا عزت کا تحفظ کرتے ہوئے اسے مارا اور وہ زیادتی کرنے والا مر گیا تو اب اس شخص پر نہ قصاص ہے نہ بدلہ ہے نہ دیت ہے، نہ کفارہ ہے، نہ ہی قیامت کے دن کوئی گناہ ہے اور نہ ہی حاکم کی طرف سے کوئی تعزیر ہے، (اس ظالم ڈکیت) کا خون رائیگاں ہے، اگر دفاع کرنے والا مظلوم اس چور ظالم کے ہاتھوں قتل ہو گیا تو شہید ہے اور فی سبیل اللہ عزوجل مجاہد کو ثواب ہے"۔

اس طویل اقتباس سے بات واضح ہوئی کہ کس حالت میں دفاع واجب ہے، الحمد للہ سب سوالات کے جوابات حتی الوسع ہو گئے، فقیر ان دنوں بہت علیل ہے، بیماری میں یہ گزارشات مذہبی فریضہ سمجھ کر مختصراً تحریر کر دی ہیں، اللہ کریم اس جہد مقل کو قبولیت کے شرف سے نوازے۔

اسلام میں امن وسلامتی

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی ندوی
شعبہ دعوہ، ندوہ، لکھنؤ

۱- دہشت گردی کی تعریف اور حقیقت:

بے قصور، بے خطا، بے جرم اور معصوم افراد وگروہ کو ہراساں و پریشان کرنا، لوگوں پر دھاندلی اور زبردستی کرنا، ناجائز مقاصد کی تکمیل کے لئے ظلم وستم کرنا، ہیبت پھیلانا اور طاقت وغرور کے بل بوتے پر دوسروں کے املاک پر قبضہ کرنا اور ظلم کرنا سراسر جرم ہے جس کی حرمت قرآن وحدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار ومالکم من دون اللہ من اولیاء ثم لا تنصرون" (ہود: ۱۱۳)۔

(اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوا مددگار پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے)۔

حدیث میں ہے:

"حضرت ابوذرؓ نبی کریم ﷺ سے اور آپ ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندے میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور تم لوگوں کے درمیان بھی ظلم کو حرام کر دیا ہے لہٰذا تم لوگ ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔ اے

ساتھ عدل ومساوات کا سلوک نہیں کرتیں، بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی ومعاشی ناانصافی روا رکھی جاتی ہے، اور کبھی تو ان کی جان ومال کے تحفظ میں بھی دانستہ کوتاہی سے کام لیا جاتا ہے، یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں کی جاتی ہیں کہ وہ طبقہ جانی ومالی نقصان سے دوچار ہو، تو ایسی صورت میں اگر مسلمان کی حکومت سے مقابلہ کرنے میں یقیناً کامیابی کی امید ہو تو وقت کی حکومت کا مقابلہ کرنا چاہئے، ورنہ صبر کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں۔

۳- مظلوم طبقے کا احتجاج کرنا اور اپنی ناراضگی ایوان حکومت تک پہنچانا جائز ہے:

اگر کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس پر شرعی نقطہ نظر سے احتجاج اور ردعمل کا اظہار جائز ہے اور مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا کسی بھی حال میں دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں آئے گا، جمہوری ملک میں مسلمانوں (اور غیر مسلموں) کے لئے اپنے حقوق کے حصول اور تحفظ کی غرض سے جمہوری طریقہ پر احتجاج کے تمام جائز وسائل کو اختیار کرنا درست ہے، ان میں ایجی ٹیشن کرنا، ہڑتال کرنا وغیرہ داخل ہے، البتہ تشدد وتعدی کا راستہ اختیار کرنا جس سے کسی فرد یا گروہ کی یا عوامی املاک کو نقصان پہنچے، مسافروں کو تکلیف ہو، راستے بند ہو جائیں، جائز نہیں، کیونکہ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم احتجاج کے طور پر کسی کا گھر اور سامان جلا دیں، یا نہ یا رلی تو حکومت کی ہو اور ہم عوام کو ضرر پہنچائیں یہ عقل مندی کی بات نہیں ہے، پبلک وعوام یا حکومت وسرکاری املاک کو نقصان پہنچانا اور جلانا کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے۔ احتجاج اور ناراضگی کے اظہار کے لئے اپنی آواز ایوان حکومت تک پہنچانا شرعی حدود میں رہ کر بلا تعذب وبلا جور وجدال جائز ومباح ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اپنی تفسیر معارف القرآن جلد دوم میں یوں رقم طراز ہیں:

إن الله لا يحب المعتدين" (سورۂ بقرہ: ۱۹۰) (اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے اور کسی پر زیادتی مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے زیادتی کرنے والوں کو)۔

نیز فرمایا: "فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم واتقوا الله واعلموا أن الله مع المتقين" (سورۂ بقرہ: ۱۹۴) (پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے زیادتی کی تم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے)۔

ان دونوں آیتوں سے یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ غیر مجرمین اور غیر مقاتلین سے بدلہ لینا اور ان کو جان سے مار ڈالنا قطعاً جائز نہیں، اور اگر کسی مسلمان نے اس کی خلاف ورزی کرنے کو بہتر سمجھا تو پھر عند اللہ مجرم قرار پائیں گے۔

اسی قسم کے سوال کے جواب نمبر ۴۹۳ کے تحت حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہؒ تحریر فرماتے ہیں: "مجرموں کو گرفتار کرانا یا ان سے انتقام لینا تو صحیح ہے، مگر اصل مجرم گرفتار نہ ہوسکیں تو ان کے عوض میں دوسرے بے گناہوں پر حملہ کرنا اور انہیں مارنا صحیح نہیں ہے" (کفایت المفتی ۹/ ۳۴۹)۔

راحت وخوشی میں شکر کرنا اور مصائب وآلام میں صبر کرنا اسوۂ حسنہ ہے:

"عن صهيب قال قال رسول الله ﷺ: عجبا لأمر المؤمن إن أمره كله له خير وليس ذلك لايحصل إلا للمؤمن إن أصابته سراء شكر فكان خيراً له وإن أصابته ضراء صبر فكان خيراً له" (مسلم ۲/ ۴۱۳ کتاب الزہد، باب فی احادیث متفرقہ) (حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مومن بندہ کا معاملہ بھی عجیب وغریب ہے، کہ اس کا ہر معاملہ اس کے واسطے خیر ہی خیر ہے، یہ بات مومن بندہ کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ہے، اگر اس کو راحت وخوشی پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے

اور یہ اس کے لئے خیر ہے، اور اگر اسے مصائب اور غم پہنچتے ہیں تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لئے سراسر خیر ہے)۔

ہر انسان کو زندگی میں دو حالتیں پیش آتی ہیں، کبھی خلاف طبع احوال پیش آتے ہیں، اور کبھی موافق طبع، کبھی ناخوشگوار اور دل شکن امور سے واسطہ پڑتا ہے اور کبھی خوشگوار اور مسرت انگیز حالات سے، کبھی رنج و مصائب و بلیات سے دوچار ہو کر ملول و افسردہ ہوتا ہے اور اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے گلستان زندگی کے سارے پھول مرجھا گئے ہیں اور کبھی راحت و آرام کی حیات آفریں ہوائیں پاکر مرجھائے پھول اچانک شگفتہ و شاداب ہو جاتے ہیں، غرض ہر شخص ان دونوں حالات سے دوچار ہوتا رہتا ہے، بالخصوص ہندوستان کے مسلمانوں کے اوپر یہ احوال آتے رہتے ہیں، ہمیں بھی شکر و صبر کرنے کی ضرورت ہے، اور شریعت مطہرہ کی روشنی میں اپنی زندگی طے کرتے رہیں، ہماری تہذیب اور اسلامی تعلیم یہی ہے، غیر مجرمین کو مارنا صحیح نہیں ہے۔

۵- دہشت گردی دراصل محرومی اور ناانصافی کی کوکھ سے جنم لیتی ہے:

جہاں بھی دہشت گردی پیدا ہوتی ہے وہاں اس کے کچھ بنیادی اسباب و محرکات ہوتے ہیں، جیسے کسی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی یا سماجی یا دینی و مذہبی ناانصافی، یا کسی گروہ کے اندر طاقت و قوت کے ذریعہ حکومت اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کر لینے کی خواہش، ان اسباب و علل کے تدارک اور استیصال کے لئے اسلام نے ہدایت و اصول دیئے ہیں، اگر ان کے مطابق پوری انسانیت عمل پیرا ہو تو یہ دہشت گردی خود بخود پوری دنیا سے ختم ہو جائے گی۔

اب ہم دونوں شقوں کے احکام الگ الگ بیان کریں گے:

۱- کسی گروہ کا دوسرے گروہ کے ساتھ دہشت گردی کرنا: شریعت مطہرہ نے پانچ چیزوں کی حفاظت و صیانت کی بنا پر قتال کرنے کی اجازت دی ہے تاکہ پوری دنیا سے

دہشت گردی کا تخم نیست و نابود ہو جائے وہ مندرجہ ذیل ہیں: ۱-تحفظ دین، ۲-تحفظ جان، ۳-تحفظ عقل وشعور، ۴-تحفظ نسب، ۵-تحفظ مال (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۰، ۱۵۳، ۱۹۳)۔

تحفظ دین: عمومی اصول کے مطابق ملک میں رہنے والے تمام شہریوں کو مکمل مذہبی اور فطری آزادی حاصل ہوتی ہے۔

تحفظ جان: کسی بھی حکومت میں ہر انسان کو حرکت وعمل کی آزادی ہوتی ہے، لیکن کوئی ایک یا چند افراد اس کی آڑ میں ملک میں خونریزی و دہشت گردی شروع کردیں تو حکومت کے لئے جائز بلکہ ضروری ہوگا کہ وہ ایسے لوگوں کے خلاف سخت کارروائی کر کے عام لوگوں کی حفاظت جان کا انتظام کرے۔

تحفظ عقل وشعور: اس دنیا میں ہر انسان کو کھانے پینے کی آزادی ہے، یہ ایک عمومی قاعدہ ہے جس ملک وقوم کا ہر فرد مستفید ہوسکتا ہے، مگر کوئی اس آزادی کا غلط استعمال کرے اور شراب، ہیروئن یا دیگر منشیات کا استعمال شروع کردے تو ایسی کسی بھی چیز کے کاروبار پر پابندی لگانے کا حکومت کو اختیار ہوگا، اس لئے کہ اگر یہ تادیبی کارروائی نہ کی جائے گی تو پورا معاشرہ نشہ کا ایسا عادی ہو جائے گا کہ ملک و جماعت کا سارا انتظام درہم برہم ہو جائے گا جس میں اچھے عقل وشعور اور گہرے ادراک وتمیز والے لوگوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

تحفظ نسب: جنسی معاملات میں باہمی رضامندی سے کوئی بھی مشروط عقد و پیمان انسان کرسکتا ہے، لیکن اگر کوئی اس باب میں بے راہ روی کا مرتکب ہو اور غیر شرعی و غیر قانونی طریقوں میں جنسی تسکین کا سامان تلاش کرے تو حکومت کے لئے اجازت ہوگی کہ وہ ایسے لوگوں پر حد زنا جاری کر کے انسانی نسل کا تحفظ کرے ورنہ حلال وحرام نسل میں تمیز مشکل ہو جائے گی۔

تحفظ مال: دولت کمانے کی بھی ہر انسان کو پوری آزادی ہے لیکن اگر کوئی شخص اس میں غلط راستے اختیار کرے مثلاً لوٹ مار، چوری، ڈکیتی کے راستے سے دولت کمانے کی کوشش کرے

تو ایسے تمام لوگوں کے خلاف شرعی تادیبی کارروائی کرنا حکومت کے لیے ضروری ہوگا ورنہ پورا ملک انتشار و بحران کا شکار ہو جائے گا۔

"إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فسادا أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض ذلك لهم خزي في الدنيا ولهم في الآخرة عذاب عظيم" [المائدۃ ۵: ۳۳] (یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھائے جاویں یا کاٹے جاویں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا دور کر دیے جاویں اس جگہ سے یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے)۔

حدیث میں ہے: "عن قابوس بن مخارق عن أبيه قال: سمعت سفيان الثوري يحدث بهذا الحديث قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: الرجل يأتيني فيريد مالي، قال: ذكره بالله، قال: فإن لم يذكر، قال: فاستعن عليه من حولك من المسلمين، قال: فإن لم يكن حولي أحد من المسلمين، قال: فاستعن عليه بالسلطان، قال: فإن نأى السلطان عني، قال: قاتل دون مالك حتى تكون من شهداء الآخرة أو تمنع مالك" [النسائی [illegible]]۔

(حضرت قابوس بن مخارق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت سفیان ثوری کو یہ حدیث بیان فرماتے ہوئے سنا کہ ایک مرتبہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے میرا مال چھینتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اللہ کی یاد دلاؤ۔ صحابی نے عرض کیا: اگر وہ نصیحت قبول نہ کرے، آپ ﷺ نے جواب دیا: اس کے خلاف اپنے پڑوسی مسلمانوں سے مدد طلب

کرو، صحابی نے عرض کیا: اگر میرے قریب کوئی بھی مسلمان نہ ہو، آپ ﷺ نے فرمایا: تب پھر بادشاہ کی مدد حاصل کرو، اس صحابی نے عرض کیا: اگر بادشاہ مجھ سے بہت دور رہتا ہو تو پھر کیا ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم اپنے مال کی حفاظت کی خاطر اس سے لڑو اور قتال کرو تا آنکہ تم اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے آخرت کے شہیدوں میں شامل ہو جاؤ یا پھر وہ تمہارے مال سے دست بردار ہو جائے)۔

نیز حدیث میں ہے: "عن أبي هريرة قال: جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله أرأيت إن عدي على مالي، قال: فأنشد بالله، قال: فإن أبوا علي، قال: فأنشد بالله، قال: فإن أبوا علي، قال: فأنشد بالله، قال: فإن أبوا علي قال: فقاتل فإن قتلت ففي الجنة وإن قتلت ففي النار" (المجتبیٰ ۲/۲۰۱، کتاب المحاربۃ، تحریم الدم، باب من قتل دون ماله)۔

(حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کا کیا مشورہ ہے اگر کوئی میرے مال پر ظلم و تعدی کرے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کو اللہ کی قسم دو، (کہ خدارا ایسی نازیبا حرکت کرنے سے باز آ جاؤ اسلام میں یہ چیز اچھی نہیں ہے)، صحابی نے عرض کیا: اگر وہ پھر خودرائی اور خودسری پر اتر آئے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر اس کو اللہ کی قسم دو، صحابی نے عرض کیا: اگر وہ خودرائی اور خودسری پر اتر آئے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کو پھر اللہ کی قسم دو، صحابی نے عرض کیا: اگر وہ پھر خودرائی اور خودسری پر ڈٹا رہ جائے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تب اس سے مقاتلہ کرو، اگر تم اس قتال و لڑائی میں اس کے ہاتھ سے مقتول ہو جاؤ گے تو تم جنت میں داخل ہو گے اور اگر تم نے ہی اس کو قتل کر دیا تو پھر وہ جہنم میں داخل ہوگا)۔

ان دونوں احادیث کی روشنی میں یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ دہشت گرد کو دہشت گردی

کرنے سے ہر طرح کی طاقت کا استعمال کر کے روکا جائے، اگر وہ باز نہ آئے تو اس کے ساتھ قتال کر کے جہنم رسید کر دیا جائے تا کہ پوری دنیا کے لوگ سکون وچین کی زندگی گذار سکے۔

امام بخاری وغیرہ بعض علماء کی تحقیق کے مطابق ۹ھ اور اکثر علماء سیر واہل مغازی کے نزدیک ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا اور رخصت کرتے وقت اہل یمن کو اسلام کی دعوت دینے کے متعلق آپ نے ان کو ہدایات دی تھیں، سب سے آخری نصیحت آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ دیکھو! مظلوم کی بددعا سے بچنا، مطلب یہ ہے کہ تم ایک علاقے کے حاکم بن کر جا رہے ہو، کبھی کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرنا، کیونکہ مظلوم کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے وہ قبول ہو کر رہتی ہے ماخوذ (بخاری ۱/ ۱۶۳)۔

بلکہ مسند احمد میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے: "دعوة المظلوم مستجابة وإن كان فاجراً ففجوره على نفسه" (مظلوم کی دعا قبول ہوتی ہے اگرچہ وہ بدکار ہو تو اس کی بدکاری کا وبال اس کی ذات پر ہے)۔ یعنی فسق وفجور کے باوجود ظالم کے حق میں اس کی بددعا قبول ہوتی ہے، اور مسند احمد میں ہی حضرت انسؓ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں: "دعوة المظلوم مستجابة وإن كان كافراً ليس دونه حجاب" (مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، اس کے لئے کوئی روک نہیں ہے) (معارف الحدیث ۵/ ۹۰، ترغیب ۳/ ۱۴۴)۔

ان احادیث کی تشریحات وتوضیحات کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ دہشت گردی، دہشت پسندی، دہشت زدگی، دہشت انگیزی، قتل وغارتگری کے جہاں جہاں پہنچنے کے امکانات ہو سکتے تھے ہر ہر مراحل ومنازل پر ابتداء ہی سے روک لگائی ہے، یہ مذہب اسلام کی حقانیت کی اعلیٰ دلیل ہے اور جناب ﷺ کی حق طرازی کی دلیل ہے۔

کسی گروہ کا حکومت اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کر لینا:

جس کسی گروہ کے اندر طاقت وقوت کے ذریعہ حکومت اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کر لینے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے، وہ ایک تشکیل شدہ حکومت کی دہشت گردی کے ذریعہ اینٹ سے اینٹ بجا دیتا ہے، حکمران اور عوام اس کی بنا پر پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، تو دہشت گردوں کا یہ سارا طریقہ شرعاً سراسر غلط اقدام ہے۔

۶- حفاظت خود اختیاری شریعت کی نظر میں:

جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کے لئے حملہ آور سے لڑنا اور ان کے حملوں کو ناکام بنانے کی کوشش کرنا یقیناً جہاد کے درجہ میں ہے، اور اگر اسی راہ میں جان چلی جائے تو یہ شہادت ہے۔

"عن سعید بن زید قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول: من قتل دون ماله فهو شهید، ومن قتل دون دمه فهو شهید، ومن قتل دون دینه فهو شهید، ومن قتل دون أهله فهو شهید" (ترمذی ۱/ ۲۶۰) (حضرت سعید بن زیدؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنے اہل و عیال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے)۔

ظالموں اور دہشت گردوں کے خلاف جہاد نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ہے، اور بعض حالات میں واجب ہے، لیکن اس کے لئے کچھ شرائط بھی ہیں، جن میں ایک بنیادی شرط ایسے امیر کا موجود ہونا ہے جو نظم جہاد کو انجام دے سکے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں: جہاد کا

معاملہ امام اور اس کی رائے سے متعلق ہے: "وذلک لأن أمر الجهاد موکول إلی الامام واجتهاده ویلزم الرعیة طاعته فیما یراه من ذلک" اور علامہ ابواسحق شیرازی کا بیان ہے کہ امام المسلمین یا اس کی جانب سے مقرر نائب کے بغیر جہاد مکروہ ہے (المہذب ۲/ ۲۳۰، ۲۳۱)۔

مدافعت انفرادی فعل بھی ہے اور اجتماعی بھی، نیز حق مدافعت کے استعمال کرنے کے لئے امیر اور اجتماعی قوت ضروری نہیں، اس لئے مناسب ہوگا کہ اس کو جہاد کا عنوان نہ دیا جائے بلکہ "حفاظت خود اختیاری" کی تعبیر و تفسیر مناسب ہے، جس کی شریعت میں ہر وقت اجازت ہے اور جس کو دنیا کے تمام مہذب قوانین نے انسان کا ضروری اور فطری حق تسلیم کیا ہے۔

مسلمانوں کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب جان و مال اور عزت و آبرو خطرہ میں پڑ جائے تو وہ سپر اندازی اور سرفگندگی کی راہ اختیار کرنے کے بجائے مقدور بھر حتی الامکان آپ اپنی حفاظت کریں۔

بہرحال جان و مال اور عزت و آبرو پر کوئی دہشت گرد حملہ کرے تو حتی المقدور شرعی نقطہ نظر سے مدافعت واجب ہے۔

زمرے میں ظلم و بربریت کے ذیل میں آتے ہیں، اسلام میں ان کا کوئی جواز نہیں ہے، چنانچہ اللہ تبارک و

تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ومن قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل

الناس جمیعا ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا" (سورۃ المائدہ: ۳۲)۔

(اور جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ

سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا، اور جس نے کسی انسان کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام

انسانوں کو زندگی بخشی)۔

لہٰذا اسلامی نقطہ نظر سے دہشت گردی کی تعریف یہ ہوگی کہ افراد اپنے ملک کے

قانون کی مخالفت کرتے ہوئے دوسروں پر ظلم و تعدی اور جور و ستم کریں۔

۲۔ اگر بعض اوقات حکومتیں ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل و مساوات کا

سلوک نہیں کرتیں اور بعض طبقات کے ساتھ بے جا و سوچی سمجھی ناانصافی روا رکھتی ہیں، اور ان کے

جان و مال کے تحفظ میں دانستہ کوتاہی سے کام لیتی ہیں، یا وہ حقوق نہیں دیتیں جو دوسروں کو حاصل

ہیں جس سے اس طبقہ کے لوگ جانی و مالی نقصان سے دوچار ہوتے ہیں تو یقیناً حکومتوں کے ایسے

متعصبانہ اور ظالمانہ رویہ کو دہشت گردی کہا جائے گا، بلکہ یہ ریاستی دہشت گردی ہے، اسلامی

نقطہ نظر سے بھی اور دنیا میں بسنے والے دیگر قوموں کے نقطہ نظر سے بھی، اس لئے کہ اسلام نے

اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل و مساوات کا حکم دیا ہے، چنانچہ اللہ تبارک و

تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا، واذا حکمتم بین الناس

ان تحکموا بالعدل، ان اللہ نعما یعظکم بہ، ان اللہ کان سمیعا بصیرا" (النساء: ۵۸)

(بے شک اللہ تعالیٰ تم کو اس کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچایا کرو، اور جب

لوگوں کے درمیان تصفیہ کیا کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تم کو جس بات کی نصیحت کرتے ہیں وہ بہت اچھی ہے، بلاشک اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں خوب دیکھتے ہیں)۔

اس آیت میں امانات سے مراد تمام ذمہ داریاں اور جملہ حقوق واجبہ ہیں، جن میں حسب صراحت زید بن اسلمؓ کے حکومت کے عہدے بھی داخل ہیں، حضرت امام احمدؒ نے حضرت ابوبکرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من ولي من أمور المسلمين شيئاً فأمر عليهم أحداً محاباة فعليه لعنة الله، لا يقبل منه صرفاً ولا عدلاً حتى يدخله جهنم" (جمع الفوائد ۱/۳۲۵) (جس شخص کو مسلمانوں کا امیر بنایا گیا پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص محض رعایت کی مد میں سپرد کر دیا اس پر اللہ کی لعنت ہے، نہ اس کا فرض قبول ہوگا نہ نفل، یہاں تک کہ اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا)۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی طبقہ کے ساتھ سیاسی ومعاشی ناانصافی رکھنا شرعاً جائز نہیں ہے، بلکہ ہر حق والے کو حق دینا حکومت کا فرض ہے، محض سیاسی وجوہ کے بناء پر کسی حقدار کو حق نہ دینا شرعاً جائز نہیں ہے، بلکہ ایسے حکام ان وجوہات کی بناء پر جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

سرکاری سطح پر جو تدبیریں کی جاتی ہیں کسی طبقہ کو جانی ومالی نقصان پہنچانے کے لئے وہ بالکل جائز نہیں ہیں، حکومت کی ذمہ داری یہ ہے کہ ملک کے تمام باشندے کو عدل واعتدال پر قائم رکھے، اور مملکت سے داخلی اور خارجی فتنہ وفساد مثلاً داخلی جیسے ملک میں بسنے والے تمام لوگوں کی حفاظت کرے اور ان کے مال کی اور ان کے آبرو کی حفاظت کرے، اسی طرح ان پر کوئی ظلم باہر سے آکر کرے یا ملک کے ہی دوسرے باشندے ملک کے ہی کسی باشندے کو جانی ومالی نقصان پہنچانا چاہیں تو ان کی اس سے حفاظت کرے، اسی طرح ملک کے باشندوں سے برائیوں کو دور کرے، اور ان کو بھلائی پر آمادہ کرے، اگر کوئی حکومت ان کاموں کو انجام نہیں دیتی ہے یا انجام دیتی ہے مگر مختلف طبقات کے درمیان امتیاز کرتی ہے، تو یہ خدا اور اس کے رسول کے حکم کی

مخالفت ہے، اور ہم اس سے پہلے دہشت گردی کی تعریف کر چکے ہیں کہ دہشت گردی خدا اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے کسی پر ظلم کرنے کا نام دہشت گردی ہے، اور سوال میں جو باتیں مذکور ہیں ان پر دہشت گردی کی تعریف صادق آتی ہے۔

لہذا اگر حکومتیں اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل و مساوات کا سلوک نہیں کرتیں، یا ان کے جان و مال کے تحفظ میں دانستہ کوتاہی سے کام لیتی یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں کرتی ہیں جس کی وجہ سے اس طبقہ کو جانی و مالی نقصان پہنچے تو حکومت کے اس منصفانہ رویہ پر دہشت گردی کا اطلاق ہوگا، بلکہ یہ اعلی درجہ کی دہشت گردی کہی جائے گی۔

۴۔ اگر کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہو تو اس پر احتجاج اور ردعمل کے اظہار کے جائز ہونے اور واجب ہونے میں کچھ تفصیل ہے جو مندرجہ ذیل ہے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: "ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر" (آل عمران: ۱۰۴) (اور تم میں ایک جماعت ایسی ہو، ضروری ہے کہ جو لوگوں کو خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں)۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (یعنی اچھی بات کہنے اور برائی سے روکنے) پر قادر ہو، یعنی قرائن سے غالب گمان رکھتا ہو کہ اگر میں امر و نہی کروں گا تو مجھ کو کوئی معتد بہ ضرر لاحق نہ ہوگا تو ایسے شخص کے لئے جب کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہو تو اس پر احتجاج کرنا واجب ہے، اور جو شخص معنی مذکور کے مطابق قادر نہ ہو تو اس پر اس صورت میں احتجاج واجب نہیں ہے مگر احتجاج کرنا جائز ہے، اور اگر ہمت کرکے احتجاج کرے تو اس پر ثواب ملے گا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دینا چاہئے، اور اگر

قدرت نہ ہو تو زبان سے منع کرے، اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنے دل سے اس کو برا جانے، اور یہ ایمان کا بہت ہی کمزور درجہ ہے۔" (مسلم شریف)۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ نا انصافی پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار بقدر استطاعت واجب ہے ورنہ خاموشی بہتر ہے۔ اصل میں ہر زمانے میں نہی عن المنکر کا طریقہ مختلف رہا ہے۔ اس زمانے میں نہی عن المنکر کا طریقہ احتجاج اور ردعمل کا اظہار کرنا ہے۔ کسی بھی وقت احتجاج اور ردعمل کا اظہار واجب بھی ہے، اور کبھی حالات کے اعتبار سے اور حیثیت کے لحاظ سے جائز ہے۔

مظلوموں کا ظالم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی نہیں ہے، بلکہ یہ دہشت گردی کا مقابلہ ہے۔ دنیا میں کوئی مذہب نہیں جس نے ظالم سے نبرد آزما ہونے کو ظلم اور دہشت کا نام دیا ہو۔ ہندو دھرم میں کورو اور پانڈو کی جنگ مشہور ہے اور اس موقع پر جناب کرشن جی نے ارجن کو جو اپدیش دیئے وہ آج بھی گیتا میں مشہور ہے۔ اس میں یہ پیغام ہے کہ اپنے جائز حق کے لئے اٹھ کھڑا ہونا اور ناانصافی کے خلاف سینہ سپر ہونا دہشت گردی نہیں، بلکہ ایک مقدس جہاد ہے۔ قرآن مجید نے بھی لطیف تعبیر میں کہا ہے کہ کسی بری بات کو کھلے عام کہنا خدا کو پسند نہیں لیکن جو شخص مظلوم اور ستم رسیدہ ہو اس کو یقیناً احتجاج کا حق حاصل ہے: "لا یحب اللہ الجهر بالسوء من القول الا من ظلم" (النساء: ۱۴۸) اسی طرح دنیا میں اپنے حق وصول کرنے کے لئے لڑنے کو کوئی دہشت گردی نہیں کہتا ہے، اور اگر کوئی کہتا ہے تو وہ اس کی اخلاقی دہشت گردی ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم و اتقوا اللہ" (البقرہ: ۱۹۴) (جو تم پر دست درازی کرے تم بھی اس پر دست درازی کرو، البتہ اللہ سے ڈرتے رہو)۔ جب احکم الحاکمین مظلوموں کو ظالمین کے خلاف کھڑے ہونے کی اجازت دیتا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کس کی اجازت درکار ہے، لہٰذا اسی کو دہرایا جائے

۴۔ اگر کسی گروہ یا فرد کی جان، مال یا عزت وآبرو پر حملہ کیا جائے تو حتی الامکان مدافعت واجب ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

"وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: فلا تعطه مالك. قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: قاتله. قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد. قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: هو في النار"(۱) (ترغیب وترہیب ۲/۳۳۳)(ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کیا مشورہ دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص میرے مال کو لینا چاہتا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اپنا مال اس کو مت دو، پھر اس شخص نے کہا: کیا آپ گمان نہیں کرتے ہیں کہ وہ مجھ سے قتال کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھی اس سے قتال کرو، پھر اس شخص نے کہا: آپ کیا گمان کرتے ہیں اگر وہ مجھ کو قتل کردے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم شہید ہوگے، پھر اس نے کہا: اگر میں اس کو قتل کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جہنم میں ہوگا۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے جو حضرت سعید بن زیدؓ سے منقول ہے: "عن سعيد بن زيد قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد"(۱) (ترغیب وترہیب ۲/۳۳۳)(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے، اسی طرح جو اپنے نفس کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے، اسی طرح جو اپنے اہل کی حفاظت میں قتل ہو وہ شہید ہے۔)

لہذا اگر کسی فرد کی جان و مال، عزت وآبرو پر حملہ کیا جائے اور وہ شخص اس کی مدافعت

کرے اور اس کی وجہ سے قتل کیا جائے تو وہ شہید شمار کیا جائے گا، فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "اذا خیف الهلاک وللان دفع الهلاک واجب بای طریق یمکن" (ج ۵ ص ۳۲۹) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اوپر سے ہلاکت کو دفع کرنے کا انسان کو اختیار ہے، چاہے اس کے لئے کوئی بھی طریقہ ممکن ہو مگر یہ کہ وہ حملہ آور سے کہے کہ تم اپنی جان (خود ہی) قتل کر دو، معلوم ہوا یہ کہ اس شخص کو قتل کر ڈالو تو اس کے لئے خود کو قتل کرنے سے وہ اپنے آپ کو قتل کرنے سے بچ جانا چاہئے اور اس پر صبر کرنا چاہئے، اور اگر اس کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تو شہید ہوگا۔

اسی طرح اگر مسلمانوں کو دشمنوں نے گھیر لیا اور اس بات کا یقین ہو کہ اگر ہم حملہ کریں گے تو قتل کر دیئے جائیں گے تو بھی حملہ کر سکتے ہیں، اس لئے کہ اس کی مثال ملتی ہے کہ آپ ﷺ کو مشرکین مکہ نے غزوہ احد میں گھیر لیا تھا اور آپ کے ارد گرد چند صحابہ کرام تھے، ان صحابہ کرام نے ان مشرکین پر حملہ کیا جنہوں نے آپ ﷺ کو گھیر لیا تھا، اور آپ ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی:

"ذکر فی شرح السیر انه لا بأس ان یحمل الرجل وحده وان ظن انه یقتل اذا کان یصنع شیئاً یقتل او یجرح او یهزم فقد فعل ذلک جماعة من الصحابة بین یدی رسول الله ﷺ یوم احد ومدحهم علی ذلک"۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا" (سورہ بقرہ: ۱۹۰) (اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو)۔

یہ دفاعی جنگ کی صورت ہے، حملہ آور جان پر یا مال پر یا دین پر حملہ کرے تو اس سے لڑنا چاہئے، اسی طرح دوسری جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"یا أیہا الذین آمنوا إذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون" (الانفال: ۴۵) (اے ایمان والو جب تمہاری کسی جماعت سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم ہو جاؤ اور اللہ کا خوب ذکر کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ گے)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی گروہ کسی کی جان و مال، عزت و آبرو پر حملہ کرے تو مسلمان کو چاہئے کہ اس سے مقابلہ کرے اور اللہ کو یاد کرے، ان شاء اللہ اللہ اس کو کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔ لہٰذا اوپر مذکور بالا تفصیل کی روشنی میں اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو اس کی مدافعت حتی المقدور واجب ہوگی گرچہ اس کے نتیجے میں انسان کی جان چلی جائے۔

سلوک نہ کیا جائے اور ان کے مقدمات کو فیصل نہ ہونے دیا جائے اور ان کے جان و مال کی تحفظ کی کوئی ذمہ داری محسوس نہ کی جائے تو مذہب اسلام ان تمام کی نفی کرتا ہے اور مخالفت کرتا ہے

۲۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان پر بھی دہشت گردی کا اطلاق ہوگا۔

۳۔ اگر کسی گروہ اور طبقے کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس پر احتجاج اور رد عمل کا اظہار قانون کے دائرے میں رہ کر واجب ہے۔

اور مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا ایسی صورت اپنا دفاع کیا جائے اور اپنا واجبی حق حاصل کیا جائے دہشت گردی کے دائرے میں نہیں آئے گا، اور دفاع میں قانونی لڑائی لڑی جائے تاکہ بغاوت کے دائرے میں نہ آنے پائے۔

۴۔ اگر ایک طبقہ کی طرف سے ظلم و زیادتی ہو جس میں اس طبقے کے کچھ افراد شریک ہوں تو اس صورت میں مظلوموں کو ظالمین سے بدلہ لینا اس طرح سے جائز ہے کہ عدالت کے ذریعہ قانونی چارہ جوئی کریں اور مظلوموں کے لئے اس کی اجازت نہیں کہ قتل وقتال اور دہشت کا بازار گرم کریں پھر تو جانبین کی جانب سے فتنہ شروع ہو کر اس کا سلسلہ لامتناہی ہو جائے گا، اور اسلام نے فتنہ پروری کو قتل سے بڑھ کر اور اس سے اشد بتایا ہے۔ دین اسلام تو فتنہ اور فتنہ پروری کی نفی کرتا ہے اور اس کی روک تھام کرتا ہے، بلکہ ظلم کا بدلہ صرف عدالت کے ذریعہ قانونی چارہ جوئی ہے۔

۵۔ اگر دہشت گردی کسی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی ناانصافی کے سبب پیدا ہوتی ہے تو اس کے تدارک کے اسباب کے تعلق سے جبکہ حکمران مسلمان ہوں لیکن ظالم ہوں اسلام نے یہ ہدایت دی ہے کہ جب تک وہ نماز پڑھتے ہوں یعنی موحد و مومن ہوں تو ان سے بغاوت جائز نہیں ہے، اور ان کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر روک لگائی ہے، اور قتل وقتال پر پابندی لگائی ہے۔ اور یہ بھی

ہدایت دی ہے کہ عوام یا گروہ پر صبر کرنا لازم ہے اور ظالم حاکم پر ٹوکنا لازم ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے:

"عن عوف بن مالک الاشجعی عن رسول اللہ ﷺ قال: خیار ائمتکم الذین تحبونهم ویحبونکم وتصلون علیهم ویصلون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونهم ویبغضونکم وتلعنونهم ویلعنونکم قال: قلنا: یا رسول اللہ افلا ننازعهم ای بالسیف او بالقتال عند ذلک، قال: لا، ما اقاموا فیکم الصلوة الا من ولی علیه وال فرآه یاتی شیئا من معصیة الله فلیکره مایاتی من معصیة الله ولا ینزعن یدا من طاعة"۔

اور بیہقی کی روایت ہے: "عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال: ان السلطان ظل الله فی الارض، من یاوی الیه کل مظلوم من عباده فاذا عدل کان له الاجر وعلی الرعیة الشکر، واذا جار کان علیه الأجر وعلی الرعیة الصبر"۔

ان قولوں سے اشارہ ہوا کہ اگر ظالم حاکم غیر مسلم ہے جو مسلمانوں کے حقوق اور اسلام کی رعایت نہیں کرتا تو اس کے تدارک کے لئے موجودہ دنیا میں جو طریقے رائج ہیں ان کو اختیار کیا جا سکتا ہے، مثلاً احتجاجی جلسے، دھرنا اور حاکم کو میمورنڈم پیش کرنا اور پھر مجبور ہو کر اپنے اور اسلام اور مذہبی امور کے دفاع کے لئے اور اپنا جائز حق لینے کے لئے حکومت اور حاکم سے نبرد آزما ہوا جا سکتا ہے اور ان کی اطاعت ترک کر کے پہلے راستہ اپنایا جائے کیونکہ آج کی موجودہ دنیا میں حق طلبی سے جلد پایا جاتا ہے جیسے کہ آئے دن کا مشاہدہ ہے۔

۲ اگر کسی گروہ یا فرد کی جان، مال یا عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو ان کے دفاع کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ حتی المقدور مدافعت واجب ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من قتل دون ماله فهو شهيد" (جو شخص اپنے مال کی وجہ سے قتل کر دیا جائے تو وہ شہید ہوتا ہے)۔ اور اس کی دوسری حدیث میں ہے: "عن أبي هريرة قال جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: فلا تعطه مالك، قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: قاتله، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد ـــــ" (ایک شخص رسول الله ﷺ کی خدمت میں آیا پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ بتائیں کہ اگر کوئی شخص ارادہ رکھتا ہے میرے مال کے چھین لینے کا تو میں کیا کروں؟ تو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: تم اپنا مال اس کو نہ دینا، پھر پوچھا: آپ بتائیں کہ اگر میرا مال چھیننے کے لئے وہ مجھ سے قتال کرے تب میں کیا کروں؟ تو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: تم بھی اس سے قتال کرو لیکن مال نہ دینا، پھر پوچھا کہ اگر وہ مجھ کو قتل کر دے تو میں کیا کروں؟ تو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: تم شہید ہو گے۔ پھر پوچھا: آپ بتائیں اگر میں اس کو قتل کر دوں تو کیا حکم ہوگا؟ تو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: وہ جہنم میں ہوگا)۔

اور مخارق بن سلیمؓ کی روایت میں نسائی میں ہے: "جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: أيما الرجل يأتيني فيريد مالي، قال: ذكره بالله، قال: فإن لم يذكر؟ قال: فاستعن عليه بمن حولك من المسلمين، قال: فإن لم يكن حولي أحد من المسلمين؟ قال: فاستعن عليه بالسلطان، قال: فإن نأى السلطان عني؟ قال: قاتل دون مالك حتى تكون من شهداء الآخرة، أو تمنع مالك، كذا في عمدة القاري" (ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا پھر کہا کہ کوئی شخص میرے پاس میرا مال چھیننے کے ارادہ سے آتا ہے تو میں کیا کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو اللہ کی یاد دلاؤ، اللہ سے ڈراؤ، اس نے کہا: اگر وہ اللہ کو یاد نہ کرے تب کیا کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے ارد گرد کے مسلمانوں سے اس پر مدد مانگو، اس نے کہا: اگر کوئی مسلمان نہ ہو تو کیا

اور حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر چور کسی گھر میں رات میں چوری کرنے کے لئے داخل
ہوا پھر گھر سے چوری کر کے نکلا پھر مالک مکان نے اس کا پیچھا کیا پھر اس کو قتل کر ڈالا تو مالک
مکان پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ جو آبادی میں یا جنگل بیابان میں
جس کے مال چھیننے کا ارادہ کیا یا اس کی بیوی کی آبرو ریزی کا ارادہ کیا ہو تو اس آدمی کو
چند تعلیمات ہیں اس سے بات کرے اس سے فریاد کرے، پھر اگر وہ باز آ جائے تو اب اس
سے قتال اور لڑائی کرنا جائز نہیں، پھر اگر اپنے ارادہ قتل سے باز نہ آئے تو اب اس آدمی کے لئے
جائز ہے کہ اپنی جان اور اپنے مال کی طرف سے دفاع کرے اور اس کو قصداً قتل نہ کرے، پھر
جب باز نہ آئے تو اس سے قتال لڑائی کرے یہاں تک کہ اس کو قتل کر دے۔ الغرض اپنی جان و مال اور
عزت و آبرو کی طرف سے مدافعت کرنا واجب ہے، اور اس مدافعت میں اگر ظالم کو قتل
کر دیا جائے تو جائز ہے۔ اور مدافعت کے حدود مندرجہ ذیل ہیں: اللہ سے ڈرنے کی تلقین کرنا،
پھر اپنے ارد گرد کے مسلمانوں سے مدد طلب کرنا، پھر حاکم سے مدد طلب کرنا، پھر قتال و لڑائی
کرنا، پھر قتل کر ڈالنا۔

یا اس سے پہلے بات کرنا یا فریاد کرنا اگر مدد نہ ملے بلکہ آگے بڑھے تو قتل کر ڈالے یا مال
لے کر یا عزت لوٹ کر بھاگے تو قتل کر ڈالنا۔

دہشت گردی کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر

[illegible]
ریاض العلوم گورینی، جونپور

۱۔ اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی کی تعریف:

خیال رہے کہ "دہشت گردی" ایک موجودہ زبان، دورِ حاضر کا عرف ہے، کوئی لغوی اور کتابی زبان نہیں اور نہ قدیم شرعی اصطلاح ہے کہ اس کی متعین تعریف پائی جائے۔

عرفِ رائج میں اس کی کوئی واضح اور متعین تعریف نہیں، خود اس لفظ کو جس نے رائج کیا اور مشہور کیا وہ اس کی صحیح تعریف نہ کر سکا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ جب امریکہ نے افغانستان پر حملے کے جواز کے لئے دہشت گردی کو سبب قرار دیا۔ اور تمام ملک کے سربراہ بیٹھ کر دہشت گردی کی تعریف میں مختلف عنوان سے تعبیر کرنے لگے تو کوئی ایسی تعریف پر سب کا اتفاق نہ ہو سکا۔ یہ ایک حقیقت ہے جسے یورپ نے اپنے ہوائے نفس کے مطابق کام پر اطلاق کرنا شروع کر دیا ہے۔ چونکہ اس یورپ اور امریکہ کے نزدیک خلاف ہو ان کے زعم میں غلط اور ظلم اور دہشت گردی ہے، وہ تو قرآن و حدیث پر عمل کرنے والے، حدودِ شرعیہ کی پابندی کرنے والے، دین میں غلبہ کلمۃ اللہ کو پھیلانے والے، ظلم و ناانصافی کو دور کرنے والے، خدا و رسول کی تعلیم دینے اور دلانے والے غرض یہ کہ جو ان کے زعم نامہ کے خلاف ہو دہشت گردی ہے۔

یورپ وامریکہ نے اولاً پھر اس کی اتباع میں تمام کافروں نے اسلام پر اہتمام سے قتل و دہشت گردی قرار دیا ہے، جس کا اولین مصداق جہادِ اسلامی ہے۔

دہشت گردی کا اصل مفہوم:

ناحق ظلم کرنا، ناحق کسی کے مال و جان کو برباد و ہلاک کرنا، جس جان کو شریعت نے محترم و مکرم بنایا ہوا اس کو بلا علت جواز کے ہلاک و برباد کرنا، یہ ہے دہشت گردی کا اصل مفہوم جو ظلم و بربریت کے مترادف ہے۔

آج کل اس کا مفہوم تخریبی طور پر کسی کی جان و مال کو ہلاک و برباد کرنا ہے۔

۲- حکومت اگر اپنے ملک میں بسنے والے تمام افراد و طبقات کے ساتھ ظلم و ناانصافی کرے، یہ سرکاری طور پر ایسی تدبیریں کریں جس سے وہ طبقہ جانی و مالی نقصان سے دوچار ہو تو اس غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ کو دہشت گردی سے موجودہ عرف کے مطابق تعبیر نہیں کیا جاتا، چونکہ اس کے مفہوم میں دو چیزیں اساسی ہیں، تخریبی اور غیر قانونی طور پر اپنے مطالب کے پورا ہونے کے لیے جان اور املاک کو نقصان پہنچانا، تو اول الذکر اس کا اثر انفرادی اختیار سے مخصوص ہے، قصداً ہو جاتا ہو، اگرچہ مآل اور انجام کے اعتبار سے مقابل حکومت یا سربراہ [illegible] حکومت کی ناانصافی جو بالکل واضح اور کھلم کھلا ہو اسے ظلم اور ناانصافی سے تو موسوم کیا جا سکتا ہے مگر عرف موجود کے اعتبار سے دہشت گردی سے موسوم نہیں کیا جائے گا۔

۳- اگر گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی کی جاتی ہے، ان کے جائز حقوق پامال کئے جاتے ہیں تو اس پر احتجاج کرنا اور اس پر رد عمل کا اظہار بلا شبہ اس مظلوم کا قانونی جمہوری انسانی حق ہے جو جائز ہے۔ اور بعض موقعوں پر مصالح اور حالات کے اعتبار سے واجب بھی ہو جاتا ہے۔ اور کسی

ہاں البتہ اسٹرائک کے طور پر اور ایسا احتجاج جس سے خود اس کا ظالمانہ حرکت اور رویہ ثابت ہونے لگے، مثلاً توڑ پھوڑ کرنا، راستہ جام کرنا، حکومت کے املاک کو نقصان پہنچانا، اس کی ہرگز اجازت نہیں ہو سکتی۔ اب اس احتجاج کے تینوں شقوں: ۱- جائز، ۲- واجب، اور ۳- ممنوع کی تشریح درج ذیل ہے:

جائز ہونے کی دلیل گذر چکی۔

واجب- اگر احتجاج نہ کرے گا تو ظالم کا ظلم بڑھتا رہے گا، اور اس کی ظالمانہ حرکت اور بربریت معصوموں کو، عورتوں بچوں کو اور پورے ماحول کو لپیٹ میں لے لے گی، اور اس کی وجہ سے دوسروں کو بھی ظلم و ناانصافی کی ہوا لگ جائے گی، اور اس کا ظلم دن بدن اعتدال سے آگے گذر رہا ہوگا، اور احتجاج سے فائدہ ہونے کا امکان ہو ضرر کا احتمال نہ ہو تو ظالم کے خلاف احتجاج کرنا اور ظلم سے باز رکھنا واجب اور لازم ہو جاتا ہے کہ منکر پر نکیر کرنا اور ظالم کو ظلم سے باز رکھنے کی سعی کرنا انفراداً یا اجتماعاً واجب ہے۔

ممنوع- احتجاج ممنوع اس وقت ہو جاتا ہے جب کہ ضرر کا احتمال غالب ہو، احتجاج کرنے پر جان و مال کی ہلاکت کا اندیشہ ہو، پر امن نہ ہو کر پر خطر بن جانے کا یقین غالب ہو، یا احتجاج مطلقاً حکومتی اعتبار سے منع ہو کہ کرنے کی صورت میں ذلت و رسوائی و مال کے ضیاع کا اندیشہ ہو، نفع کے مقابلے میں ضرر زائد ہو تو پھر اس کی اجازت نہ ہوگی، فقہاء کرام کے یہاں قاعدہ مسلمہ ہے جس پر عمل کرنا لازم ہے: "درء المفاسد اولی من جلب المصالح"۔ "ای إذا تعارضت مفسدة ومصلحة يقدم رفع المفسدة على جلب المصلحة" (اگر نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہو تو رفع ضرر اور فساد کا اعتبار مقدم ہوگا نفع پر) (قواعد الفقہ مجموعہ ص ۵۵)۔

اسی طرح قاعدہ "الضرر لا يزال بالضرر" (نقصان کو نقصان کر کے دور نہیں

آدمیوں کے دوسرے افراد سے بدلہ لیا جائے گا تو قتل اور فساد اس طرح تخریب و فسادات

بڑھ جائیں گے کہ پوری قوم کا استیصال ہو جائے گا اور اصل قاتل اور مباشر کا سراغ اور ان کی

گرفت نہ ہو سکے گی، اور جب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اصل قاتل اور مرتکب اور مباشر سے ہی

انتقام لیں گے تو وہ قتل اور فساد میں جری ہو جائیں گے، اور اصل مباشر روپوش یا مخفی کر دیئے جاتے

رہیں گے۔

تیسری ایک صورت یہ ہے کہ جس فرقے نے فساد و قتل و غارت گری اور ظلم و ستائی کا

معاملہ یا اس کا دوسرے فرقے نے ساتھ نہیں دیا بلکہ اس کی مذمت کی، ان کا تعاون نہیں کیا،

انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کی، عملاً نہیں کیا خود ان کی مدد کی، جان کی حفاظت کی،

تو اگرچہ یہ مذہب کفر میں ان کے ساتھ ہیں اور "الکفر ملة واحدة" ہے مگر چونکہ اس حرکت

اور فعل میں شریک نہیں لہذا ان کے افراد سے بدلہ نہیں لیا جائے گا، اور اس کی اصل آپ ﷺ کا

وہ عمل ہے جو آپ ﷺ نے کافر قوموں سے حلیفانہ معاہدہ کیا تھا، جیسا کہ قبیلہ خزاعہ سے یا اسی

طرح یہود کے بعض قبیلوں سے جس نے بعد میں بد عہدی اور غداری کی۔

اسی طرح قرآن کی سورۃ ممتحنہ کی آیت "لا ینھاکم اللہ عن الذین لم

یقاتلوکم فی الدین الخ" آپ اس کی تعبیر اس طرح بھی کر سکتے ہیں کہ ظالم فرقے نے قتل

و بربریت کر کے گویا اپنا عہد امان توڑ ڈالا لہذا اس سے حسب وسعت بدلہ اور مکافات جائز ہو گیا،

اور دوسری جماعت عہد امان پر باقی رہی لہذا اس کا خون محترم رہا۔ اس مسئلہ میں ذرا تفصیل ہے

جس کا تعلق دار الحرب اور دار الامان کے جزئیاتی مسائل سے متعلق ہے، جس کا ذکر یہاں طوالت

کے خوف سے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

۵۔ دہشت کا تدارک: اس کے مختلف اسباب و ذرائع ہیں جن سے ان کو روکا جا سکتا ہے۔

اسلامی ہدایات یہ ہے کہ اخلاقی تعلیم، انسانی حقوق، بندوں کے درمیان جو حقوق ہیں، مکارم اخلاق ان کو عملاً عام کیا جائے۔ مقصد حیات سمجھا جائے، ظلم کے برے معاشرتی انجام سے واقف کرایا جائے، حقوق اور اس کا مطالبہ جائز طریقہ سے لینا سیکھا جائے، معروف کی ترویج، منکر پر نکیر اور اس کے انسانی دنیا پر بڑے سنگین نتائج عقل وتجربہ کی روشنی میں بیان کیا جائے۔

۶- اگر کسی فرد یا گروہ پر مثلاً ہند جیسے خطے میں اہل اسلام پر حملہ کیا جائے تو اس کا دفاع حسب وسعت وطاقت واجب ہے، بزدلی کے ساتھ جان وعزت وآبرو کو پامال کرنا ممنوع ہے، پھر ایسی صورت میں قوت دفاع، وقت، ماحول بعد کے نتائج کے اعتبار سے فیصلہ کیا جائے گا، آج کے اس دور میں جو مذہب اور فرقے کی بنیاد پر حملے کی نوعیت ہوتی ہے، اجتماعی حملہ عموماً کرتے ہیں اس کا دفاع حیثیت اور قدرت بھر واجب ہے، ورنہ بزدلی اور کم ہمتی سے یہ آگ اور آگے بڑھ کر پورے معاشرہ کو یکسر خاکستر کردے گی۔ **كذا في الشامي إن كل موضع خيف هجوم العدو منه فرض على الإمام أو على أهل ذلك الموضع حفظه وإن لم يقدروا فرض على الأقرب إليهم ...إذا جاء النفير إنما يصير فرض عين على من يقرب من العدو ــــ إن هجم العدو فيخرج الكل**" (شامی ۴/ ۱۲۷) (شامی میں ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں سے دشمن کے حملہ کا خوف ہو امیر پر یا اس جگہ کے رہنے والوں پر اس جگہ کی حفاظت کرنا فرض ہے، اگر وہ لوگ قادر نہ ہوں تو ان سے جو قریب ہیں ان پر فرض ہے ــــ اگر پورا اجتماعی حملہ آور ہو تو دشمن سے قریب رہنے والوں پر اس کی حفاظت کرنا فرض عین ہوگا ــــ اگر دشمن حملہ کرے تو تمام لوگ نکل کھڑے ہوں)۔

اگر استطاعت نہ ہو، کوئی سامان نہ ہو، ہتھیار بھی نہ ہو تو واجب نہیں، "**ولابد لفرضيته من قيد آخر وهو الاستطاعة ــــ وشرط لوجوبه القدرة على**

اسلامی موقف اور دہشت گردی

[illegible]

[illegible]

دہشت گردی مختلف افراد یا جماعتوں یا حکومتوں کی طرف سے کسی انسان پر ظلم و ستم اور
ذہنی و جسمانی سرگرمیوں کو کہتے ہیں جس سے انسانی جان و مال اور اس کے دین و عقیدہ کو خطرہ لاحق
ہو۔ دہشت گردی کے ضمن میں تشدد، خوف و ہراس، بنیاد پرستی، مذاہب، قتل اور انسانی جان کے
ضائع کئے جانے کی دھمکیاں بھی شامل ہیں، اسی طرح دشمنی میں کسی کو خوف زدہ کرنا، ڈاکہ زنی کی
واردات، شدت پسندانہ سرگرمیاں اور لوٹ مار کی وہ تمام شکلیں دہشت گردی میں شمار کی جاتی ہیں
جو مجرمین سے انفرادی یا اجتماعی طور پر سرزد ہوں اور اس مقصد کے لئے لوگوں میں مجرمین کا رعب
و دبدبہ طاری ہو جائے، جس سے جان و مال، امن و سلامتی، انسانی زندگی اور اس کی آزادی کو
خطرہ لاحق ہو، اسی طرح معاشرہ اور سوسائٹیز میں ایسی فضا پیدا کرنا جس سے لوگوں میں بے چینی یا
توڑ پھوڑ کرکے فتنہ و فساد، املاک و جائداد، ملکی یا قومی اسباب و وسائل، قومی، ملکی اور طبعی وسائل
کی تباہی کا خطرہ ہو۔

بنا بریں روئے زمین پر فتنہ و فساد کی تمام وہ شکلیں دہشت گردی کے دائرہ میں آتی ہیں
جس سے اللہ تعالی نے اپنے پاک کلام میں شدت کے ساتھ مسلمانوں کو منع کیا ہے، ارشاد الٰہی
ہے: "ولا تبغ الفساد فی الأرض إن اللہ لا یحب المفسدین" (سورۃ القصص، ۷۷) اور

بین الاقوامی سطح پر سرکاری دہشت گردی کا مظاہرہ بوسنیا ہرزے گووینا میں دنیا دیکھ چکی ہے اور برسوں سے اسرائیلی حکومت امریکہ کی شہ پر فلسطینیوں کے ساتھ جس طرح کے مظالم روا رکھے ہوئے ہیں وہ سب سرکاری دہشت گردی کی بدترین مثال ہے۔

۳۔ کسی طبقہ کے ساتھ ناانصافی کی متعدد صورتیں ہیں۔ سرکاری ناانصافی کی ایک صورت یہ ہے کہ حکومت کسی خاص طبقہ کے جائز حقوق ادا کرنے میں تساہل برتے، مثلاً صفائی، روشنی و پانی، دوا علاج وغیرہ کی بنیادی سہولیات سے محروم رکھے۔ ملازمتوں میں باوجود صلاحیت کے محض گروہی یا مذہبی تعصب کی بنا پر آبادی کے تناسب سے مواقع فراہم نہ کرے، ان کے جائز حقوق سے محروم رکھے، ایسی ناانصافیوں پر احتجاج کرنا جائز ہے واجب نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس قسم کی ناانصافی اور منصب کے سلسلہ کی ترجیحات کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"إنكم ستلقون بعدی أثرة فاصبروا حتی تلقونی علی الحوض" (صحیح مسلم ۲/۱۲۷)۔

احتجاجی ردعمل کے جواز کے باوجود مسلمانوں کی اجتماعی مصالح کا تقاضہ یہ ہے کہ سیاسی حکمت عملی کے ساتھ اپنے جائز حقوق کی تحصیل میں سستی نہ برتیں۔ جمہوری ملک میں جو اس کی جائز شکلیں ہیں اسے روبہ عمل لائیں۔

ناانصافی کی دوسری شکل کسی گروہ کے جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ ہے اور اس کی بدترین شکل نسل کش فسادات ہیں، اس طرح کے مظالم پیش آنے پر مبتلا بہ پر دفاع واجب ہے۔ ایسے مظلومین کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا ہرگز ہرگز دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں آتا، اسلام نے ظلم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی تعلیم دی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

"انصر أخاک ظالماً أو مظلوماً، قالوا: یا رسول اللہ! هذا ننصره

مظلوماً فكيف ننصره ظالماً؟ قال: تأخذ فوق يديه" (۱/۵، ۱۲۲ صحیح البخاری مع فتح الباری)۔

ہندوستان جیسے ملک میں مسلم اقلیت چاہے جہاں کہیں آباد ہو فسادات و مظالم کے خلاف اس کے لئے آواز اٹھانا ضروری ہے، اس لئے کہ فساد کرنے والی جماعت کا تعلق پورے ملک سے ہے۔ اس لئے پورے ملک کے مسلمان جسد واحد کا درجہ رکھتے ہیں لہذا اپنے دفاع کے لئے ضروری ہے کہ دوسرے علاقہ میں ہونے والے مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے میں دریغ نہ کریں۔

۴۔ مظلومین کے لئے یہ ہرگز روا نہیں ہے کہ وہ ظالمین کے گروہ کے ان لوگوں کو نشانہ بنائیں جو بے قصور ہیں اور اس ظلم میں شامل نہیں ہیں۔

فرمان باری تعالی ہے: "ولا يجرمنكم شنآن قوم على ان لا تعدلوا، اعدلوا هو اقرب للتقوى" (سورۂ مائدہ ۸)۔

دوسری جگہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لوليه سلطاناً فلا يسرف في القتل انه كان منصوراً" (سورۂ بنی اسرائیل ۳۳)۔

"فلا يسرف في القتل" سے بالکل واضح ہے کہ مقتول کے ورثہ کے لئے انتقام میں حد سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے، مفسرین نے واضح طور پر لکھا ہے کہ قاتل کو چھوڑ کر اس کے بدلے اس کے کسی رشتہ دار کو قتل کرنا اسراف فی القتل ہے۔ لہذا ضروری یہ ہے کہ مظلوم شدت جذبات سے مغلوب ہو کر غیر ظالم کو نشانہ نہ بنائیں ورنہ یہ اسلامی عدل کے خلاف ہوگا۔

۵۔ انسانی مسائل و مشکلات کے حل میں عدل و انصاف سے تجاوز، بین الاقوامی تعلقات میں طاقت کا استعمال، زور و زبردستی کا طریقہ، بہت ساری چپقلشوں اور جنگ و جدال کا سبب ہے،

دینِ اسلام جہاں پوری قوت و شدت کے ساتھ ظلم و زیادتی کو منع کرتا ہے، تشدد اور دہشت گردی کو حرام قرار دیتا ہے، وہیں عدل و انصاف، عفو و درگذر، باہمی گفت و شنید، عام انسانوں کے درمیان تعلقات اور آپس کی رواداری پر بھی پورا زور دیتا ہے (اسلامک فقہ اکیڈمی ہند)۔

اسلام کا نظامِ عدل و مساوات، احترامِ انسانیت اور عدمِ اعتداء علی الغیر کا بنیادی اصول دہشت گردی کے خاتمے میں بنیادی رول ادا کر سکتے ہیں۔

قرآن نے "اعدلوا هو اقرب للتقوى" کا حکم اس موقع پر بھی دیا ہے جبکہ معاملہ اپنے دشمن سے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے کھیتی کی بربادی اور نسل کشی کو چاہے اس کا تعلق کسی مذہب و ملت سے ہو مذموم گردانا ہے: "واذا تولى سعى في الأرض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل والله لا يحب الفساد" (سورۂ بقرہ: ۲۰۵)۔

اسی طرح اللہ رب العزت نے سرکشی سے بچنے کا حکم دیا ہے: "ولا تعتدوا إن الله لا يحب المعتدين" (بقرہ: ۱۹۰) اسی طرح انسانیت کے احترام کا سبق اس آیت میں دیا: "ولقد كرمنا بني آدم وحملناهم في البر والبحر" (اسراء: ۷۰)۔

مزید برآں یہ کہ اللہ رب العزت نے ہمارے نبی پاک ﷺ کو ساری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے: "وما ارسلناك إلا رحمة للعالمين" (سورۂ انبیاء: ۱۰۷)۔

ایک انسان کا دوسرے انسان کی جانب سے عزت و احترام کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی حفاظت و حمایت کی جائے۔ اس لئے کہ اسلامی شریعت نے اس کی جان و مال کو معصوم قرار دیا ہے۔ اسلام نے غیر مسلموں کو بھی اسلامی نظامِ حکومت میں مکمل تحفظ فراہم کیا ہے۔ اسلامی مملکت میں غیر مسلم پوری طرح مامون رہے اس کے لئے بھی وہی قانون ہوگا جو ایک مسلمان کے لئے ہوگا، اور اس کو بھی وہی سزا ملے گی جس کا مستحق مسلمان ہوگا (اسلامک فقہ اکیڈمی، اعلان نکتہ ۱)۔

۶- شریعت نے جان و مال اور عزت و آبرو پر حملے کے دفاع کی بھرپور اجازت دی ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں اسے واجب قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں بہت ہی واضح دلیل یہ حدیث ہے: "**من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون نفسه فهو شهيد ومن قتل دون عرضه فهو شهيد**" (صحیح مسلم، کتاب الایمان)۔

دفاع میں جان جیسی عزیز چیز کو قربان کرنا اس کی اہمیت پر واضح دلیل ہے۔ اگر انفرادی طور پر کسی کے مال کو چھیننے یا لوٹنے کی کوشش کی جائے اور وہ مال دے کر اپنی جان بچا سکتا ہو تو اس صورت میں اگرچہ مال دے کر جان بچا لینے کی گنجائش ہے لیکن دفاع کی اجازت بھی ہے۔ اور اگر ایسا آدمی دفاع کرنے میں مر جائے تو وہ شہید ہوگا۔ لیکن اگر کسی شخص کی جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ ہو تو اس صورت میں اپنا دفاع حتی المقدور واجب ہے۔ البتہ مدافعت کے حدود شریعت میں متعین ہیں اور وہ یہ کہ "الاخف فالاخف" کے اصول پر عمل کیا جائے۔ اگر مدافعت زبانی گفتگو اور لوگوں کی مدد و تعاون سے ہو جائے تو مدافع پر ضرب حرام ہوگا۔ اور اگر مدافعت ہاتھ کی پٹائی سے ممکن ہو تو کوڑے کا استعمال حرام ہوگا۔ اور اگر مدافعت کوڑے سے کی جا سکتی ہو تو لاٹھی کا استعمال ممنوع ہوگا۔ اور اگر مدافعت حملہ آور کے کسی عضو کو کاٹ کر کی جا سکتی ہو تو اس کا قتل حرام ہوگا۔ اور اگر مدافعت صرف قتل کرنے ہی سے ہو سکتی ہو تو مدافع کے لئے اس صورت میں قتل کرنا مباح ہوگا۔ اور اگر حملہ آور تلوار کے ذریعہ حملہ کرتا ہے تو مدافع کے لئے اول مرحلہ ہی میں قتل کر ڈالنا مباح ہوگا، کیونکہ اس صورت میں قتل کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ الغرض مدافع الاخف فالاخف کے اصول پر کارفرما ہے۔

اور اگر کسی گروہ کی جان و مال اور عزت و آبرو پر دوسرا بڑا گروہ حملہ کرے جیسا کہ فرقہ وارانہ فسادات کے موقع پر دیکھا جاتا ہے تو اس صورت میں مبتلا بہ مسلمانوں پر اجتماعی

موافقت واجب ہے اور اگر غیر قتال پسند مسلمانوں پر ان قوموں سے مسلمانوں کا قتل دین اور اخلاقی طور پر انتہائی ظلم و زیادتی ہے۔ اگرچہ فقہی عبارات میں ان دو مذہب کے الفاظ سے تطبیق نہیں کیا جا سکتا۔
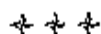
امن وسلامتی اور اسلام

مولانا شفیق احمد [illegible]

دارالعلوم [illegible]

۱۔ دہشت گردی: مختلف افراد یا جماعتوں یا حکومتوں کی طرف سے کسی انسان پر ظلم وستم اور جارحانہ سرگرمیوں کو کہتے ہیں، جس سے انسانی جان ومال اور اس کے دین وعقیدہ کو خطرہ لاحق ہو، دہشت گردی کے ضمن میں تشدد، خوف وہراس، ایذا رسانی، بلاسبب قتل اور انسانی جان کے ضائع کئے جانے کی دھمکیاں بھی شامل ہیں، اسی طرح دشمنی میں کسی کو خوفزدہ کرنا، ڈاکہ زنی، چوری کی واردات، شدت پسندانہ سرگرمیاں اور لوٹ مار کی وہ تمام شکلیں دہشت گردی میں شمار کی جائیں گی جو مجرمین سے انفرادی یا اجتماعی طور پر سرزد ہوں اور اس مقصد کے لئے لوگوں میں مجرمین کا رعب و دبدبہ طاری ہو جائے، جس سے جان ومال، امن وسلامتی، انسانی زندگی اور اس کی آزادی کو خطرہ لاحق ہو، اسی طرح معاشرہ اور سوسائٹیز میں ایسی فضا پیدا کرنا جس سے لوگوں میں بے چینی یا توڑ پھوڑ کرنے کے مقصد وفساد، املاک وجائداد عوامی یا قومی اسباب ووسائل، قومی سماجی نفع بخش اور مصنوعی وقدرتی وسائل کی تباہی کا خطرہ ہو۔

یہ ہے دہشت گردی کی اسلامی نقطۂ نظر سے تعریف جسے اسلامک فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے سولہویں اجلاس میں جو شوال ۲۲ ۱۴۲ھ میں مکہ مکرمہ میں منعقد ہوا تھا متفقہ طور پر پیش کیا گیا تھا، جسے "بیان مکۃ المکرمۃ" کے زیر عنوان شائع کیا گیا تعریف کا عربی متن یوں ہے:

"الإرهاب هو العدوان الذي يمارسه أفراد أو جماعات أو دول، بغيا على الإنسان، دينه و دمه و عقله و ماله و عرضه، ويشمل صنوف التخويف والأذى والتهديد والقتل بغير حق و ما يتصل بصور الحرابة وإخافة السبيل وقطع الطريق وكل فعل من أفعال العنف أو التهديد، يقع تنفيذا لمشروع إجرامي، فردي أو جماعي، ويهدف إلى إلقاء الرعب بين الناس، أو ترويعهم بإيذائهم أو تعريض حياتهم أو حريتهم أو أمنهم أو أحوالهم للخطر ومن صنوفه إلحاق الضرر بالبيئة أو بأحد المرافق والأملاك العامة أو الخاصة، أو تعريض أحد الموارد الوطنية أو الطبيعية للخطر، فكل هذا من صور الفساد في الأرض التي نهى الله سبحانه و تعالى المسلمين عنها في قوله. "ولا تبغ الفساد في الأرض إن الله لا يحب المفسدين" (القصص: ۷۷) (مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی الدورۃ [illegible] رابطۃ العالم الاسلامی) (رقم [illegible])۔

۲۔ حکومتوں کا اپنے ملک میں بسنے والوں اور دوسروں کے مختلف طبقات کے درمیان عدل و مساوات کا سلوک نہ کرنا، بعض طبقات کے ساتھ ترجیحی و امتیازی سلوک، ناانصافی کرنا، ان کی [illegible] اور ان کے جان و مال کے تحفظ میں کوتاہی کرنا بھی ہوئی سرکاری دہشت گردی اور حکومتی غنڈہ گردی ہے۔

۳۔ کسی گروہ یا طبقے کے ساتھ ناانصافی کی متعدد صورتیں ہیں۔ حکومت کی ناانصافی کی یہ صورت انتہائی ہے کہ وہ کسی خاص طبقے کے جائز حقوق ادا کرنے میں تساہلی برتے، جو اصلاً صفائی ستھرائی اور مواصلات، روشنی و پانی جیسی بنیادی سہولیات سے محروم رکھے، یا ملازمتوں میں آبادی کے تناسب سے ملازمت کے مواقع فراہم کرنے، تمام مراعات اور علاقوں کے وجود ایسا

۴۔ اگر ایک طبقہ کی طرف سے ظلم وزیادتی ہو جس میں اس طبقہ کے کچھ افراد شریک ہوں تو ایسی صورت میں مظلوموں کو ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے جو بے قصور ہیں اور اس ظلم میں خود شامل نہیں ہیں۔ فرمان باری عزوجل ہے: "ولا یجرمنکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا ، إعدلوا هو أقرب للتقوى" (سورۃ المائدہ:۸)۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیه سلطاناً فلا یسرف فی القتل إنه کان منصوراً" (سورۃ الاسراء:۳۳)۔

ایک غزوہ میں ایک جگہ بھیڑ لگی ہوئی تھی، حضور ﷺ نے فرمایا: وہاں لوگ کیوں اکٹھا ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ وہاں ایک مقتول عورت کی لاش پڑی ہوئی ہے اسی پر بھیڑ ہو رہی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ما کانت هذه لتقاتل (یہ تو قتال میں شریک نہ تھی) پھر اسے کیوں قتل کیا گیا، اور اس غزوہ میں مقدمہ کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید تھے تو انہیں کہلا بھیجا: "وعلى المقدمة خالد بن الوليد فبعث رجلاً فقال: قل لخالد: لا تقتل امرأة ولا عسيفاً" (مشکوۃ المصابیح ۲/۳۴۳) وفي رواية: " لا تقتلوا شيخاً فانياً ولا طفلاً صغيراً ولا امرأة" (حوالہ بالا)۔

اسلام بحالت جنگ بھی کمزوروں، بے بسوں اور لاچاروں پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔

اسی جیسے ایک سوال کے جواب میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کفایت المفتی میں فتویٰ کچھ یوں تحریر فرمایا ہے:

"مجرموں کو گرفتار کرانا یا ان سے انتقام لینا تو صحیح ہے، مگر اصل مجرم گرفتار نہ ہوسکیں تو ان کے عوض میں دوسرے بے گناہوں پر حملہ کرنا اور انہیں مارنا صحیح نہیں" (کفایت المفتی ۹/۳۴۹)۔

ایک انسان کا دوسرے انسان کی طرف سے عزت و احترام کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی
حفاظت وحمایت کی جائے اسی وجہ سے اسلامی شریعت نے ان کی جان و مال کو معصوم قرار دیا
ہے۔ اسلامی نظام حکومت میں ایک غیر مسلم کی جان و مال کی حفاظت وصیانت کے لئے وہی
قوانین نافذ ہوتے ہیں جو ایک مسلمان کے لئے اور سزا بھی اس کو وہی دی جائے گی جو مسلمان مجرم
کو بھی دی جا سکتی ہے (بیان ملتقی الفکر مجمع الفقہ الاسلامی)۔

۲- شریعت نے جان و مال اور عزت و آبرو پر حملے کے دفاع کی بھرپور اجازت دی ہے۔

دفاع عن النفس: جمہور فقہاء (امام ابو حنیفہ، شافعیہ اور مالکیہ) کے نزدیک واجب
ہے۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: "فيجب على المعتدى عليه أن يدافع عن نفسه في
رأي أبي حنيفة والمالكية والشافعية" شافعیہ وجوب دفاع کے اس صورت میں قائل
ہیں جبکہ حملہ آور کافر یا جانور ہو، اور حملہ آور کے مسلمان ہونے کی صورت میں استسلام کے جواز
بلکہ مسنون ہونے کے قائل ہیں بدلیل روایت ابوداؤد "کن خیر ابني آدم" یعنی قابیل
وہابیل (الفقہ الاسلامی ۵/ ۵۵۵۵)۔

قائلین وجوب کے دلائل یہ ہیں:

۱- "قوله تعالى: ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة" (بقرہ ۱۹۵)۔

۲- "فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء إلى أمر الله" (حجرات ۹)۔

۳- "فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم" (بقرہ ۱۹۴)۔

۴- "وجزاء سيئة سيئة مثلها" (شوریٰ ۴۰)۔

اور ان کی دلیل عقلی یہ ہے کہ انسان کو بحالت اضطرار حرام چیز کھا کر بھی جان کی
حفاظت کرنی واجب ہے تو قتل کی صورت میں بھی اپنے جان کی مدافعت واجب ہوگی۔

حقِ مدافعت کے حدود:

مدافعت کے حدود شریعت میں متعین ہیں اور وہ ہے: الاخف فالاخف یا الاسہل فالاسہل کا اصول، چنانچہ اگر مدافعت صرف زبانی گفتگو اور دیگر لوگوں کی مدد اور تعاون سے کی جا سکتی ہو تو ایسی صورت میں مدافع پر ضرب و پٹائی کرنا حرام ہوگا، اور اگر مدافعت ہاتھ کی پٹائی سے ممکن ہو تو کوڑے کا استعمال حرام ہوگا، اور اگر مدافعت کوڑے کے استعمال سے پورے طور پر حاصل ہو سکتی ہو تو لاٹھی کا استعمال ممنوع ہوگا، اور اگر مدافعت عصا اور ڈنڈے یا کسی عضو کو کاٹ کر ممکن ہو تو اس کا قتل کیا جانا حرام ہوگا، اور مدافعت اگر صرف اور صرف قتل کرنے سے ہی ہو سکتی ہو تو مدافع کے لئے ایسی صورت میں حملہ آور کا قتل مباح ہوگا، لیکن اگر حملہ آور تلوار وغیرہ کے ذریعہ ہلا بول دے تو مدافع کو اول وہلہ ہی میں قتل کر ڈالنا مباح ہوگا، کیونکہ اب قتل کے سوا کوئی دوسری اخف اور اسہل صورت باقی ہی نہ بچی تھی۔

اور اگر کسی گروہ کی جان و مال اور عزت و آبرو پر دوسرا گروہ منظم حملہ آور ہو جیسے کہ فرقہ وارانہ فسادات کے موقع پر ہوا کرتا ہے تو ایسی صورت میں مبتلا بہ مسلمانوں پر اجتماعی مدافعت واجب ہوگی، اور دیگر غیر مبتلا بہ مسلمانوں پر ان مظلومین کا حتی الامکان تعاون کرنا اباحت کے درجہ میں ہوگا۔ "ولو عرض اللصوص لقافلة جاز لغير أهل القافلة الدفع عنهم" {الفقہ الاسلامی وادلتہ [illegible]} (چور اگر کسی قافلہ کے مقابلہ میں آ جائے تو ایسے لوگوں کے لئے جو قافلہ میں شامل نہ ہوں قافلہ والوں کی طرف سے دفاع کرنا جائز ہے)۔

مگر اسلام جو تمام بنی نوع انسان کے لئے ہدایت و رحمت ہے، اور اس کا قائل ہے کہ ہر حقدار کو اس کا حق دیا جائے "ان یعطی کل ذی حق حقه"، اور وہ اپنی تعلیمات کو قبول کرنے میں کسی طرح کے جبر و اکراہ کا قائل نہیں، جس کی تعلیم یہ ہے کہ "الدین النصیحة" دین خیر خواہی کا نام ہے، اور اس نے ہر شخص کو جان، مال، عزت، اور دین کی حفاظت اور اس کی طرف سے دفاع کا حق دیا ہے، اس لئے مذکورہ دہشت گردی کی تعریف اس کے نزدیک درست نہیں ہوتی، اس لئے کہ ہر شخص اور جماعت کی اپنی مصلحتیں ہوتی ہیں خواہ جائز ہوں یا نہ جائز۔

اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی کی تعریف یہ کی جاسکتی ہے کہ:

کسی حکومت، جماعت یا فرد کی جانب سے وہ ناحق جارحانہ سرگرمیاں جن سے کسی انسانی جان و مال، عزت اور دین وعقیدہ کو خطرہ لاحق ہو۔

۲- حکومتیں جو اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل و مساوات کا سلوک نہیں کرتیں، بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی و معاشی ناانصافی روا رکھتی ہیں، اور کبھی ان کے جان و مال کے تحفظ میں بھی دانستہ کوتاہی سے کام لیتی ہیں یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں کرتی ہیں کہ وہ طبقہ جانی و مالی نقصان سے دوچار ہو تو اس غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ پر علی الاطلاق دہشت گردی کا اطلاق درست نہیں معلوم ہوتا۔

اسے حکومت کی لاپرواہی، اور حقوق میں کوتاہی، حق تلفی اور ظلم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، البتہ ان مذکورہ ساری حرکتوں میں تشدد، جانی و مالی ضیاع کی دھمکی، خوف وہراس بھی شامل ہو تو اس پر دہشت گردی کا اطلاق کیا جائے گا۔

۳- کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار "جزاء سیئة سیئة مثلها" (شوریٰ: ۴۰) اور "وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به

ولئن صبرتم لهو خير للصابرين" (نحل:۱۲۶) نیز قاعدہ فقہیہ "الضرر یزال" کے تحت جائز ہوگا واجب نہیں۔ اور اپنے حق کے حصول کے لئے شریعت اسلامیہ کے دائرہ میں سنجیدہ طریقہ کار اختیار کیا جائے گا۔ اور اس حد کو ملحوظ رکھا جائے گا کہ مظلوم ظالم نہ بن جائے۔

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی دفعہ (۷) میں ہے:

"قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حقدار ہیں۔ اس اعلان کے خلاف تفریق کی جائے یا جس کو تفریق کے لئے ترغیب دی جائے اس سے سب برابر کے بچاؤ کے حق دار ہیں"۔

اور دفعہ (۸) میں ہے:

"ہر شخص کو ان افعال کے خلاف جو اس دستور یا قانون میں دیئے ہوئے بنیادی حقوق کو تلف کرتے ہوں با اختیار قومی عدالتوں سے مؤثر طریقہ پر چارہ جوئی کرنے کا پورا حق ہے (از ترجمہ جاری کردہ انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز)۔ اور مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں آئے گا: "ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا فلا یسرف فی القتل انه کان منصورا" (بنی اسرائیل:۳۳)۔

نیز ابو بصیر اور ابو جندلؓ کے واقعہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں ہوگا۔ "قال الحافظ: وفی قصة أبی بصیر من الفوائد، جواز قتل المشرک المعتدی غیلة، ولا یعد ما وقع من أبی بصیر غدرا الخ" یعنی ظالم مشرک کا قتل جائز ہے، اور ابو بصیرؓ نے جو کچھ کیا وہ غدر یا عہد شکنی میں شمار نہیں ہوگا، اس لئے کہ انہوں نے اپنے نفس اور دین کی طرف سے دفاع کیا، اور اس کی صورت میں قصاص یا دیت نہیں ہوتی (فتح الباری ۵/۳۵۱ کتاب الشروط)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی

عليكم واتقوا الله واعلموا أن الله مع المتقين" (بقرہ ۱۹۴)۔ (اور جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس کا بدلہ اسی کے مثل ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے)۔

اس کی تفسیر میں امام قرطبی لکھتے ہیں: "عموم متفق عليه إما بالمباشرة إن أمكن وإما بالحكم" (تفسیر قرطبی ۲/۳۵۶)۔

یعنی یہ حکم عام ہے اور متفق علیہ ہے، یا تو مظلوم خود بدلہ لے اگر ممکن ہو یا پھر حکام کے ذریعہ آگے کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن نے بدلے کو اگرچہ اعتداء (عدوان) سے تعبیر کیا ہے مگر یہ عدوان مباح ہے۔

۴۔ کسی طبقہ کی طرف سے ظلم وزیادتی ہو، جس میں اس طبقہ کے کچھ افراد شریک ہوں تو مظلوموں کو ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے جو واقعۃً بے قصور ہیں اور اس ظلم میں شامل نہیں ہیں بدلہ لینا جائز نہیں۔

"وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم ولا تعتدوا إن الله لا يحب المعتدين" (البقرہ:۱۹۰) (جو لوگ تم سے لڑتے ہیں ان سے اللہ کے راستہ میں لڑو، اور حد سے تجاوز مت کرو، اللہ تعالی حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے جیش اسامہ یا یزید بن ابوسفیان کو روانگی کے وقت جو نصیحت فرمائی تھی پیش نظر رکھنے کے قابل ہے:

"لا تخونوا ولا تغدروا ولا تمثلوا، ولا تقتلوا طفلاً ولا شيخاً كبيراً ولا امرأة ولا تعقروا نخلاً ولا تحرقوه، ولا تقطعوا شجرة مثمرة ولا تذبحوا شاة ولا بقرة ولا بعيراً إلا لمأكلة، وسوف تمرون بأقوام قد فرغوا أنفسهم في

الصوامع فدعوهم وما فرغوا أنفسهم له" (دیکھو! خیانت مت کرنا، عہد شکنی مت کرنا، اور مثلہ (مقتولین کے ناک کان وغیرہ کاٹنا) مت کرنا، اور نہ ہی کسی بچے، بوڑھے یا عورت کو قتل کرنا، اور نہ باغات کو تباہ کرنا یا آگ لگانا، اور نہ کسی پھلدار درخت کو کاٹنا، اور بکری، گائے یا اونٹ کو بلا مقصد ذبح مت کرنا مگر کھانے کے لئے، اور تمہارا گزر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہو جنہوں نے اپنے آپ کو عبادتگاہوں تک محدود کرلیا ہے ان سے چھیڑ چھاڑ مت کرنا)۔

البتہ اگر اس طبقہ کے دوسرے افراد اس ظلم میں معاون ہوں تو وہ بھی ظالم کی صف میں شمار ہوں گے۔

۵- دہشت گردی کے اسباب کا تدارک:

دہشت گردی کے خاتمہ اور اس کے اسباب کو زائل کرنے کے لئے مثبت اور منفی دونوں طریقے استعمال کئے جا سکتے ہیں مثبت طریقے میں درج ذیل باتیں آتی ہیں:

۱- ایمان باللہ والیوم الآخر:

اس بات پر اعتقاد رکھنا کہ کوئی بھی انسان کھلے طور پر بے لگام آزاد نہیں ہے، بلکہ وہ کسی کے سامنے جوابدہ ہے، اور ایک دن اسے اپنی ساری حرکات کا حساب دینا ہے:

"من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيراً أو ليسكت"۔

۲- انسانی جان و مال کا احترام:

اس بات کا شعور و احساس کہ تمام انسان ایک ہی آدم کی اولاد، اور ان کی عزت و احترام

ہیں: "إنا خلقناکم من ذکر و أنثی وجعلناکم شعوباً و قبائل لتعارفوا" (الحجرات:۱۳) "ولقد کرمنا بنی آدم" (الاسراء:۷۰) اور یہ کہ کسی بھی انسانی جان کا قتل پوری نوع انسانی کا قتل ہے: "من قتل نفساً بغیر نفس أو فساد فی الأرض فکأنما قتل الناس جمیعاً ومن أحیاها فکأنما أحیا الناس جمیعاً" (المائدہ:۳۲)۔

اور مختلف طریقہ میں حدود و تعزیرات آئی ہیں، جن کا جرائم کے انسداد میں ایک مؤثر کردار ہے، خاص طور سے اسلامی حدود و تعزیرات جو ظلم و زیادتی سے تحفظ دیتی ہیں۔

"ولکم فی القصاص حیاة یا أولی الألباب لعلکم تتقون" (البقرہ:۱۷۹)

"إنما جزاء الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الأرض فساداً أن یقتلوا أو یصلبوا أو تقطع أیدیهم وأرجلهم من خلاف أو ینفوا من الأرض ذلک لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الآخرة عقاب عظیم" (المائدہ:۳۳)۔

۶- اگر کسی گروہ یا فرد کی جان، مال یا عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو اس گروہ یا فرد کو شرعی طور پر دفاع کا حق حاصل ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! کوئی شخص میرا مال (ناحق) لینا چاہے (تو میں کیا کروں)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اپنا مال مت لینے دو، اس نے پوچھا: اگر وہ شخص اس کی خاطر مجھ سے قتال کرے تب؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھی اس سے قتال کرو، اس نے پوچھا: اگر اس شخص نے مجھے قتل کر دیا تب؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم شہید ہو گے، اس نے پوچھا: اگر میں نے اسے قتل کر دیا تب؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "هو فی النار" (صحیح مسلم)۔

ایک دوسری حدیث میں جان، مال، آبرو اور دین کے دفاع میں قتل ہونے والے کو بھی شہید کہا گیا ہے۔

حق مدافعت کے حدود کے لئے یہ حدیث پیش نظر رکھی جانی چاہئے: قابوس بن مخارق نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا ایک آدمی میرا مال لینا چاہتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "ذکرہ باللہ" اسے اللہ سے یاد دلاؤ، نصیحت کرو، سمجھاؤ: انہوں نے پوچھا کہ اگر وہ اس پر بھی باز نہ آئے تب؟ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے اردگرد کے مسلمانوں سے مدد لو، انہوں نے پوچھا: اگر میرے قریب پاس میں کوئی مسلمان نہ ہو تب؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے خلاف حکومت سے مدد لو (عدالت سے چارہ جوئی کرو)، انہوں نے پوچھا: "فإن نأى السلطان عني" حکمران دور ہوں تب؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے مال کی حفاظت میں قتال کرو یہاں تک کہ تم مقتول ہو کر آخرت کے شہداء میں سے ہو جاؤ۔ یا اپنا مال بچا سکو (فتح منیر ۱/ ۲۸۲ بحوالہ نسائی) "فإن نأى السلطان عني" کا یہ مفہوم بھی دور حاضر میں سمجھ میں آتا ہے کہ عدالت یا تھانے اور کوتوالی میں تعاون، مدد اور انصاف نہ مل سکے۔

اور چونکہ مال کی حفاظت اور اس کی خاطر قتل ہونے میں اجر و ثواب ہے، لہذا یہ مدافعت مستحب ہوگی۔

اسلام امن وسلامتی کا گہوارہ

محمد [illegible] ندوی
پرتاپ گڑھ

اسلام ایک سراپا امن وسلامتی کا مذہب ہے، اس کی تعلیمات، اس کا فلسفہ زندگی اور اس کے اصول وضوابط سب کے سب ظلم وبربریت، انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خلاف ہیں۔ اسلامی تاریخ وتہذیب اور تعلیم کی روشنی میں اسلام ہی درحقیقت امن کا حامل علمبردار اور آئینہ دار ہے۔ مذہب اسلام امن وسلامتی کو انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے بنیادی ضرورت قرار دیتا ہے، اور اس کی قطعی اجازت نہیں دیتا کہ ایک انسان دوسرے انسان کے جان ومال پر حملہ کرے۔ اسلام نے بے گناہ وبے قصور کسی انسانی جان کے ضیاع وقتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔ جبکہ کسی جان کی تحفظ وحمایت اور زندگی کے بچاؤ کو پوری انسانیت کی حمایت اور بچاؤ قرار دیا ہے۔ اسلام نے ظلم وستم، قتل وغارت گری اور دہشت وحیوانیت پر نہ صرف نکیر کی بلکہ سے قابل نفرت اور گردن زدنی جرم قرار دیا۔

قرآن پاک جس عظیم ترین ہستی پر نازل ہوا خود ان کا فرمان ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی یعنی غیر مسلم شہری کو تکلیف پہنچائے تو خود میں (نبی ﷺ) قیامت کے دن اس مسلمان کے خلاف اس غیر مسلم کی طرف سے حاضر ہوں گا۔ کیا پیغمبر اسلام کے اس واضح فرمان کے بعد بھی اس پروپیگنڈے پر یقین کرنے کی گنجائش بچتی ہے کہ اسلام تشدد کا مذہب ہے، اسلام اور تشدد دونوں

ایک دوسرے کی ضد ہیں، جہاں اسلام ہوگا تشدد وہاں کبھی نہیں ہو سکتا، اسلام تشدد کے مقابلہ کے لئے سب سے طاقتور ہتھیار ہے، حضور اکرم ﷺ ہر روز جب تہجد کے وقت بیدار ہوتے تو فرماتے:

"اے اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں" لہٰذا دنیا کے جس خطہ میں اور جہاں جہاں مسلم اور غیر مسلم ملی جلی آبادی میں رہتے ہیں وہ عملی و سماجی زندگی میں اسی شہادت رسول کی روشنی میں ایک دوسرے کے ساتھی اور رفیق ہیں، وہ شریعت اسلامیہ کی رو سے امن و سلامتی اور اخوت و بھائی چارے کے معاہدہ میں بندھے ہوئے ہیں۔

دراصل اسلام بنیادی طور پر امن و سلامتی کی دعوت دیتا ہے، جنگ پر صلح کو فوقیت دیتا ہے۔

دہشت گردی کی تعریف:

دہشت گردی کی کوئی مسلمہ اور متفقہ تعریف اب تک متعین نہیں کی جا سکی ہے، اور نہ ہی اس کے حدود متعین کئے جا سکے ہیں، چونکہ دہشت گردی کی اصطلاح کشادہ اور وسیع المفہوم ہے، اس لئے اس کی بہت سی تاویلیں اور متعدد تعبیریں کی جا سکتی ہیں۔ مختلف ادوار، نسلوں، معاشی واغراض، قوموں اور مذاہب اور عقلوں اور فکروں کے اختلاف سے دہشت گردی کے بہت سے معنی و مفہوم متعین کئے جا سکتے ہیں، تاہم عالمی سطح پر یہ اصطلاح استعمال کی جا رہی ہے کہ حکومتیں اپنے سیاسی مخالفین کے تشدد اور غم و غصہ کے اظہار کو دہشت گردی قرار دیتی ہے، اور اس کے مخالفین حکومت کی سختی یا فوجی کارروائیوں کو سرکاری دہشت گردی کا نام دیتے ہیں، گویا حکمراں طبقہ عملی طور پر اس بات پر متفق ہے کہ منتخب یا مسلمہ حکومت کے خلاف کوئی بھی تشدد، احتجاج اور مظاہرہ دہشت گردی ہے۔

بہرصورت دہشت گردی کے حتمی و مفہوم کی معقول اور سبھوں کے لئے قابل قبول تعیین اور حد بندی کے حوالے سے خاصی پیچیدگی اور دشواری پائی جاتی ہے۔ تاہم مولانا عبدالحمید نعمانی دہشت گردی کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "دہشت گردی صحیح معانی میں بے قصور اور معصوم افراد کو غیر استحقاقی طور پر اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ایک بار یا متعدد بار وحشی اور ظلم وستم کا نشانہ بنانے کا نام ہے جس سے وہ ہراساں و خوف زدہ ہو جائیں۔ ایسا فرد، قوم اور تنظیم کی طرف سے بھی ہوتا ہے اور ادارہ اور ملک کی طرف سے بھی، یعنی کسی فرد، جماعت، قوم یا ملک و ادارہ کا وہ عمل دہشت گردی ہے جس کا مقصد عام افراد کو عمومی طور پر اور اپنے مخالف قوت کو خصوصی طور پر دہشت میں ڈال کر اپنی غرض و مطلب کا حصول ہو ([illegible] بھوپال)۔

۲-حکومت کے ظالمانہ سلوک پر دہشت گردی کا اطلاق:

وہ حکومت جو اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل وانصاف کا سلوک نہ کرے، بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی و معاشی ناانصافی روا رکھے اور اس طبقے کی جان و مال کے تحفظ میں دانستہ کوتاہی سے کام لے، یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں اور کوششیں کی جائیں کہ وہ طبقہ مالی و جانی نقصان سے دوچار ہو تو ایسی حکومت اور ان کے اس غیر منصفانہ و ظالمانہ رویہ پر بھی دہشت گردی کا اطلاق ہوگا۔

کیونکہ بے قصور و معصوم افراد کو ستانا، ان کے ساتھ عدل و انصاف کا سلوک نہ کرنا، سیاسی و معاشی ناانصافی روا رکھنا اور دانستہ جان و مال کے تحفظ میں کوتاہی خواہ کسی فرد کی جانب سے ہو یا حکومت کی طرف سے، یہ سب دہشت گردی کے ہی زمرے میں آتے ہیں۔

۳۔ حکومت کے غیر منصفانہ سلوک کے خلاف احتجاج:

اگر حکومت وقت کسی گروہ یا طبقے کے ساتھ ناانصافی روا رکھتی ہے تو اس پر احتجاج اور رد عمل کا اظہار جائز ہی نہیں بلکہ جمہوری اور انسانی حق ہے۔ ہر گروہ کو حق ہے کہ دستور و قانون کے تحت تسلیم کئے گئے جائز حقوق کو حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرتا جائے۔ جمہوری حکومت میں اپنے جائز حقوق کے منوانے کے لئے جو طریقے مؤثر ہوتے ہیں ان سب کا استعمال کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ طریقے شرعی اعتبار سے دائرہ جواز میں آتے ہوں، اور جو طریقے سراسر غیر اسلامی ہوں ان کا اختیار کرنا جائز نہیں۔ یہ واضح رہے کہ مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں آتا ہے۔

۴۔ بے قصور افراد سے ظلم کا بدلہ لینا:

اگر کسی ایک طبقہ کی طرف سے ظلم و زیادتی ہو جس میں اس طبقہ کے تمام افراد شریک نہ ہوں تو مظلوموں کو ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے جو بے قصور ہوں اور جو خود اس ظلم میں شریک نہ ہوں، کیونکہ اسلامی شریعت میں چاہے فرد کا معاملہ ہو یا جماعت کا کسی قومی اور مسلکی وابستگی کی بنیاد پر غیر متعلق افراد کو دوسرے کے عمل کے لئے قصوروار قرار دینا جائز نہیں ہے۔ ایک کے عمل کے لئے دوسرے کو ذمہ دار قرار دینا قطعاً ناانصافی اور زیادتی ہے۔

البتہ ظلم و بربریت کے خلاف اور مظلوموں کی حمایت کے لئے ممکنہ جائز طریقہ اپنایا جا سکتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے جنگ کے دوران بھی بچوں، عورتوں، بوڑھوں، عبادت میں مصروف اور جنگ کے لئے غیر اہل افراد سے تعرض کرنے سے سختی سے روکا ہے۔ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر اس طرف توجہ دلائی ہے کہ جنگ سے غیر متعلق رہنے والے افراد کو اس جنگ

کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے: "قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم" (بقرہ: ۱۹۰)۔
پیغمبر رحمت ﷺ نے صراحۃً غیر متعلق افراد کو قتل کرنے سے منع کیا: "لا تقتلوا شیخا فانیا وطفلا صغیرا ولا امرأۃ" (ابوداؤد: کتاب الجہاد) (یعنی کمزور بوڑھے، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرو)۔

فقہائے اسلام تو کمزوروں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو جنگ کے دوران قتل کی نیت تک کو ناجائز کہتے ہیں، عبادت گذار اور الگ تھلگ رہنے والے راہب وغیرہ کو بھی قتل سے منع کیا ہے۔ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کی رائے امام محمدؒ نے "السیر الکبیر" میں نقل کی ہے۔

ساتھ ہی اسلام نے عام تباہ کاری کی سخت مذمت کرتے ہوئے اس کی مخالفت کی ہے۔ آج کی مہذب دنیا میں بھی برسر جنگ دشمنوں کی ہر چیز اور غیر متعلق افراد کو بھی تباہ کاری کا نشانہ بنایا جاتا ہے لیکن اسلام اسے بداخلاقی اور فساد قرار دیتا ہے۔

اسلام تو اس حد تک امن پسند اور صلح پسند ہے کہ جنگ سے بھاگتے ہوئے فرار ہونے والے کا تعاقب کرنے سے روکتا ہے، فتح مکہ کے موقع پر بھی آپ ﷺ نے اس کی خاص ہدایت فرمائی تھی۔ تفصیلات کے لئے بدایۃ المجتہد، نیل الاوطار جلد ۸، زاد المعاد جلد ۳، فتح القدیر، فتح الباری جلد ۷ سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

۶۔ دہشت گردی کے تدارک کے لئے اسلامی ہدایات:

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دہشت گردی کے پیچھے کچھ بنیادی اسباب و محرکات ہوتے ہیں، جیسے کسی گروہ کے ساتھ معاشی یا سیاسی ناانصافی۔ ان اسباب کے تدارک کے لئے اسلام کیا ہدایات دیتا ہے ہم اس کو نہایت اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

۱۔ اسلامی نظریہ کی رو سے ایک انسان بحیثیت انسان شرف و تکریم کے مقام پر فائز

مختصر تحریریں:

مولانا سلطان احمد اصلاحی

مولانا محمد شمس الدین مظاہری

مفتی حبیب اللہ قاسمی

قاری ظفر الاسلام قاسمی

مولانا عطاء اللہ قاسمی

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی

مولانا محی الدین غازی فلاحی

مولانا ابو العاص وحیدی

مولانا سعید الرحمن فاروقی

مولانا محمد ظفر عالم ندوی

مفتی عبد الرحیم قاسمی

مولانا نیاز احمد عبد الحمید

مولانا اسعد قاسمی سنبھلی

مولانا عقیل الرحمن قاسمی

مولانا ابو القاسم عبد العظیم

مفتی مجاہد الاسلام قاسمی

مولانا تنظیم عالم قاسمی

امن عالم اور اسلامی نقطۂ نظر

مولانا سلطان احمد اصلاحی
علی گڑھ

۱۔ اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گردی یہ ہے کہ کسی وجہ اور سبب کے بغیر کوئی شخص کسی دوسرے فرد یا جماعت کے خون کو اپنے لئے مباح کر لے۔ لیکن اس کے سلسلے میں اس غلط فہمی کا رفع ہونا بہت ضروری ہے کہ بنیاد پرستی (Fundamentalism) کی طرح یہ اصطلاح بھی عالم اسلام دشمن میڈیا کی ایجاد ہے، جس کے نتیجے میں اسلام اور دہشت گردی کو لازم وملزوم قرار دیا گیا ہے۔ درآنحالیکہ ہماری اوپر کی تعریف کے لحاظ سے دنیا کے کسی خطے میں اسلامی دہشت گردی کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اسی طرح دہشت گردی کے مسئلے میں انفرادی دہشت گردی کے ساتھ ریاست کی حمایت یافتہ دہشت گردی (State sponsered terrorism) کو بھی اسی طرح بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی اہتمام کے ساتھ شامل کرنا چاہئے۔ اپنی بہت ساری خوبیوں کے باوجود عالمی سطح پر اس وقت اس کا سرغنہ امریکہ ہے۔ کبھی برطانیہ عظمیٰ اس سلسلے میں اس کا پیش رو ہے۔ روس اور اس جیسے دوسرے ممالک بھی اسی جبر وتشدد میں اسی طرح ملوث ہیں۔ تازہ مثال ہماری جمہوریت میں گجرات کی ہے جہاں ریاست کی حمایت یافتہ دہشت گردی نے اس میدان کے بڑے بڑے سورماؤں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

۲۔ بلاشبہ حکومتوں کے اس طرح کے غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویے پر دہشت گردی کا اطلاق

کی روایت کی حاکم نے تصحیح کی ہے اور محدثین نے اس کو درست قرار دیا ہے۔ (تفسیر حوالہ بالا ج ۲، مطبوعہ مصر ۱۳۶۲ھ)۔

اس کی روشنی میں مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی کے دائرے میں نہیں آتا ہے۔

۴۔ ظالم گروہ کے بے قصور لوگ جو اس ظلم میں شامل نہ ہوں تو ان سے تو بدلہ لینا جائز نہیں ہے، لیکن اگر یہ لوگ اس ظلم کو اسی طرح برابر دیکھتے رہیں، اس کے خلاف کسی رد عمل کا اظہار اور اس کے تدارک کی کوئی کوشش نہ کریں، بلکہ در پردہ اس کی حمایت کریں، اور ان کی یہ دانستہ خاموشی ظالموں کے لئے شہہ اور ان کی حوصلہ افزائی کا باعث ہو تو اپنے اس طرز عمل سے یہ لوگ بھی ظالموں کے زمرے میں شامل ہیں، اور ان کا حکم ظالم گروہ کے ان بے قصور افراد سے مختلف ہوگا جو ظلم کے خلاف سینہ سپر ہوں اور اپنے بس بھر ظلم کو روکنے کے لئے کوشاں ہوں، جیسا کہ گجرات میں مسلمانوں کی حالیہ نسل کشی کی مہم میں ان دونوں طرح کے مظاہر کا مشاہدہ کیا گیا ہے۔

۵۔ آج کے حالات میں معاشی اور سیاسی ناانصافیوں کے سلسلے میں اسلام کی ہدایت یہی ہو سکتی ہے کہ مسلمان محنت جدوجہد کے ذریعہ اپنی معاشی بدحالی کو دور کرنے اور مالی اعتبار سے اپنے کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کرنے کو دینی فریضہ خیال کریں، اسی طرح دنیا کے جس ملک میں جمہوری غیر جمہوری جس طرح کی سیاست ہو وہاں وہ اس میں بھرپور اور سرگرم حصہ لے کر اپنی سیاسی قوت میں اضافہ کریں، اس کے لئے خاص طور پر دینی تعلیم کے ساتھ سائنس، ٹکنالوجی، میڈیکل اور انجینئرنگ، کامرس اور تجارت وغیرہ کی تعلیم پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، اسی طرح منصوبہ بند طریقے پر آئی اے ایس، آئی پی ایس اور مرکزی و صوبائی حکومتوں کی اعلیٰ ملازمتوں میں مسلمانوں کو اپنی جگہ بنانی چاہئے، اس سلسلے میں

بالواسطہ اور بلاواسطہ مدارس عربیہ کو بھی اپنا کردار ادا کرنا چاہئے، اور اپنے نظام کار میں مناسب اصلاحات اور ترمیمات کے ساتھ نظام ملکی میں اپنے فضلاء کو داخل کرنے کی سعی و جہد کرنی چاہئے۔ اسی طرح (Legislature) میں ان کی موثر حصہ داری منصوبہ بند سیاست کی طالب ہے، اس پر بھی مسلمان علماء و قائدین کو بھرپور توجہ دینی چاہئے۔

۶- کسی مسلمان کی جان و مال یا عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو حتی المقدور اس کے اپنا دفاع کرنا واجب ہے، فرد کے ساتھ جماعت پر یہ بات بدرجہ اولیٰ صادق آتی ہے، بسا اوقات کارگر دفاع اقدامی حملے کا تقاضا کرتا ہے، حالات کے تحت اس کی گنجائش بھی پیدا ہوتی ہے۔

❖ ❖ ❖

امن وآشتی کا مذہب اسلام

مولانا محمد حسن الدین قادری

جامعہ اسلامیہ [illegible] آسام

اسلام جو مذہب رب العالمین کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے آخری اور پسندیدہ دین ہے کسی طرح کی ظلم و بربریت کا ہرگز قائل نہیں ہے اور وہ دہشت گردی کی بھی کسی طرح تائید نہیں کرتا جس میں بے گناہوں کے جان و مال کو نشانہ بنایا جاتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ دہشت گردی کی کیا تعریف ہے؟ اس کے کیا حدود ہیں؟ اور یہ اس لئے ضروری ہے کہ اس دہشت گردی کی اصطلاح کشادہ اور وسیع المفہوم ہے جس کی بہت سی تاویلیں اور متعدد تعبیریں کی جا سکتی ہیں، ثقافتوں، نسلوں، مصالح و اغراض، قوموں اور مذاہب اور علاقوں و خطوں کے اختلاف سے دہشت گردی کے بہت سے معنی متعین کئے جا سکتے ہیں، کیونکہ اب تک کوئی جامع اور متفق علیہ تعریف اس کی نہیں کی جا سکی ہے جو دنیا کی ساری قوموں اور ملتوں کے لئے قابل قبول ہو، اس لئے بہت سے ملک برادریوں اور افرادی اصطلاح سے کھیلتے رہے ہیں، اور اکثر جگہ افراد اور جماعتوں سے زیادہ حکومت نے حقیقی معنی میں دہشت گردی مچا رکھی ہے، کئی ملکوں میں بعض مذاہب کے ماننے والوں (خصوصاً جو وہ اقلیت میں ہیں) کی تمام حرکات و سکنات کو دہشت گردی قرار دیا جا رہا ہے حتی کہ ان کا وجود ہی دہشت گردی کا مترادف بنا دیا گیا ہے لیکن ملک کی اکثریت چاہے جس قسم کا تشدد کرے اور تمام حدوں کو پار کر جائے انہیں کوئی دہشت گرد نہیں کہتا۔

چنانچہ ہمارے ملک میں انتہا پسند اور تشدد پسند غیر مسلم خود اس حکومت کے رویے

مطابق جس کی قیادت بدنام زمانہ سنگھ پریوار کر رہا ہے یہ پیدائشی طور پر بے گناہ ہیں، وہ تشدد اور دہشت گردی کے سہارے ریاستیں توڑ دیں، تاریخی مساجد ڈھا دیں، بہت سی مسجدوں اور گرجا گھروں کو منہدم کردیں یا نقصان پہنچا دیں، پیہم فرقہ وارانہ فساد برپا کریں اور مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلیں اور ان کی املاک تباہ کریں، تقریر و تحریر میں شعلے اگلیں اور آگ برسائیں۔ مسلمانوں کے خلاف ملک میں ہر وقت نفرت کا بیج بوئیں، اسلحے کے استعمال کی ٹریننگ کا کیمپ چلائیں، ترشول بانٹیں، بار بار اعلان کریں کہ لاکھوں ہندوؤں کو اندرون ملک دشمنوں سے لڑنے کے لئے فلاں پریشد اور فلاں دل فوج تیار کر رہا ہے، لیکن ان کا کوئی فرد نہ تشدد پسند کہا جاتا ہے اور نہ دہشت گردی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اس کے برعکس اگر مسلمان قانون کے دائرے میں رہ کر بھی دین پر عمل کریں اور اپنا حق [illegible] یا استعمال کریں تو انہیں گرفتار کرلیا جاتا ہے اور دہشت گردی کے جرم میں "سیمی" "ٹاڈا" اور "پوٹا" کے آرڈیننس کی تلوار کے ذریعہ ذبح کیا جاتا ہے، اور ہمیشہ کے لئے زیر شکنجہ کسنے کی خاطر تحقیقاتی ایجنسیاں خود حکومت کی طرف سے عمل میں لائی جاتی ہیں (ماہنامہ دارالعلوم، فروری ۲۰۰۲، ص ۴۹-۵۰)، بہرحال دہشت گردی کی حقیقت سے چشم پوشی کرکے بہت سے لوگوں نے خوب ناجائز فائدہ اٹھایا، اس لئے ہم اس کی صحیح اور اسلامی تعریف کر رہے ہیں۔

۱۔ بے قصور اور معصوم افراد پر یا جماعت یا کسی مخصوص قوم پر ظلم و بربریت اور دھاندلی کے حوالے سے خوف و ہراس پھیلانا تاکہ امن عامہ غارت ہو جائے "دہشت گردی" کہلاتا ہے، یہ تو ہوئی "دہشت گردی" کی حقیقت اسلامی نقطہ نظر سے۔ مگر امریکی نقطہ نظر نے "دہشت گردی" کا معنی متعین کرلیا ہے۔ اس کے نزدیک "دہشت گردی" ہر اس قول و فعل سے عبارت ہے جس سے امریکہ مفادات کو ضرب لگتی ہو، اسی تفسیر کی روشنی میں اس سے نمٹ رہا ہے اور اسی وقت اور

آئندہ وہ اس تعبیر و تشریح پر کاربند رہے۔ (واللہ اعلم)

۲- حکومت جب دانستہ طور پر اپنے ملک میں بسنے والے بعض طبقات کے ساتھ سیاسی یا معاشی ناانصافی روا رکھے، جہاں وہاں کے تحفظ کا حق بھی نہ دے تو وہ زیادتی سے کام لے اور اس کا فرعونی چنگل اور نمرودی جذبہ انسانیت کا گلا گھونٹنے لگے تو بلا ریب اس پر بھی "دہشت گردی" کا اطلاق ہوگا، خواہ مظلوم طبقہ کسی بھی مذہب کا پیرو اور کسی بھی مسلک کا حامل کیوں نہ ہو، کیونکہ بلا تفریق مذہب و ملت ہر فرد اور ہر طبقے کے جائز حقوق و مراعات و مطالبات کی طرف بنظر عدل دیکھنا حکومت کا فریضہ ہوتا ہے۔

۳- کسی گروہ یا طبقہ پر ناانصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس کی دو قسم ہے:

۱- ناانصافی اس طبقہ کی ذات سے متعلق ہوگی، ۲- اس کے مذہب سے متعلق ہوگی کہ اس ناانصافی کا اثر براہ راست اس طبقے کے مذہب پر ہو۔ پہلی صورت میں احتجاج اگرچہ جائز ہے البتہ واجب نہیں، اور پھر اس جواز کی حد یہ ہے کہ ظالم کے ظلم کے بدلے اس پر پھر ویسے مظالم نہ کئے جائیں بلکہ برابری کو ملحوظ رکھنا چاہئے، ارشاد باری ہے: "وجزاء سيئة سيئة مثلها فمن عفى وأصلح فأجره على الله" (سورۂ شوری: ۴۰) تم اگر کوئی صبر کرتا ہے اور معاف کر دیتا ہے تو واقعی یہ ہمت کے کام ہیں، اور اللہ کو پسند بھی ہے۔ ارشاد باری ہے: "ولمن صبر وغفر إن ذلك لمن عزم الأمور" (سورۂ شوری: ۴۳)۔

اور دوسری صورت میں جبکہ دین اور مذہب ہی متاثر ہوتا ہو اس صورت میں احتجاج اور ردعمل واجب ہے، اس میں ذرا سی تساہل بھی ناقابل برداشت ہے کہ حفاظت دین ضروری ہے، اور حفاظت جہاں تک نیت سے ہوتی ہے وہیں تیر و تلوار کی حفاظت کا دوسرا اور آخری جہاد ہے، اور اسی حفاظت دین کا نام "نصرۃ دین اللہ" بھی ہے: "إن تنصروا الله ينصركم ويثبت

"الفتنۃ اکبر من القتل" سے ظاہر ہے۔ علاوہ ازیں دین کی مدد کی حیثیت جہاں اشاعت و تحفظ ہے وہیں اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب بھی دین کے خلاف کوئی آواز بلند ہو اس کی بھرپور تردید کی جائے۔

۴۔ قسم دوم سے یہ بات اظہر من الشمس ہوئی کہ جب مظلوم کو یہ حق ہے کہ بقدر ظلم ہی مکافات کی اجازت دی گئی اور ذرہ برابر بھی زیادتی کو تسلیم نہیں کیا تو پھر شخص کا بدلہ ان لوگوں سے جو خود اس ظلم میں شامل نہ ہوں بدرجہ اولیٰ نہیں لیا جا سکتا کیونکہ قرآنی ارشاد ہے: "ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ" (کوئی بوجھ اٹھانے والا) تو پھر بے قصوروں سے بدلہ کس طرح جائز ہوگا۔ اب رہی یہ بات کہ مظلوم اگر ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہو تو کیا یہ بھی "دہشت گردی" ہوگی؟ تو اس کے جواب میں اسلامی نقطہ نظر یہ کہتا ہے کہ نہیں وہ دہشت گردی نہیں ہے بلکہ یہ تو ہر نفس کا فطری حق ہے۔ اب اگر اسے بھی "دہشت گردی" کے چشمے سے دیکھا جائے تو پھر ظلم ہی نہیں رہے گا "[illegible]"۔

۵۔ اگر کوئی گروہ حکومت یا معاشی وسائل پر تسلط حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس صورت میں حکومت اپنی طاقت کا استعمال کرے اور سختی سے اس فتنہ کا سد باب کرے۔

۶۔ اگر کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو حتی المقدور اس کی مدافعت واجب اور ضروری ہے اگرچہ قتل و قتال کی نوبت آ جائے۔ حدیث نبوی ہے: "من قتل دون مالہ فھو شہید"۔ اگر حملہ آور کو قتل کیے بغیر اپنی حفاظت ممکن نہ ہو تو قتل سے دریغ نہیں کیا جائے بلکہ قتل کر کے اپنی حفاظت ضروری ہوگی۔ یہ اس وقت ہے جب حملہ آور قتل پر آمادہ ہو اور اگر یہ امید ہو کہ ڈرانے سے یا دھمکی دینے سے حملہ آور بھاگ جائے گا اور ہماری جان بچ جائے گی تو اس صورت میں یہی عمل کیا جائے گا اور قتل پر اقدام نہیں کیا جائے گا۔ "لان الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ"۔

دین اسلام اور دہشت گردی

مفتی حبیب اللہ قاسمی
جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، اعظم گڑھ

۱- دہشت گردی:

بلاشبہ اسلام رب العالمین کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے آخری اور پسندیدہ دین ہے، اس کی تعلیمات فطری، ابدی، دائمی اور زندگی کے تمام گوشوں اور شعبوں پر حاوی اور محیط ہیں، انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلام نے انسانیت کے لئے خیر وبھلائی، عدل گستری اور اس کی صلاح وفلاح کے لئے واضح ہدایات نہ دی ہوں، یہ دین کسی طرح سے ظلم وجارحیت کا قائل نہیں۔

لہذا دہشت گردی کی بھی کسی طرح سے تائید نہیں کرتا جس میں بے گناہوں کی جان ومال کو نشانہ بنایا جائے۔

تعریف:

دہشت گردی ایک ایسا جملہ ہے جس کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے اسی وجہ سے ہر ایک اپنے اعتبار سے اس کا مفہوم متعین کرتے رہنے کو اختیار کر رہا ہے، حکومت وقت، ہر طبقہ، ہر فرقہ، ہر ملک، اقوام، مذاہب اپنی اپنی سوچ کے اعتبار سے ہر ایک نے دہشت گردی کے حق میں

۴- بے قصور لوگوں سے انتقام لینا:

قتل اور ظلم کے خلاف انتقام اور بدلہ لینے کے سلسلہ میں اصل اور ضابطہ یہ ہے کہ جو قتل وقتال کی صلاحیت رکھتے ہیں خواہ کسی بھی درجہ کی صلاحیت ہو وہ اگر دفاعی وانتقامی کارروائی کی زد میں آجائیں تو لاباس ہے، باقی افراد سے انتقام درست نہیں، جیسا کہ بدائع میں ہے: "أما حال القتال فلا يحل فيها قتل امرأة ولا صبي ولا شيخ فان ولا مقعد ولا يابس الشق ولا أعمى ولا مقطوع اليد والرجل من خلاف ولا مقطوع اليد اليمنى ولا معتوه ولا راهب في صومعة ولا سائح في الجبال لا يخالط الناس وقوم في دار أو كنيسة ترهبوا وطبقوا عليهم الباب (الى قوله) والأصل فيه إن كل من كان من أهل القتال يحل قتله سواء قاتل أو لم يقاتل وكل من لم يكن من أهل القتال لا يحل قتله إلا اذا قاتل حقيقة أو معنى بالرأى والطاعة والتحريض وأشباه ذلك على ما ذكرنا" (بدائع ۷/۱۰۱)۔

(جنگ کے دوران نہ کسی عورت کو قتل کرنا درست ہے اور نہ کسی بچے، بوڑھے کو، اور نہ ایسے شخص کو جس کا ایک حصہ شل ہو گیا ہو، اور نہ اندھے کو، اور نہ ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پیر کٹے ہوئے شخص کو، اور نہ داہنا ہاتھ کٹے ہوئے شخص کو، اور نہ کم عقل رکھنے والے کو، اور نہ اپنی کٹیا میں رہ رہے راہب اور پہاڑوں میں رہنے والے کو جو لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا، اور نہ ایسے لوگوں کو جو گھر یا کنیسہ میں عبادت میں مصروف ہوں اور انہوں نے اپنا دروازہ بند کر رکھا ہو...... اصل یہ کہ ہر وہ شخص جو قتال کرنے والوں میں سے ہو اس کا قتل کرنا درست ہے خواہ وہ قتال کرے یا نہ کرے، اور ہر وہ شخص جو قتال کرنے والوں میں سے نہ ہو اس کا قتل کرنا درست نہیں الا یہ کہ وہ مشورہ کے ذریعہ، اطاعت کے ذریعہ، جنگ کی ترغیب دینے کے ذریعہ اور اسی طرح کے

اور بہت سے امور کے ذریعہ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے معنوی یا حقیقی طور پر قتال کرنے میں شریک ہوتا ہے۔

ابوداؤد اور بخاری شریف میں حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ ایک غزوے کے موقع پر میدان جنگ میں ایک مقتولہ عورت ملی تو آپ ﷺ نے اس پر نکیر فرمائی اور عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا: "عن عبد الله إن امرأة وجدت في بعض مغازي رسول الله ﷺ مقتولة فأنكر رسول الله ﷺ قتل النساء والصبيان" (ابوداؤد ص ۳۹۳، بخاری شریف، ج ۱ ص ۴۲۳)۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: "أجمع العلماء على العمل بهذا الحديث، وتحريم قتل النساء والصبيان إذا لم يقاتلوا، فإن قاتلوا قال جماهير العلماء يقتلون، وأما شيوخ الكفار فإن كان فيهم رأي قتلوا، وإلا ففيهم وفي الرهبان خلاف" (صحیح مسلم شرح النووی، کتاب الجہاد، ج ۲ ص ۸۴)۔

بذل المجہود میں حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے حضرت سہارنپوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ علامہ حصکفی علیہ الرحمہ نے درمختار میں لکھا ہے کہ عورت، غیر مکلف اور شیخ فانی کو عدم صیاح و عدم نسل کی وجہ سے قتل کرنا ممنوع ہے: "قال في الدر المختار ونهينا عن قتل امرأة وغير مكلف وشيخ فان لا صياح له ولا نسل له فلا يقتل ولا إذا ارتد وأعمى ومقعد وزمن ومعتوه وراهب وأهل كنائس لم يخالطوا الناس إلا أن يكون أحد ملكا أو ذا رأي أو مال في الحرب"۔

آگے بذل المجہود میں ہے: "اتفق الجميع على منع القصد إلى قتل النساء والولدان أما النساء فلضعفهن وأما الولدان فلقصورهم عن فعل الكفر" (بذل المجہود، باب فی قتل النساء، ...)

خلاصہ یہ کہ بے گناہ، بے قصور اور معصوم لوگوں سے انتقام اور بدلہ لینا شرعاً جائز نہیں۔

۵-۱ اسلامی ہدایات:

اسلام ایک عادلانہ اور منصفانہ دین ہے، یہ "دین" اخوت و بھائی چارگی، اتحاد و اتفاق کا سبق دیتا ہے، صاحب حق کو اس کا حق دلاتا ہے، مظلوم کو ظالم سے، ضعیف کو قوی سے انتقام لینے کی اجازت دیتا ہے، یہ "دین" ظلم و عدوان، آپس اختلافات اور ذاتی بغض عناد کو ناپسند کرتا ہے، تاکہ دنیا میں امن و امان، چین و سکون کا ماحول ہو اور کسی قسم کا فتنہ و فساد اور بگاڑ نہ ہو۔

اس دین میں طاقت و قوت اور پارٹی کوئی چیز نہیں، جو جس چیز کا اہل اور مستحق ہوتا ہے اس کو وہ چیز اور جو جس مقام و منصب کے لائق ہوتا ہے اس کو وہ مقام و منصب اور مرتبہ عطا کرتا ہے۔ یہ ہیں اسلام کی واضح ہدایات اور اس کی روشن تعلیمات۔

لہذا اگر کوئی ظلم کر رہا ہو تو مظلوم اپنا دفاع کرے، اگر معاشی یا سیاسی ناانصافی کی جارہی ہو تو انصاف حاصل کرنے کی قانونی راہوں پر گامزن ہو کر اپنا حق وصول کرے۔

۶- جان و مال پر کئے جانے والے حملوں کی مدافعت کی شرعی حیثیت:

جان و مال یا عزت و آبرو پر کئے جانے والے حملہ کا دفاع حتی المقدور شرعاً واجب ہے، کیونکہ قدرت کے باوجود دفاع نہ کرنے کی صورت میں اپنی جان و مال کو ہلاکت میں ڈالنا ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، ارشاد خداوندی ہے: "ولا تلقوا بايديكم إلى التهلكة" (بقرہ:۱۹۵) اور ارشاد ہے: "ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيما" (نساء:۲۹)۔ وقال النبي ﷺ: "لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه"۔

امن کا اسلامی تصور

قاری [illegible]
جامعہ دارالعلوم [illegible]

۱۔ اولاً چند آیاتِ ربانی مع ترجمہ پیش ہیں:

"ولا تبغ الفساد في الأرض إن الله لا يحب المفسدين" (القصص ۷۷)
(اور زمین پر فساد پھیلانے کی خواہش نہ کر، اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

"إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فساداً ... ذلك لهم خزي في الدنيا ولهم في الآخرة عذاب عظيم" (المائدہ ۳۳)
(یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو ... یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں، اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے)۔

"قل إنما حرم ربي الفواحش ما ظهر منها وما بطن والإثم والبغي بغير الحق" (الاعراف ۳۳) (کہہ دیجئے میرے رب نے حرام کیا ہے صرف بے حیائی کی باتوں کو جو ان میں کھلی ہوئی ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو اور ناحق کی زیادتی کو)۔

"إن الله يأمر بالعدل والإحسان" (النحل) (اللہ رب العزت عدل و انصاف اور حسن سلوک کا حکم دیتے ہیں)۔

مذکورہ آیات کی رو سے الفساد فی الارض جو [illegible] اور ناحق کسی پر ظلم کرنا ہے [illegible]

ومن قتل دون أهله فهو شهيد" (ترمذی: ۱۴۲۱، باب الدیات، نیز دیکھئے: [illegible] کتاب السنہ)۔

مذکورہ احادیث سے پتہ چلا کہ جان و مال، عقیدہ و عزت و آبرو کی حفاظت لازمی ہے۔ علامہ شاطبی نے اپنی مشہور کتاب "الموافقات" (۲/۱۰، ۳/۴۶) میں اس طرح تحریر فرمایا ہے:

"اتفقت الأمة ... على أن الشريعة وضعت للمحافظة على الضروريات الخمسة وهي الدين والنفس والنسل والمال والعقل" (امت کا اس پر اجماع ہے کہ شریعت اسلامیہ دین، نفس، نسل، مال اور عقل کی محافظت کی خاطر وضع کی گئی ہے)۔

بہر کیف راقم کے خیال میں اس طرح کے دفاع کو دہشت گردی کے ذیل میں پیش نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ہندوستان کو آزاد کرانے میں جن لوگوں نے جان و مال، عزت و آبرو کی قربانی دی، اپنی عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کیا انہیں ہرگز ہرگز دہشت گرد نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ دہشت گردی اصطلاحاً وہ ہے جو جواب (۱) میں گذر چکی۔

۴۔ ظالمین کے گروہ سے جو بدلات قوم لیتے ہوں اور ان سے اشارۃً و کنایۃً بھی ظلم نہ پایا جاتا ہو ان سے بدلہ لینے کی شریعت نے بڑی سختی سے مخالفت کی ہے، مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی رقمطراز ہیں:

"مجرموں کو گرفتار کرانا یا ان سے انتقام لینا تو صحیح ہے مگر اصل مجرم گرفتار نہ ہو سکیں تو ان کے عوض میں دوسرے بے گناہوں پر حملے کرنا روا نہیں، درست و صحیح نہیں ہے" (کفایت المفتی ۹/۳۳۱)۔

ایک موقع پر بعض ایسے لوگوں کو جو مجرم نہ تھے حکومت کی طرف سے جلاوطنی کا حکم دے دیا گیا، اس وقت امام اوزاعی موجود تھے، انہوں نے اس علاقہ کے صوبیدار کے نام ایک مراسلہ

تھا، اس مرحلے کے متعلق جناب علامہ ماوردی نے تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے: "چند
خاص لوگوں کے جرم میں تعمیم کیا حق تھا کہ جرم میں جو شریک نہ تھے ان کو بھی جرم میں ہم نے
شریک نہیں قرار دیا قرآن کا حکم ہے: "ولا تزر وازرة وزر أخرى" (سورۃ فاطر ۱۸)۔

۵ – اسلامی مملکت کے واجبات سے ہے کہ رعایا کے ساتھ عدل و انصاف اور ادائیگی
حقوق میں مساوات سے کام لیں خلیفہ کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کے مفاد عامہ اور مصالح کا
بلا تفریق مذہب و ملت خیال رکھیں، علامہ ماوردی اپنی مشہور کتاب "الاحکام السلطانیہ" میں یہ
تحریر فرماتے ہیں:

"وأما أهل الإمامة فالشروط المعتبرة فيهم سبعة أحدها: العدالة على
شروطها الجامعة ... الخامس الرأي المفضي إلى سياسة الرعية وتدبير
المصالح"۔

۶ – اگر کسی کے دور حکومت میں کسی کی عزت یا آبرو پر حملہ ہو تو اس صورت میں دفاع کی
بہت تقسیمات ہیں بعض صورتوں پر دفاع واجب بھی ہے اور بعض میں جائز اور مستحب بھی۔
مشہور شارح مسلم علامہ نووی مسلم شریف ۱/۸۱ کے تحت مرقوم حدیث: "من قتل دون ماله
فهو شهيد" کے تحت لکھتے ہیں:

"فيه جواز قتل القاصد لأخذ المال بغير حق سواء كان المال قليلا
أو كثيرا لعموم الحديث، وهذا قول الجماهير العلماء، وقال بعض أصحاب
مالك لا يجوز قتله إذا طلب شيئا يسيرا كالثوب والطعام وهذا ليس بشيء،
والصواب ما قاله الجماهير، وأما المدافعة عن الحريم فواجبة بلا خلاف وفي
المدافعة عن النفس بالقتل خلاف في مذهبنا ومذهب غيرنا، والمدافعة عن

المال جائزة غير واجبة" (اس میں ناحق مال لینے والے کے قتل کرنے کا جواز ہے کیونکہ حدیث میں عموم ہے، خواہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ جمہور علماء کا قول ہے۔ بعض مالکیہ کا کہنا ہے کہ اس کا قتل جائز نہیں ہے اگر وہ کوئی معمولی چیز لے، مثلاً کپڑا اور کھانا۔ اور یہ قول اہم نہیں ہے، بلکہ درست جمہور کا قول ہے، اور عزت وحرمت کی طرف سے دفاع کرنا بلا اختلاف واجب ہے، اور قتل کے ذریعہ جان کی طرف سے دفاع کرنے میں ہمارے مسلک اور دوسرے مسالک کے درمیان اختلاف ہے، اور مال کی طرف سے دفاع کرنا جائز ہے واجب نہیں)۔

دہشت گردی اور اسلامی نقطہ نظر

مولانا: عطاء الحق تاکی
جامعہ دارالعلوم کوپانج، بجہ

۱۔ ہر ایسی حرکت جس سے سماج یا سماج کے کسی طبقہ میں بے چینی، بے اطمینانی اور خوف وہراس پیدا ہو دہشت گردی کہلائے گی، خواہ یہ حرکت کسی ایک فرد یا سماج کے کسی طبقہ یا حکومت کی طرف سے ہو۔

۲۔ اگر حکومتوں کے ظالمانہ اور غیر منصفانہ رویہ سے بعض طبقات میں بے چینی، خوف اور غم وغصہ پھیلتا ہے تو حکومتوں کا ایسا رویہ بھی دہشت گردی ہے۔

۳۔ مظلوم اور انصاف سے محروم، استحصال کا شکار گروہ یا طبقہ کا ظلم واستحصال پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار جائز بلکہ واجب ہے۔ ظلم وجبر کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا اور اپنے حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد کرنا دہشت گردی قطعاً نہیں بلکہ پیدائشی اور انسانی حق ہے، اسے دہشت گردی کا نام دینا خود ایک طرح کی دہشت گردی ہے۔

۴۔ مظلوم کو صرف ظالم افراد سے بدلہ لینا جائز ہے، اس کے فرقہ کے بے قصور افراد سے بدلہ لینا بزدلی ہے اور ممنوع ہے۔

۵۔ اسلام ہر طرح کے ظلم وناانصافی کے خلاف ہے چاہے سیاسی ہو یا معاشی یا سماجی،

چنانچہ وہ ہر شعبۂ زندگی کے لئے ایسے عادلانہ اور مبنی بر انصاف احکامات دیتا ہے جس سے دہشت گردی کے اسباب خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

۶۔ جان و مال، عزت و آبرو پر حملہ کی صورت میں حتی المقدور مدافعت واجب ہے۔ یہ ایک ایسا مقدس فریضہ ہے جس میں جان چلی جائے تو مرتبۂ شہادت نصیب ہوگا۔

حق مدافعت کے حدود یہ ہیں کہ صرف حملہ آور ظالم سے بدلہ لیا جائے اور لڑا جائے، اس کے فرقہ کے بے قصور افراد سے نہیں۔

دوسرے یہ کہ کسی حال میں عدل و انصاف کا دامن نہ چھوڑا جائے، یہاں تک کہ مخالف کی ظلم و زیادتی کا شکار ہونے کے باوجود ارشاد ربانی ہے: "لا یجرمنکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا، اعدلوا هو اقرب للتقوی" (سورۂ مائدہ ۸) (خبردار کسی جماعت کی دشمنی تم کو ناانصافی پر آمادہ کردے، انصاف کرتے رہو کہ وہ تقوی سے بہت قریب ہے)۔

نہیں، کیونکہ اس سے متاثرین کے دلوں میں خوف و ہراس اور دہشت کے بجائے عام طور پر احساسِ محرومی و ناامیدی پیدا ہوتا ہے۔ البتہ جب کوئی حکومت اس طرح کے کام اس طرح اقدامی طور پر کرتی ہے کہ ان کی اپنی رعیت یا زد میں آنے والی نسلوں اور جانداروں (إفساد في الأرض و إهلاك الحرث والنسل) کی بقا خطرے میں پڑ جائے اور اس سے ان میں خوف و ہراس کا ماحول پیدا کرے تو اس کو بجا طور پر حکومتی دہشت گردی (State Terrorism) کہہ سکتے ہیں۔

۳۔ اگر کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس پر احتجاج اور ردِّ عمل کے اظہار کا اس کو پورا حق ہے، لیکن اس احتجاج و ردِّ عمل کے منہاج و حدود ہیں، مثلاً عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹانا، رائے عامہ کا سہارا لینا، میڈیا کے ذریعہ اس کو طشت از بام کرنا، معروف طریقے مثلاً دھرنا، احتجاج، بائیکاٹ، راستہ روکو، کام چھوڑو، گھیراؤ کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ ایسے طریقے ہیں جو آج کی دنیا میں اپنے خلاف ہونے والے بھید بھاؤ اور ظلم و زیادتی کے ازالے کے لئے اپنائے جاتے ہیں اور ان کے اپنانے کا ہر گروہ کو حق ہے، باقی ان پرامن راستوں کو چھوڑ کر اسلحہ و تشدد کے ذریعہ کی جائے تو اس کا نتیجہ یقیناً فتنہ و دہشت گردی ہی ہوگا۔ اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے اور حتی الامکان اس کو قائم رکھنے پر زور دیتا ہے، خواہ اس کے لئے آدمی کو بعض محرومیوں اور تفریقات سے دوچار ہونا پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد ایسے حکمراں آئیں گے جو تفریق اور ظلم و زیادتی سے کام لیں گے لیکن انہیں برداشت کرنا جب تک نماز قائم کریں (سیکولر نظام میں کہہ سکتے ہیں کہ جب تک نظام عبادات کو قائم کرنے کی اجازت ہو)۔ البتہ جب سارے پرامن راستے بے نتیجہ ہوں، اور آدمی کو اپنے دین و ایمان اور خود اپنے وجود کو خطرہ لاحق ہو تو "تنگ آمد بجنگ آمد" کے اصول پر پرتشدد راستے اختیار کرنا

دہشت گردی نہیں بلکہ موت وزیست کی کشمکش ہوگی ۔

۴- اسلام نے باقاعدہ اعلانیہ جنگ کے موقع پر بھی بوڑھوں، بچوں، عورتوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے، جو کہ جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے، اور جنگ میں حصہ لینے کے لائق لوگوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے منع نہیں کیا ہے، اگر انہوں نے عملی طور پر جنگ میں حصہ نہیں لیا ہے: "لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروھم وتقسطوا الیھم" (سورۂ ممتحنہ ۸)۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلامی اخلاق کے خلاف یہ بات ہوگی کہ ظلم کرنے والے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لیا جائے جو بے قصور ہوں اور خود اس ظلم میں شامل نہ ہوں ۔

فساد فی الارض اور اسلامی نظریہ

مولانا [illegible]

۱- اسلام کسی مسئلہ کو اس کے محدود تناظر اور تنگ دائرہ میں نہیں دیکھتا ہے۔ اس کا جائزہ عمومی اور ہمہ گیر ہوتا ہے۔ ہمیں اس وقت تعجب ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں دہشت گردی کے مسئلے پر کوئی فوکس یا مرکوز روشنی نہیں پڑی لیکن اس وقت تعجب دور ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کا فوکس دہشت گردی سے بھی زیادہ اہم اور وسیع تر دائرہ پر پڑتا ہے اور بھرپور طریقہ سے پڑتا ہے۔ اسلام کی نظر میں روئے زمین کا اصل مسئلہ دہشت گردی نہیں بلکہ فساد فی الارض ہے۔ وہ فساد فی الارض کی ہر صورت کو ناپسند کرتا ہے۔ دہشت گردی بھی فساد فی الارض ہی کی ایک صورت ہے۔

چونکہ اسلام دہشت گردی کو الگ سے ایک مستقل مسئلہ نہیں بناتا بلکہ اسے فساد فی الارض کے تناظر میں اور اسی کے دائرے میں دیکھتا ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اسلام کی رو سے دہشت گردی کی تعریف کی جائے۔

اسلام کی اپنی تعبیرات ہیں اور وہ موثر بھی تعبیرات ہیں۔ دہشت گردی کی تعبیر مغرب میں پیدا ہوئی اور پوری دنیا میں چونکہ دہشت گردی پر اتنا زور صرف کیا گیا کہ اصل مسئلہ یعنی فساد فی الارض نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

بہر حال خود مغرب جو اس تعبیر کا خالق اور خود اس مسئلہ کا خالق ہے دہشت گردی کی

واضح رہے کہ ارہاب اور دہشت گردی ہم معنی الفاظ نہیں ہیں، اس کے لئے ارہاب کے کتب شریعت میں استعمالات کا تتبع کرنا چاہئے۔ راقم السطور کا اس موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ موجود ہے۔

۲۔ حکومتوں کے اس رویہ کو اگر دہشت گردی سے تعبیر نہ کریں تو بھی اس کے ظلم اور با فساد فی الارض ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں ہے، "إن الملوک إذا دخلوا قریة أفسدوها وجعلوا أعزة أهلها أذلة" (نمل، ۳۴)۔

۳۔ اگر یہ انسانی وقتی اور دیرپا اثرات کی حامل نہ ہو اور اس کے نقصانات محدود اور قابل تلافی ہوں تو اس پر احتجاج اور ردعمل جائز ہے، لیکن اگر یہ رویہ دیرپا اثرات کا حامل ہو اور اس کے نتیجے میں پورے علاقے اور آنے والی نسلوں کو ناقابل تلافی نقصانات سے دوچار ہونا پڑے تو پھر احتجاج اور ردعمل بلکہ بچاؤ اور مدافعت کی ٹھوس تدابیر اور طویل المدت منصوبہ بندی واجب ہو جائے گی۔

☆ مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی نہیں ہے، بلکہ یہ ایک انسانی حق اور مثبت رویہ ہے، اگر ایسا نہ ہو اور ظالم کے دل سے ردعمل کا اندیشہ نکل جائے تو پوری دنیا ظلم کی آماجگاہ بن جائے، "ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الأرض" (بقرہ، ۲۵۱) میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ "فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم" (بقرہ، ۱۹۴) اور "فإن قاتلوكم فاقتلوهم كذلك جزاء الكافرين" (بقرہ، ۱۹۱) میں اسی ردعمل کا حکم دیا گیا ہے۔

"فلا عدوان إلا على الظالمين" (بقرہ، ۱۹۳) بالکل واضح اور اجمالی ٹھوس قرآنی اصول ہے۔

۴- بے قصور لوگوں سے اصولی طور سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے۔ قرآنی اصول ہے: "ولا تزر وازرۃ وزر اخری" (انعام، ۱۶۴)۔ لیکن غور طلب امر یہ بھی ہے کہ ظلم ہوتے ہوئے اور ظلم کو دیکھتے ہوئے جو لوگ خاموش تماشائی بنے رہیں کیا وہ حقیقت میں بے قصور ہوا کرتے ہیں؟ بطور خاص جمہوری ممالک میں اگر یہ بے قصور لوگ ظالم طاقتوں کو اپنے ووٹ دے کر بار بار حکومت کرنے اور حکومت کے وسائل کو ظلم و تعدی کے لئے استعمال کرنے کا موقع دیں۔

اسی سے متعلق ایک نکتہ یہ بھی غور طلب ہے کہ فلسطین کی مبارک سرزمین میں آکر بسنے والے تمام یہودی من حیث القوم مجرم اور ظالم نیز غاصب ہیں یا ان کے اہل حل وعقد، یہ احتمال ہے کہ پوری قوم اس جرم میں برابر کی شریک ہے۔

۵- اسلام کا مادی اور روحانی نظام ہے، نیز اسلام نے ہر فرد اور ہر طبقے کے حقوق و فرائض اور حدود متعین کر دیے ہیں۔ حقوق و فرائض پر مبنی ایک پورا نظام ہے جو اگر قبول کر لیا جائے تو یقیناً دہشت گردی اور اس سے آگے بڑھ کر فساد فی الارض کا مکمل سد باب ہو سکتا ہے۔

۶- جان و مال اور عزت پر حملے کا دفاع اگر معمولی نقصان کے ساتھ ہو سکے تو یہ دفاع مستحب ہوگا، اور اگر غیر معمولی نقصان کا اور مفسدہ کبریٰ کا اندیشہ ہو تو بھی دفاع جائز اور مباح ہے۔

اسلام اور نظریہ تشدد

مولانا ابوالعاص وحیدی (سدھارتھ نگر)

تمہیدی باتیں:

اس وقت عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گردی سے جوڑ دیا گیا ہے تو یہ صورتحال تاریخ انسانی کی کوئی نئی چیز نہیں ہے، عہد بنو اسرائیل میں قوم فرعون نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کو یہی الزام دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وقال الملأ من قوم فرعون أتذر موسى وقومه ليفسدوا في الأرض ويذرك وآلهتك قال سنقتل أبناءهم ونستحيي نساءهم" (الاعراف: ۱۲۷)۔

قرآن کریم میں اس کا تذکرہ مختلف مقامات پر کیا گیا ہے، اسی طرح عہد نبوی میں منافقین اپنے آپ کو مصلح اور مسلمانوں کو مفسد کہتے تھے، جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: "ألا إنهم هم المفسدون ولكن لا يشعرون" (سورہ بقرہ: ۱۲)۔

اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو عالمی صورتحال ہے اس کے دو اسباب ہیں:

اول: مذہب اسلام، تاریخ اسلام اور تعلیم جہاد کے بارے میں غیر مسلموں کو غلط فہمیاں ہیں جن کے ازالہ کی ضرورت ہے۔

دوم: عصر حاضر میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے پوری دنیا کو خوف وہراس ہے،

اس لئے کہ اس وقت اسلام فکری طور پر غالب نظر آرہا ہے اور امریکہ وغیرہ میں لوگ بڑی تیزی سے مسلمان ہو رہے ہیں۔ لہٰذا موجودہ صورتحال سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

۱۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ حادثہ کے بعد اخبارات میں، ریڈیو میں اور ٹی وی پر لفظ دہشت گردی کا استعمال بہت ہوا ہے، پوری دنیا میں دہشت گردی کے مفہوم و معنی کی تعیین و تحقیق کی کوشش کی گئی لیکن مغربی دنیا اب تک اس کی صحیح و جامع تعریف نہیں کر سکی ہے۔ ذیل میں اسلامی نقطۂ نظر سے اس کی تحقیق کی جا رہی ہے اور اس کے مفہوم و معنی پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

قرآن کریم اور احادیث نبوی میں تشدد اور دہشت گردی کے لئے ظلم، عدوان، طغیان اور فساد فی الارض کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، جنہوں نے حدود الٰہی سے تجاوز کیا، اللہ و رسول سے سرکشی کی اور اللہ کے بندوں پر ظلم و تعدی کے ذریعہ زمین میں فساد برپا کیا چاہے وہ افراد ہوں یا اقوام، وہ سب اسلامی نقطۂ نظر سے دہشت گرد ہیں۔ اس سلسلہ کی آیات و احادیث سے اہل علم بخوبی واقف ہیں۔

جمادی الآخر ۱۴۲۳ھ کے آخری عشرہ میں جنوبی افریقہ کی راجدھانی جوہانسبرگ میں ایک عالمی کانفرنس اس موضوع پر ہوئی، جس میں مختلف ملکوں کی تنظیموں نے شرکت کی، اس کانفرنس میں رابطہ عالم اسلامی کے وفد نے دہشت گردی کی ایک جامع تعریف پیش کی جسے مختلف تنظیموں نے پسند کیا۔ اخبار العالم الاسلامی کے حوالے سے وہ تعریف درج ذیل ہے:

"الإرهاب هو العدوان الذي يمارسه أفراد أو جماعات أو دول، بغياً على الإنسان، دينه ودمه وعقله وماله وعرضه، ويشمل صنوف التخويف والأذى والتهديد والقتل بغير حق وما يتصل بصور الحرابة وإخافة السبيل وقطع الطريق وكل فعل من أفعال العنف أو التهديد، يقع تنفيذاً لمشروع

إجرامي، فردي أو جماعي، ويهدف إلى إلقاء الرعب بين الناس، أو ترويعهم بإيذائهم أو تعريض حياتهم أو حريتهم أو أمنهم أو أحوالهم للخطر ومن صنوف إلحاق الضرر بالبيئة أو بأحد المرافق والأملاک العامة أو الخاصة، أو تعريض أحد الموارد الوطنية أو الطبيعية للخطر، فكل هذا من صور الفساد في الأرض التي نهى الله سبحانه و تعالى المسلمين عنها: "ولا تبغ الفساد في الأرض إن الله لا يحب المفسدين" (القصص: ۷۷)(العالم الاسلامی: العدد ۱۷۹۱، الجمعہ، ۹ رجب ۱۴۲۳ھ)۔

(دہشت گردی وہ حد سے بڑھا ہوا ظلم ہے جس کا ارتکاب افراد، گروہ یا حکومتیں کسی انسان، اس کے دین، اس کے خون، اس کی عقل، اور اس کے مال اور اس کی عزت پر زیادتی کے طور پر کرتی ہیں، اس میں خوف زدہ کرنے، تکلیف پہنچانے، دھمکی دینے، ناحق قتل کرنے، خونریزی کی مختلف صورتیں، راستے کو پرخطر بنانے اور ڈاکہ زنی کی تمام اقسام داخل ہیں، نیز اس میں تشدد یا دھمکی کی ہر وہ کارروائی شامل ہے جو کسی فرد یا گروہ کے مجرمانہ منصوبہ کو بروئے کار لاتے ہوئے کی جائے اور جس کا مقصد لوگوں میں رعب پیدا کرنا یا ان کو تکلیف پہنچا کر خوف زدہ کرنا یا ان کی زندگی، ان کی آزادی، ان کی سلامتی اور ان کے حالات کو خطرہ سے دوچار کرنا ہو، اس کی اقسام میں ماحولیات کو بگاڑنا، انتفاع کی چیزوں یا عمومی یا پرائیوٹ املاک کو تباہ کرنا یا ملکی اور قدرتی ذرائع پیداوار کو خطرہ سے دوچار کرنا شامل ہے۔ یہ تمام کارروائیاں فساد فی الارض کی مختلف صورتیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع کیا ہے: ''اور زمین میں فساد نہ مچاؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں فرماتا'')۔

دہشت گردی کی مذکورہ تعریف سے ملتی جلتی تعریف جناب شفیق الرحمن صاحب نے اپنے ایک مقالہ میں کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"اگرچہ دہشت گردی کی کوئی متعین تعریف ابھی تک نہیں کی جا سکی ہے، اس کے جو معنی ومفہوم بتائے جاتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی فرد، گروہ، ادارہ، تنظیم، قوم یا ملک کے اس عمل کو دہشت گردی کہا جائے گا جس کا مقصد عام لوگوں کو بالعموم اور مخالف طاقت وقوت کو بالخصوص خوف ودہشت میں مبتلا کر کے اپنا مقصد ومطلب حاصل کرنا ہو، قطع نظر اس سے کہ وہ مقصد ومطلب جائز ہے کہ ناجائز۔ خوف ودہشت پھیلانے کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں جس میں آلات حرب کا استعمال بھی شامل ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر حال میں بندوق اٹھائی جائے، کہیں محض آنکھ دکھا کر اور کہیں گھڑکی سے بھی یہ کام نکالا جا سکتا ہے مگر دونوں صورتوں میں یہ کام خوف کی نفسیات پیدا کر کے ہی نکالا جاتا ہے" (ماخوذ از مقالہ: "دہشت گردی کا فاتح یا فسادی لابی" خصوصی نمبر سہ روزہ دعوت ۲۹ نومبر ۲۰۰۱ء)۔

مختصر طور پر اسلامی نقطہ نظر سے دہشت گردی کی تعریف یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہر وہ عمل جو دولت وملک گیری کی ہوس اور مذہبی جبر کے ساتھ کیا جائے جیسا کہ جنگ عظیم اول وثانی میں اور دوسرے مواقع پر ہوا ہے، اسلام کا تصور جہاد اس سے بالکل دور ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جناب محمد جمیل صاحب کا مقالہ "دہشت گردی یا امن عالم کی ضمانت" سہ روزہ دعوت خصوصی نمبر)۔

۲- حکومتوں کے غیر منصفانہ رویہ اور ظالمانہ روش کے خلاف اگر کوئی قوم عملی اقدام کرے تو اسے دہشت گردی نہیں کہا جائے گا، اس لئے کہ اس اقدام کو ناحق نہیں کہا جائے گا، موجودہ سیکولر اور جمہوری دور میں تو بہر حال وہ اقدام درست ہوگا۔

۳- کسی ناانصافی پر احتجاج اور رد عمل کا اظہار جائز ہے، لہذا کسی مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا دہشت گردی کے دائرہ میں نہیں آئے گا۔

۴- اگر ایک طبقہ کی طرف سے ظلم وزیادتی ہو جس میں اس طبقہ کے کچھ افراد شریک ہوں اور دوسرے افراد جو اگرچہ بے قصور ہیں مگر وہ اس ظلم وزیادتی سے راضی ہوں بلکہ وہ ظلم کرنے والوں کی مدد کرتے ہوں تو ان بے قصور افراد سے بدلے لینا جائز ہوگا۔ دفاعی نقطۂ نظر سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ عہد نبوی میں اس کی مثال صلح حدیبیہ کے بعد ان صحابہ کرام کا رویہ ہے جو ساحل بحر پر رہتے ہوئے گذرنے والے کفار سے بدلے لیتے تھے، دربار نبوی سے جس کی ممانعت ثابت نہیں۔

۵- یقیناً تشدد اور دہشت گردی کے کچھ بنیادی اسباب ہوتے ہیں، ان اسباب کے تدارک کے لئے مذہب اسلام نے بڑی مفصل ہدایات دی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

الف- انسانی اخوت کی بنیاد پر محبت ورحمت کا وجدان وشعور ضروری ہے۔

ب- زندگی گذارنے کے انفرادی واجتماعی آداب کا لحاظ ہونا چاہئے۔

ج- ایسا نظام حکومت جس میں تمام لوگوں کو قانونی عدل، امن وسلامتی، نیز اقتصادی زندگی کی ضمانتیں حاصل ہوں۔ اس سلسلہ میں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: سید قطبؒ کی کتاب ''امن عالم اور اسلام'' کا باب: ''معاشرے کا امن'' (شائع کردہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی)۔

۶- اگر کسی گروہ یا فرد کی جان ومال یا عزت وآبرو پر حملہ ہو تو اس کا دفاع واجب ہے اور اس راہ میں موت شہادت ہے، حق مدافعت کی درج ذیل حدود ہیں:

الف- اس وقت دفاع کیا جائے جب کسی بڑے نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔

ب- دفاع میں ظلم وزیادتی شامل نہ ہو۔

ج- جائز حق کے لئے دفاع کیا جائے۔

✦ ✦ ✦

۳۔ مفید اور مؤثر احتجاج جو ظلم کا رخ موڑ دے اور احتجاجیوں کو اس کا یقین بھی ہو تو ایسا احتجاج کرنا واجب ہے۔ کیونکہ بقدر استطاعت ظلم کو دور کرنا اور ہلاکت سے بچنا واجب ہے۔ "وأعدوا لهم ما استطعتم الخ" اور "ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة" (البقرة ۱۹۵) اس کی واضح دلیلیں ہیں۔

اور اگر محض سیاسی مقصد کارفرما ہو جس سے ظلم دور ہونے کا کوئی امکان نہ ہو تو احتجاج واجب نہیں ہوگا۔

۴۔ بے قصوروں سے بدلہ لینا جائز نہیں۔ "ولا تقتلوا النفس التي حرم الله إلا بالحق الآية" (الانعام ۱۵۱)۔ ہر نفس محترم ہے لہذا اس کو قتل کرنا جائز نہیں۔

مفتی عبدالرحیم لاجپوری تحریر فرماتے ہیں: "اگر کافر بالمقابل ہو یا مسلمان کو قتل کرچکا ہو یا اس سے خطرہ ہو یا قاتلین کی مدد کرتا ہو تو اسے مارا جاسکتا ہے، اور اگر بے قصور ہو تو مارنا جائز نہیں (فتاوی رحیمیہ ۱۰/۱۰۹)۔

۵۔ قرآن کریم نے بنیادی غلطیوں اور فساد کو جڑ سے مٹانے اور ختم کرنے کی دعوت دی ہے۔ منافقت مستقل جرم ہے: "إن المنافقين في الدرك الأسفل من النار" (النساء ۱۴۵)۔ جھوٹ حرام ہے: "أو كذب بالحق إذ جاءه أليس في جهنم مثوى للكافرين" (العنكبوت ۶۸)۔ دھوکہ دہی کی اجازت نہیں ہے: "يخادعون الله والذين آمنوا وما يخدعون إلا أنفسهم وما يشعرون" (البقرة ۹)۔ سب یا تسلط ممنوع ہے: "إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة"۔ حقوق کو غصب کرنے کی جرأت درست نہیں ہے: "من انتهب نهبة فليس منا" (مشکوٰۃ ۲۵۵)۔

عدل وانصاف پر قائم رہنے کا حکم اتنا ضروری ہے کہ اپنے خاندان بیٹے اور باپ کا بھی

اس باب میں لحاظ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ "اعدلوا ولو کان ذا قربی"۔ جب تک نفاق یعنی ظاہر و باطن کا فرق نہیں مٹتا جھوٹ کی نحوست نہیں جاتی، دھوکہ دہی کا بازار نہیں بند ہوتا، نااہل حکومتوں سے سبکدوش نہیں ہوتے، حقوق کا تحفظ نہیں کیا جاتا، عدل و انصاف قائم نہیں ہوتا، اس وقت تک دنیا سے دہشت گردی ختم بھی نہیں ہو سکتی۔ اسوۂ رسول اکرم ﷺ یہ درس دیتا ہے کہ نفاق سب سے بڑا جرم ہے، اور منافقوں کی عادت یہ ہوا کرتی ہے کہ وہ اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کو مصالحانہ سرگرمیاں بنا کر پیش کرتے ہیں، دہشت گردی اور فساد کو امن و سلامتی کے عنوان سے عام کرتے ہیں۔ قرآن ناطق ہے:

"واذا قیل لھم لا تفسدوا فی الأرض قالوا إنما نحن مصلحون ألا إنھم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون" (بقرہ ۱۱-۱۲)۔

پیغمبر علیہ السلام نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ موت آنے سے پہلے پہلے توبہ کر لو یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی کوتاہیوں سے سبکدوش ہو جاؤ۔ خود آپ ﷺ نے یہ پیش کش فرمائی کہ اگر کسی کا کوئی حق مجھ پر ہے تو وہ یہیں دنیا میں مجھ سے لے لے۔

یہ ہے حقیقی تدارک اور علاج کہ انصاف، عدل، امن و امان، سلامتی اور راحت پھیلانے کے علمبرداروں کو اس سے سبق لینا چاہئے اور سب سے پہلے دنیا کے سامنے خود اپنا محاسبہ پیش کرنا چاہئے تاکہ نفاق ظاہر و باطن کے فرق کرنے والوں میں شمار نہ ہوں، اپنے دعوے میں جھوٹے نہ قرار دیے جائیں، بے جا روش پر گامزن ہونے کے الزام سے بری ہو سکیں اور حقوق انسانی ضائع کرنے کے مجرم نہ گردانے جائیں۔

اس کے بعد نہ دہشت گردی رخصت ہونے کا امکان بظاہر معلوم ہوتا ہے، نہ ہی امن و سلامتی لفاظی سے آگے بڑھ کر حقیقت بن سکتی ہے۔

۲۔ مدافعت کا حق ہر انسان میں فطرتاً ودیعت ہے، جب تک یہ قوت موجود ہے انسان صحتمند ہے، اور اگر یہ قوت ختم ہو جائے تو انسان ایڈز کا مریض ہو جاتا ہے، بالفاظ دیگر ناقابل علاج مریض ہو جاتا ہے، اور انسان تو اشرف المخلوقات ہے یہ حق تو جانوروں اور حیوانوں تک کو دیا گیا ہے۔

مدافعت کا حق خود اللہ پاک نے فراہم فرمایا اور وہ قدرتی طور پر جاری ہے، اگر کوئی حملہ زیادہ طاقتور ہے تو اس کا مقابلہ اس طرح کی قوت سے کرنا واجب اور فطری عمل ہے، دوا علاج سے لے کر ہلاکت خیز حملوں سے بچانے کے احکامات اسی لئے دیئے گئے ہیں، کہیں ارشاد ہے: "ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة" یعنی دانستہ خود کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

کسی قاتلانہ حملہ کا مقابلہ نہ کرنا قوت و طاقت ہونے کے باوجود خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

بادشاہوں کی ملک گیری اور ظالمانہ اقتدار سے جو تباہی ہوتی ہے اس کو قرآن نے "فساد" کہا ہے، "وإذا دخلوا قرية أفسدوها وجعلوا أعزة أهلها أذلة" (النمل: ۳۴)۔

وہ طرزِ حکومت جس میں حاکمانہ طاقت کو ظلم وستم کے لئے استعمال کیا جائے وہ بھی فساد ہے: "وإذا تولّى سعى في الأرض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل" (بقرہ: ۲۰۵)۔

فتنہ وفساد کی مذکورہ تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر وہ عمل جو ظلم پر مبنی ہو، حقوق انسانی پر دست درازی اور پامالی، جبر وتشدد اور خونریزی کا ذریعہ ہو، کمزوروں کو طاقتوروں کا غلام بنانے والا ہو، خواہ یہ عمل افراد کی جانب سے ہو یا جماعت یا حکومت کی طرف سے، یہ فتنہ اور فساد ہے۔

لہٰذا دہشت گردی کی جامع ترین تعبیر فتنہ وفساد ہے، جس کو اسلام نے سخت ناپسند کیا ہے بلکہ اس کی شدید مذمت کی ہے۔

۲- اسلام میں دہشت گردی کا جو مفہوم ہے اس کے اعتبار سے اگر حکومتیں بھی اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل ومساوات کا معاملہ نہیں کرتیں بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی ومعاشی ناانصافی روا رکھتی ہیں، ان کے جان ومال کے تحفظ میں دانستہ کوتاہی سے کام لیتی ہیں یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں کی جاتی ہیں جن سے وہ طبقہ جانی ومالی نقصان سے دوچار ہوتا ہے، تو اس ظالمانہ اور غیر منصفانہ رویہ پر بھی دہشت گردی کا اطلاق ہوگا۔

۳- اگر کوئی حکومت کسی طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھتی ہے تو اس پر احتجاج اور ردعمل کا اظہار صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے، ہاں اگر ناانصافی اور ظلم کے خلاف احتجاج اور ردعمل کے اظہار میں مزید خطرے اور بڑے نقصانات کا اندیشہ ہو تو زیادہ نقصانات سے بچنے کے لئے

ملکی قانون اور ضابطے کے دائرے میں رہتے ہوئے ایسی تدبیریں اختیار کی جائیں جو نقصان دہ نہ ہوں، مظلوم اگر ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہو تو یہ ہرگز دہشت گردی نہیں کہلائے گی۔

۴- بدلہ صرف ظالموں سے لیا جا سکتا ہے، جو بے قصور ہوں ان سے بدلہ لینا درست نہ ہوگا۔ مسلمان ملکوں میں غیر مسلم اقلیت کو جان و مال، عزت و آبرو کے تحفظ اور دوسرے شہری حقوق کے علاوہ مذہبی آزادی اسی حد تک حاصل ہوگی جس سے شعائر اسلامی متاثر نہ ہوں۔

۵- دہشت گردی جن اسباب و محرکات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے ان اسباب و محرکات کو دور کرنے کی کوششوں کی ہدایات اسلام نے دیے ہیں، ظالم و مظلوم دونوں کی مدد کی حدیث والی روایت ان ہی کوششوں کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔

۶- جان و عزت و آبرو کی حفاظت واجب ہے اور مال کی مدافعت بقدر طاقت و وسعت جائز ہے، اگر مال کے دفاع میں مزید بڑے مفاسد کا خطرہ ہو تو بڑے مفاسد سے بچنا ضروری ہے۔ مدافعت کے حدود بقدر طاقت و وسعت ہیں۔

جنھیں آج کا انسان لگاتا جا رہا ہے انہیں ایک طاقتور اور ہمہ گیر دین ہی کھول سکتا ہے۔ ایسا دین جس کے ماننے والے صرف عبادت گاہوں میں کچھ وقت گزار لینے کو ہی کافی نہ سمجھتے ہوں بلکہ اس کا دائرہ انسان کی ایک ایک حرکت و عمل تک وسیع ہو، جو دین صرف خدا اور بندے کے درمیان تعلق کو قائم نہ کرتا ہو بلکہ باہم انسانوں کے تعلقات کو استوار کرتا ہو، جو دین سپہ سالار جنگ سے یہ کہتا ہو کہ جو شخص برسر پیکار ہو اس کے علاوہ کسی دوسرے کو قتل نہ کرنا، کسی آبادی کو ویران نہ کرنا، عورتوں، بچوں کو قتل نہ کرنا، مذہبی پیشواؤں کو قتل نہ کرنا، درختوں کو نہ کاٹنا، کھیتوں کو تباہ نہ کرنا، مختصر یہ کہ فتنہ و فساد کی ہر صورت سے پرہیز کرنا، اس لئے کہ خدا تعالیٰ فساد پھیلانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اگر انسانیت پر اس طرح کے دین کی حکمرانی قائم ہو جائے تو مسائل حل ہو سکتے ہیں پھر اس دین کی یہ بھی خصوصیت ہونی چاہئے کہ پوری انسانیت کو ایک امت تصور کرے اور رنگ و نسل کی بنیاد پر امتیاز روا نہ رکھے، بلکہ سارے انسانوں کو اللہ کی مخلوق سمجھے اور ہر ایک کو یکساں طور پر اس کا بندہ تصور کرے، اس لئے کہ سارے انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور سب کے خمیر میں ایک ہی مٹی شامل ہے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اس دین کا مدار اس ذات پر ہو جو ساری کائنات کی پیدا کرنے والی ہے اور تمام مخلوقات جس کا کنبہ ہے، بلاشبہ وہ دین اسلام ہے جو اپنے اندر یہ تمام اوصاف رکھتا ہے ہم پر یہ عقدہ اس مقدس کلام نے کھولا ہے جو اشرف المخلوقات یعنی خدا کی محبوب ترین ہستی حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا تھا اور تمام انسانوں کے لئے مکمل ضابطہ حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔

قرآن پاک کی سورہ مائدہ میں ایک مقام پر اسلام کو سبل السلام کہا گیا ہے۔ یعنی امن وسلامتی کا راستہ، اسی طرح دوسرے مقام پر سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا: "لا اکراہ فی الدین" (دین میں کوئی زبردستی نہیں) ۔ قرآن نے یہ اعلان کر کے صاف طور پر بتا دیا کہ کسی جارحیت سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں، واقعہ یہ ہے کہ اسلام امن و سلامتی کو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے

بنیادی ضرورت قرار دیتا ہے اور اس کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ ایک انسان دوسرے انسان کی جان و مال پر حملہ کرے۔ اسی کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے کہ جس نے کسی جان کو بھی قتل کر دیا اور ایسا خون کسی جان کا بدلہ لینے کے لئے کیا اور نہ زمین پر پھیلے ہوئے فساد سے نمٹنے کے لئے کیا تو اس نے گویا سارے انسانوں کو قتل کر دیا، اور جس نے ایک جان کو بچا لیا تو گویا سارے انسانوں کو زندہ بچا لیا۔ قرآن کے اس واضح بیان کے بعد بھی کیا اس امر کی شہادت کی مزید کوئی ضرورت باقی رہتی ہے کہ اسلام دہشت کا نہیں امن و سلامتی کا مذہب ہے (دعوت نمبر ص ۹۳)۔

اسلام اور تشدد دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں جہاں اسلام ہوگا تشدد وہاں کھڑا ہو ہی نہیں سکتا، اسلام تشدد کے مقابلہ کے لئے سب سے طاقتور ہتھیار ہے۔

دراصل اسلام بنیادی طور پر امن و سلامتی کی دعوت دیتا ہے، جنگ پر صلح کو فوقیت دیتا ہے، چنانچہ قرآن پاک کی سورۂ انفال میں حکم دیا گیا ہے، اور دیکھو اگر دشمن صلح کی طرف جھکیں تو چاہئے کہ تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ، اور ہر حال میں اللہ پر بھروسہ رکھو وہ سب کی سنتا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب بدر کی فیصلہ کن جنگ نے مسلمانوں کی فتح مندی کو ظاہر کر دیا تھا اور تمام جزیرہ عرب ان کی طاقت سے متاثر ہونے لگا تھا، تاہم حکم ہوا کہ جب کبھی دشمن صلح و امن کی طرف مائل ہوں تو چاہئے کہ تم بھی بلا تامل آمادہ ہو جاؤ، اگر اس کی نیت میں فتور ہوگا تو اس کی پرواہ نہ کرو، اس کی وجہ سے صلح و امن کے قیام میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ کرنی چاہئے۔ اسلام کو صلح اتنی عزیز ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ فلاں دشمن منافقت سے کام لے کر امن کی پیشکش کر رہا ہے اور موقع ملتے ہی وہ معاہدے سے پھر جائے گا، اسلام صلح و امن کا حکم دیتا ہے۔ لیکن آج باطل ادیان کے پیروکار حقانی مذہب کو باطل قرار دیتے ہیں، جو خود دہشت گرد ہے وہ دوسروں کو دہشت گرد قرار دیتا ہے جو خود ظالم ہے وہ دوسروں کو ظالم کہتا ہے۔

۲- جو حکومتیں اپنی رعایا کے بعض طبقات کے ساتھ سیاسی، معاشی حق تلفیوں کا برتاؤ کرتی ہیں وہ ظالم ہیں ان کے مظالم اور غیر منصفانہ رویہ پر سرکاری دہشت گردی کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

۳- اگر کسی گروہ یا طبقہ کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہے تو اس پر احتجاج اور رد عمل کا اظہار جائز ہے۔ عدم تشدد کے ساتھ سول نافرمانی کی مظلومانہ جنگ یقیناً لڑ سکتے ہیں، اور اگر احتجاج کرنے والے اس کے لئے تیار ہیں کہ لاٹھیاں کھائیں، سنگینیں، برچھیاں، چھرے اور گولیاں اپنے سینوں پر لیں تو یقیناً ان کو اپنے حق کے مطالبہ کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنا جائز ہے، کیونکہ ان کا فعل فی حد ذاتہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنا حق طلب کرتے ہیں اس کے جواب میں اگر حکومت لاٹھیاں برسائے، یا سنگینیں گھونپے یا چھرے اور گولیاں مارے تو یہ بربریت اور ظلم حکومت کا فعل ہے، اس کی ذمہ داری حکومت پر ہے نہ کہ ان مظلوموں پر جو اپنا حق مانگتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ یہ جانتے ہوئے کہ حکومت بسا اوقات اپنی بربریت کے مظاہرہ کے لئے لاٹھیاں چلاتی ہے، گولیاں برساتی ہے، کسی کو ایسے خطرے میں پڑنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مطالبہ حقوق ہمیشہ خطرات سے پر ہوتا ہے۔ بغیر خطرے کے تو کوئی مقصد بھی حاصل نہیں ہوتا، احتجاج کرنے والوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس کا نتیجہ حکومت کی جانب سے تشدد ہو، اور اگر حکومت بلا وجہ تشدد پر اتر آئے تو اس کی ذمہ داری حکومت کی ہوگی۔ مثلاً یہ قصد ہو کہ دفعہ (۱۴۴) کی خلاف ورزی کریں اور پانچ سو اشخاص ایسے مہیا کئے جائیں جو جمع ہو کر جلسہ کریں اور حکام سے اس قسم کی گفتگو ہو جو مختصر نہ ہو، مگر کوئی اور حرکت نہیں کی، تو اس صورت میں حکومت کا فرض یہ ہے کہ ان سب کو آدمیت کے ساتھ گرفتار کرے۔ مگر بسا اوقات حکومت آئین اور انسانیت کے ساتھ ان کو گرفتار کرنے کے بجائے

کبھی تو انھیوں سے چھوا کر منتشر کرتی ہے اور کبھی گولیاں چلا کر بہیمیت اور بربریت کا انتہائی مظاہرہ کرتی ہے۔

اس ظالمانہ کارروائی کی وجہ سے مظلوموں کا وہ فعل ناجائز نہ ہو جائے گا جو عقل وانصاف اور مذہب کے خلاف نہ تھا، اور جو لوگ اس بربریت اور بہیمیت کا شکار ہو کر شہید ہوں گے وہ یقیناً مظلومیت کی وجہ سے شہادت کا درجہ پائیں گے، ان کو خودکشی کا مرتکب کہنا محض جہالت اور ناواقفیت احکام شرعیہ کی دلیل ہے (احسن الفتاویٰ [illegible])۔

۴۔ اگر ایک جتھہ کی طرف سے ظلم وزیادتی ہو اور ظلم کرنے والے کچھ افراد ہوں تو ظالم گروہ کے دوسرے بے قصور لوگوں سے بدلہ لینا جائز نہیں۔

۵۔ کسی گروہ کے اندر اقتدار اور معاشی وسائل پر تسلط حاصل کرنے کی حرص ہو، کمزور طبقات کو محروم رکھنے کا جذبہ دہشت گردی کے بنیادی اسباب اور محرکات میں سے ہے، اس قسم کے اسباب کا تدارک کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، عوام کو بھی اپنی اصلاح کرلی چاہئے۔

۶۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جو مال کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے، اور جو اپنے اہل وعیال کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ بھی شہید ہے، اور جو اپنے دین کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ بھی شہید ہے، اور جو اپنی جان کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ بھی شہید ہے۔

"قال رسول الله ﷺ: من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد" (نسائی ۲؍۱۵۵)۔

فتح الباری میں ہے: "قال النووي فيه جواز قتل من قصد أخذ المال بغير حق سواء كان المال قليلاً أو كثيراً وهو قول الجمهور وشذ من أوجبه" (الأمر

نووی نے کہا: ناحق مال لینے والے کو قتل کرنا جائز ہونے کی اس حدیث میں دلیل ہے خواہ مال کم ہو یا زیادہ، جمہور کا یہی قول ہے، واجب کہنے والے شاذ و نادر ہیں)۔

اوران کا قول شاذ ہے: "والذی علیه أهل العلم أن للرجل أن يدفع عما ذكر إذا أريد ظلما" (اہل علم کا قول یہ ہے کہ جان مال عزت آبرو کی حفاظت اور ظلم کو دفع کرنے کی آدمی کو اجازت ہے)۔

ابن بطال نے کہا کہ ان ابواب پر امام بخاری نے یہ عنوان اس لئے قائم کیا ہے کہ انسان کو اپنے جان و مال پر حملہ کرنے والے کو دفع کرنے کا حق ہے، اس پر کوئی چیز نہیں، اس میں قتل کر دیا گیا تو شہید ہے، اور حملہ آور کو قتل کر دے تو مدافعت کرنے والے پر قصاص اور دیت نہیں۔

"قال ابن بطال: إنما أدخل البخاري هذه الترجمة في هذه الأبواب ليبين أن للإنسان أن يدفع عن نفسه وماله ولا شيء عليه فإنه إذا كان شهيداً إذا قتل في ذلك فلا قود عليه ولا دية إذا كان هو القاتل" (فتح الباری ۵/۱۲۴)۔

الأرض إن الله لا يحب المفسدين" (القصص: ۷۷) (اعلامیہ مکہ مکرمہ، اجلاس ۱۶،
۶ رجب ۱۴۲۲ھ)۔

(دہشت گردی وہ حد سے بڑھا ہوا ظلم ہے جس کا ارتکاب افراد، گروہ یا حکومتیں کسی انسان، اس کے دین، اس کے خون، اس کی عقل، اور اس کے مال اور اس کی عزت پر زیادتی کے طور پر کرتی ہیں، اس میں خوف زدہ کرنے، تکلیف پہنچانے، دھمکی دینے، ناحق قتل کرنے، خونریزی کی مختلف صورتیں، راستے کو پرخطر بنانے اور ڈاکہ زنی کی تمام اقسام داخل ہیں، نیز اس میں تشدد یا دھمکی کی ہر وہ کارروائی شامل ہے جو کسی فرد یا گروہ کے مجرمانہ منصوبہ کو بروئے کار لاتے ہوئے کی جائے اور جس کا مقصد لوگوں میں رعب پیدا کرنا یا ان کو تکلیف پہنچا کر خوف زدہ کرنا یا ان کی زندگی، ان کی آزادی، ان کی سلامتی اور ان کے حالات کو خطرہ سے دوچار کرنا ہو، اس کی اقسام میں ماحولیات کو بگاڑنا، انتفاع کی چیزوں، عمومی یا پرائیویٹ املاک کو تباہ کرنا، ملکی اور قدرتی ذرائع پیداوار کو خطرہ سے دوچار کرنا شامل ہے۔ یہ تمام کارروائیاں فساد فی الارض کی مختلف صورتیں ہیں جن سے اللہ تعالی نے مسلمانوں کو منع کیا ہے: "اور زمین میں فساد نہ چاہو، بے شک اللہ تعالی فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں فرماتا")۔

۳۔ حکومتوں کے غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ کے خلاف اگر کوئی قوم عملی اقدام کرے تو اسے دہشت گردی نہیں کہیں گے، لیکن ظالم حاکم کے خلاف آواز اٹھانے اور بغاوت کرنے کے اصول اور ضوابط ہیں، اگر عملی اقدام سے جانی ومالی ضرر لازم آتا ہے اور فتنے کی آگ بھڑک سکتی ہے تو ایسے حالات میں حاکم کے حق کو ادا کرنا چاہئے اور اپنے حق کو اللہ سے مانگنا چاہئے اور صبر کرنا چاہئے، کیونکہ مسلمان کی جان کی قیمت بہت زیادہ ہے، شریعت تو اس کی حفاظت کے لئے بعض حالات میں حرام کو بھی حلال کردیتی ہے، صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہی تعلیم دی گئی ہے۔

۳- کسی ناانصافی پر احتجاج اور مکمل جمہوری حکومتوں میں جو ذریعے اپنائے گئے کی منظوری کا ظلم کے خلاف تحریک اور دہشت گردی کو ابھرنے نہیں دے گا۔

۴- اگر ایک طبقہ کی طرف سے ظلم و زیادتی ہو اور اس میں اس طبقہ کے بعض افراد شریک ہوں اور کچھ دوسرے افراد جو اس میں شریک نہیں ہیں اور بے قصور ہیں مگر وہ اس ظلم و زیادتی سے راضی ہیں تو ان بے قصور افراد سے انتقام لینا جائز ہوگا، دینی نقطہ نظر سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ عہد نبوی میں اس کی مثالیں ملتی ہیں، ابو بصیر نے اسی طرح کی کارروائی کی تھی اور کفار سے بدلے لیتے تھے، اور دربار رسالت سے مخالفت ثابت نہیں۔ اگر آپ ﷺ نے روک دیا ہوتا تو صحابہ کرام اسے روک دیتے اور فرمانبردار تھے کہ فوراً باز آ جاتے۔

۵- اس میں کوئی شک نہیں کہ بغاوت اٹھانے اور دہشت گردی کے موقف کے اپنانے کے کچھ اسباب و محرکات ہوا کرتے ہیں، ان اسباب کے تدارک کے لئے اسلام نے مندرجہ ذیل ہدایات دی ہیں، جن پر قرون اولیٰ میں عمل ہوتا رہا ہے، جس کے نتیجے میں معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بنا رہا:

۱- انسانی اخوت کی بنیاد پر محبت و رحمت کا وجدان و شعور۔

۲- زندگی گزارنے کے انفرادی و اجتماعی آداب کا لحاظ۔

۳- ایک صالح حکومت جو عدل و انصاف سے امن و امان قائم کرے، اور اس نظام حکومت میں لوگوں کو اقتصادی زندگی کی ضمانتیں حاصل ہوں۔

۶- اگر کسی جماعت یا فرد کی جان و مال یا عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو اس کا دفاع واجب ہے، اگر دفاع میں کوئی مر جائے تو وہ شہید ہے: "من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون عرضه فهو شهيد ومن قتل دون نفسه فهو شهيد" (ترمذی ۱۰۲۱)۔ اگر ظالم مارا

جائے تو اس کا خون رائیگاں جائے گا، اس کے ورثہ دیت یا قصاص کے حقدار نہیں ہوں گے۔

لیکن دفاع کے کچھ حدود ہیں:

۱- اس وقت دفاع کیا جائے جب کسی سے قتل اور نقصان کا خطرہ ہو۔

۲- دفاع میں ظلم و زیادتی نہ ہو۔

۳- جائز حق کے لئے دفاع کیا جائے۔

اسلام میں امن کا تصور

مولانا اسعد قاسمی سنبھلی

۱- ہمارے نزدیک دہشت گردی کی مختصر و جامع تعریف وہ ہے جو امیر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے سعودی روزنامہ "الندوہ" کو انٹرویو دیتے ہوئے کی ہے: "وانما یکون الارھاب عندما یقوم رجل بالتشدد والظلم بدون حق له في اختيار الشدة والاعتداء" (الندوہ: ص: ۲۳، عدد ۱) یعنی کسی حق و اختیار کے بغیر دوسروں پر ظلم کیا جائے اور ماحول میں خوف و دہشت پیدا کردی جائے تاکہ مخالف حوصلہ ہار بیٹھے۔

۲- بعض اوقات نہیں بلکہ اقوام متحدہ کی سرپرستی میں تو مسلسل پچاس سال سے دہشت گردی انجام دی جارہی ہیں، اور مسلم ملکوں یا غیر مسلم ملکوں میں مسلم اقلیتوں کے ساتھ جو بے محابا ظلم و ستم توڑے گئے ہیں وہ بلاشبہ سرکاری دہشت گردی ہے اور اس پر دہشت گردی کا اطلاق صحیح منطبق ہوتا ہے۔

۳- غالباً دو صورتیں ہیں: عزیمت کو اختیار کرتے ہوئے ظالم کا ہاتھ پکڑ لینا جو مطلوب و واجب ہے۔ طاقت و ہمت کی عدم موجودگی میں صبر کرنا، جزع نہیں، دوسرے اصلاحی طریقے لیکن اس کے ساتھ مستقبل میں نبرد آزمائی کے لئے ہمت و طاقت کی فراہمی ضروری ہے۔ عام حالات میں پہلی صورت واجب اور خصوصی ماحول میں دوسری صورت جائز ہے۔ مظلوم کا ظلم کے

خلاف اٹھنا "من قتل دون نفسه ... دون ماله فهو شهيد" (ترمذی، ۴۰۱) کے زمرہ میں آئے گا، اور اس پر دہشت گردی کا اطلاق درست نہیں۔

۴- اگر ظالم طبقہ کی زیادتیوں پر اس کے تمام افراد اس کی اخلاقی یا سیاسی حمایت کرتے ہوں یا کم از کم خاموش ہی ہوں اور مظلوم کے تئیں ان سے کسی ہمدردی کا اظہار نہ ہو تو انتقام کے وقت حتی الامکان تو "فقاتلوا أئمة الكفر" پر عمل کیا جائے گا، لیکن جب یہ ممکن نہ ہو تو اس طبقہ کے کسی بھی فرد کو نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ حالت جنگ محض دو گروہوں کی تفریق کرتی ہے، اس میں دشمن کے ایک ایک فرد سے متعلق تحقیق و تفتیش نہیں کی جاتی، جو لوگ اپنی قوم کے ظالموں کو ظلم سے نہ روکتے ہوں وہ خود ظالم ہیں، انہیں کبھی بے قصور نہیں کہا جا سکتا۔ سیرت رسول کے باب میں حضرت ابوجندل اور ابوبصیر کے کردار بھی یہی اصول عطا کرتے ہیں۔

۵- سوال قدرے مجمل ہے، غور کرنے پر بھی اس کا تناظر سمجھ میں نہیں آتا، اگر وہ غیر اسلامی ملک سے متعلق ہے تو معاشی ناانصافی اور وسائل پر تسلط کے سلسلے میں ان کو اسلامی ہدایات کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جو ان کی روشنی میں بحران کے تدارک کے اسباب پر غور کریں گے، وہ تو صاف صاف اسلام ہی کو دہشت گرد کہتے ہیں، جبکہ مسلم ملک ہونے کی صورت میں ہم انہیں ہر سطح پر انصاف فراہم کرنے کے تو پابند ہیں لیکن انہیں اس کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ ان موضوعات کو بہانہ بنا کر خلافت و امارت یا مسلم حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں، اس صورت میں مصالحت ٹوٹ جائے گی اور ارباب اقتدار ان کے ساتھ باغیوں کا سا سلوک کریں گے۔

۶- جان و مال یا عزت و آبرو کی حفاظت پر انسان کا پیدائشی حق ہے اور کتاب وسنت کی روشنی میں وہ ایک مبارک و مقدس عمل ہے، رسول اللہ ﷺ کا اسوہ ہمیں بتاتا ہے کہ دشمن کو فدائی پوزیشن میں چھوڑنا اور اپنے دفاع سے اغماض برتنا اللہ کو پسند نہیں ہے، اس نے حذر کے

وقت اس حد تک مدافعت تو لازم و واجب ہے کہ وہ خود قرآنی تشکیک میں مبتلا ہو جائے۔ نیز بھرپور
وار کر کے اس کو ختم کر دیا جائے کہ قابل نہ چھوڑا جائے۔ قرآن و حدیث اور فقہ کی تشریحات کی رو
سے یہ ہمارا دینی فریضہ ہے۔

اسلام میں تشدد کی حقیقت

مولانا مجیب الرحمن قاسمی
مدرسہ اسلامیہ عالیہ نوگاؤں، آسام

۱- سیاسی نقطۂ نظر سے اگر ہم دہشت گردی کی تعریف کرنا چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ بے قصور اور معصوم افراد یا جماعت پر ظلم و زیادتی کے حوالے سے خوف و ہراس پھیلانا، قتل و غارت گری کرنا کہ امن نا مفقود ہو جائے "دہشت گردی" ہے۔

۲- حکومت اگر اپنے ملک میں بسنے والے تمام طبقات کے ساتھ عدل و مساوات کا سلوک نہ کرے بلکہ بعض طبقات کے ساتھ سیاسی و معاشی ناانصافی کو روا رکھے، یا ان کی جان و مال کے تحفظ میں کوتاہی سے کام لے یا سرکاری سطح پر ایسی تدبیریں اختیار کرے جس سے وہ طبقے جانی اور مالی نقصان سے دوچار ہو جائیں تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حکومت کا یہ اقدام تقاضائے عدل کے مطابق ہے یا نہیں، اگر ہاں تو اسے دہشت گردی نہیں کہا جائے گا اور اگر نہیں تو بلا شک و شبہ یہ بھی دہشت گردی کے زمرہ میں شامل ہوگا۔

۳- کسی گروہ یا طبقے کے ساتھ حکومت کی ناانصافی کی دو صورتیں ہیں: ۱- اس کا تعلق دین و مذہب سے ہوگا، ۲- یا نہیں ہوگا، اگر نہیں تو احتجاج کے تمام وسائل جمہوری طریقہ پر اختیار کرنا درست ہے، ان میں مظاہرے، ہڑتال وغیرہ سب داخل ہیں، البتہ تشدد کا راستہ اختیار کرنا جس سے کسی گروہ یا فرد کو نقصان پہنچے، مسافروں کو تکلیف ہو، راستے بند ہو جائیں جائز نہیں، اس

احتجاج کی دلیل کے طور پر قرآن کی یہ آیت پیش کی جاسکتی ہے: "لا یحب اللہ الجہر بالسوء من القول إلا من ظلم" (سورۃ نساء: ۱۴۸)۔

اور اگر نا انصافی کا تعلق دین و مذہب سے ہو مثلاً حکومت برادران وطن کو تو مندر تعمیر کرنے کی اجازت دے لیکن مساجد کی تعمیر پر پابندی لگائے، اس صورت میں: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده ومن لم يستطع فبلسانه ومن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان" (ترمذی) کی روشنی میں صدائے احتجاج بلند کرنا واجب ہے۔

باقی رہا کہ مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے کو دہشت گردی کا نام دیا جا سکتا ہے تو اس سلسلہ میں واضح رہے کہ جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت میں ظالموں سے لڑنا اور ان کے حملوں کو ناکام بنانا دہشت گردی نہیں بلکہ جہاد ہے، اگر اس راہ میں جان چلی جائے تو شہید کہلائے گا، فرمان نبوی ہے: "من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون أهله فهو شهيد" (ترمذی ۱/۲۶۱)۔

۴ جواب نمبر ۳ کے شق اول سے واضح ہوگیا کہ مظلوم کو اپنے ظلم کا بدلہ لینے کا حق ہے مگر صرف ظالم سے اور وہ بھی بقدر ظلم، اس لئے کہ اگر اس کا بدلہ غیر سے لیا جائے تو "لا تزر وازرة وزر أخرى" کے خلاف ہوگا، نیز آپ ﷺ کا جہاد وغیرہ کے موقع پر عورتوں اور بچوں کے قتل سے باز رہنے کی تعلیم دینا اس کی غمازی کرتا ہے کہ بے قصور اور بے گناہ لوگوں سے بدلہ نہ لیا جائے: "نهى رسول الله ﷺ عن قتل النساء والصبيان" (متفق علیہ، مشکوۃ ۲/۳۴۰)۔

۵- اس سلسلہ میں اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ "تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم" (آل عمران) یعنی اگر اسلام کو مضبوطی سے پکڑ لیا جائے اور زندگی کے ہر موڑ اور شعبہ کو

اسلامی ڈھانچے میں ڈھال لے تو کبھی بھی ایسی بری حالت سے دوچار نہیں ہونا پڑے گا۔

۶۔ اس سوال کے اکثر پہلوؤں کا جواب تیسرے جواب کے ضمن میں موجود ہے، از راہِ کرم ملاحظہ فرما لیا جائے۔

امن کا تصور اسلام میں

مولانا ابو العاص محمد عبد الحکیم (مدنی)

۱۔ دہشت گردی متعدد انواع و اقسام کی ہوتی ہے۔ مثلاً سیاسی دہشت گردی، قومی دہشت گردی، مذہبی دہشت گردی، ثقافتی دہشت گردی، سرکاری دہشت گردی اور انفرادی دہشت گردی۔ کسی بھی جمہوری طریقہ عمل میں افراد اور طبقہ غیر مقبول سے پیدا شدہ صورت کو دہشت گردی کہتے ہیں۔

سیاسی دہشت گردی کی مثال: اقوام متحدہ میں چند بڑے ملکوں کو ویٹو پاور کا حصول اور کمزور ممالک کی مخالفت کا حق نہ ہونا۔

قومی دہشت گردی کی مثال: کشمیر، چیچنیا کی تحریک اور افغانی آزادی کا مطالبہ کرنا۔

مذہبی دہشت گردی کی مثال: ہندوؤں کی شدت پسند تحریک۔

ثقافتی دہشت گردی کی مثال: افغانستان یا طالبان کی مجسمہ شکنی پر واویلا مچانا بے جا تنقید۔

سرکاری دہشت گردی کی مثال: گجرات کے حالیہ فسادات، بوسنیا، چیچنیا وغیرہ میں مسلم نسل کشی اور اسرائیلی حکومت کی فلسطینیوں کے خلاف جارحانہ کارروائیاں۔

انفرادی دہشت گردی کی مثال: جنوبی ہندوستان کے جنگلات میں ویرپن کی حرکات و سکنات۔

بنا بریں ہمارے نزدیک دہشت گردی کی تعریف قرآنی الفاظ میں یہ ہے: "فساد فی الارض" جس کی صراحت کچھ یوں ممکن ہے: مختلف افراد یا جماعتوں یا حکومتوں یا اداروں کی طرف سے کسی انسان، یا ملک یا حکومت یا کسی قوم پر ظلم وستم اور ایسی جارحانہ سرگرمیاں روا رکھنا جس سے انسانی جان و مال، عزت و آبرو اور دین و عقیدہ کو خطرہ لاحق ہو، تشدد، خوف و ہراس، ایذا رسانی، قتل ناحق اور انسانی جان و مال کے ضیاع کرنے کی دھمکیاں، اغوا و یرغمالی دہشت گردی کے ضمن میں شامل ہیں، ڈاکہ زنی اور رہزنی کی واردات، شدت پسندانہ سرگرمیاں، لوٹ مار اور دشمنی میں کسی کو خوفزدہ کرنے کی ایسی تمام شکلیں دہشت گردی میں داخل ہیں جو مجرمین سے انفرادی و اجتماعی طور پر سرزد ہوں، اور اس مقصد کے لئے مجرمین لوگوں میں اپنا رعب اور دبدبہ کس طرح قائم کرنا چاہیں جس سے جان و مال، امن و سلامتی، انسانی زندگی اور اس کی آزادی کو خطرہ درپیش ہو، معاشرہ اور سوسائٹیوں میں ایسی فضا پیدا کرنا بھی دہشت گردی ہے جس سے لوگوں میں اضطراب و ہیجان کی لہریں پیدا ہوں اور منفعت بخش وسائل زندگی کی تباہی کا خطرہ لاحق ہو۔

لغۃ فساد اور اس سے مشتق الفاظ کی آیات ملاحظہ کی جائیں: "بغیا و علوا" کے الفاظ بھی دہشت گردی کے معنی کی بہترین تعبیر ہیں۔

۲- حکومتوں کی یہ ناانصافیاں اور ظالمانہ سرگرمیاں یقیناً دہشت گردی ہیں، فرعون اور فرعونی پالیسیاں اس کی واضح مثال ہیں۔

۳- حسب استطاعت احتجاج اور رد عمل کا اظہار جائز بھی ہے اور واجب بھی، اور اگر استطاعت نہ ہو تو محض صبر اور دعا سے کام لینا چاہئے اور جب بھی موقع ملے احتجاج اور رد عمل کا اظہار کرنا چاہئے، مستقل خاموشی بے معنی ہے، موسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل، ساحران فرعون اور

فرعون ملعون کے حالات و واقعات اور سیرت نبوی سے غزوات و سرایا، کعب بن اشرف کا قتل وغیرہ وغیرہ اس کی عظیم مثالیں ہیں۔

۴- ظلم و زیادتی اگر انفرادی سطح پر ہو تو انتقام انفرادی سطح پر انہیں چند افراد سے لیا جائے گا، لیکن اگر گروہی، قومی یا طبقاتی سطح پر ہو تو قوم حربی ہوتی ہے، افراد اور مرکز کو قصور وار نہیں قرار دیئے جاتے، حالت جنگ کے مراتب اور درجات ہوتے ہیں، پوری اسلامی تاریخ اس کی عمدہ مثال ہے۔

۵- ایسی تمام دہشت گردیوں کے اسباب کے تدارک کے لئے اسلام کے قانون عدل اور قانون جہاد و قتال کو مکمل طور پر اپنایا جائے اور اس میں کوئی کوتاہی اور تفریط نہ برتی جائے، مدد دراز سے مسلمانوں کی غفلت ہی نے قوموں کو ایسے مواقع فراہم کئے ہیں۔ "فاعاذنا الله منها، ووفقنا بالجهاد فی سبیله"۔ آمین۔

۶- قرینہ صادقہ کے بغیر امر و نہی کے صیغے وجوب کا حق اور فائدہ دیتے ہیں، قرینہ صادقہ مقتضائے حال بھی ہوتا ہے، "قاتلوا"، "لاتبغوا"، "لا تعتدوا" وغیرہ قرآنی الفاظ امر و نہی کے صیغے ہیں۔ جس کسی گروہ یا فرد کی جان و مال یا عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے اسے دفاع کا پورا پورا اختیار حاصل ہے، جو حتی المقدور واجب بھی ہے، مباح بھی ہے اور مستحب بھی، حکم مقتضائے حال کے مطابق نافذ ہوگا، جہاد کی بحثوں میں ہر شخص کو معلوم ہے کہ جہاد فرض عین بھی ہے اور فرض کفایہ بھی، صبر اور تاخیر بھی اس میں جائز ہے اور انتقام اور تعجیل بھی۔

جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ کی مدافعت اور اس کی فضیلت میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱- "جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء

رجل يريد أخذ مالي؟ قال: فلا تعطه مالك، قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: قاتله، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: هو في النار" (مسلم، الایمان عن ابی ہریرہ)۔

۲- من قتل دون ماله فهو شهيد (متفق علیہ وغیرہ)۔

۳- من أريد ماله بغير حق فقاتل فقتل فهو شهيد (ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو)۔

۴- "من أصيب (قتل) دون ماله أو دون دمه، أو دون دينه، أو دون أهله فهو شهيد" (ابوداود، ترمذی، نسائی، السنۃ للخلال وغیرہ عن سعید بن زید) وفي رواية: "من قتل دون حرمته..."۔

۵- "من قتل دون مظلمة فهو شهيد" (ارواء الغلیل البانی ص ۲۳، رواہ احمد فی مسندہ عن ابن عباس)۔

۶- "من قتل دون جاره فهو شهيد" (السنۃ للخلال ص ۱۶۸)۔

اور اس موضوع پر استدلال کے لئے یہ آیت کریمہ کافی ہے: "إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فسادا أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض ذلك لهم خزي في الدنيا ولهم في الآخرة عذاب عظيم" (سورۂ مائدہ: ۳۳)۔

رہا مسئلہ کہ حق مدافعت کے حدود کیا ہیں؟ تو یہ بھی تقاضائے حال ہی پر منحصر ہے لہٰذا:
ایک حد یہ ہے جو مذکورہ بالا آیت کے بعد کی آیت میں ہے: "إلا الذين تابوا من قبل أن تقدروا عليهم" اور ایک حد یہ ہے: "فاقتلوهم حيث ثقفتموهم وأخرجوهم من حيث أخرجوكم" (البقرہ: ۱۹۱) اور ایک حد یہ ہے: "وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة

دہشت گردی کی حقیقت اسلام میں

مفتی محمد اسلام تاگی (ناسک)

۱۔ دہشت گردی انگریزی لفظ (Terrorism) کا اردو ترجمہ ہے، ٹیرر کا مطلب ہے دہشت و ہولناکی، دہشت اور خوف و ہراس وغیرہ، اس لفظ (Terror) کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے فارسی لفظ "دہشت" کا استعمال کیا گیا، اور انگریزی کے لفظ (ISM) کے مطلب کی ادائیگی کے لئے لفظ "پسندی" اور "گردی" کا استعمال کیا گیا دونوں لفظوں کو جوڑا گیا تو دہشت پسندی اور دہشت گردی ہو گیا، جس کا مفہوم ہوا کہ وہ مسلک یا نظریہ جو لوگوں میں خوف و ہراس پیدا کرنا پسند کرتا ہو یعنی وہ لوگ یا وہ مسالک و مذاہب یا افکار و نظریات جو لوگوں پر قتل و غارت گری اور لوٹ مار کے ذریعہ اپنے گھناؤنے مقاصد کو حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ "دہشت پسند" اور "دہشت گرد" ہیں۔

صحیح تعریف: بے قصور اور معصوم افراد کو ہراساں و پریشان کرنا، دہشت پھیلانا اور ستانا وغیرہ، خواہ وہ تکلیف پہنچانا کسی ایک فرد کی جانب سے ہو یا کسی حکومت اور قوم کی طرف سے، ایسے ہی وہ تکلیف بم، راکٹ اور بندوق اور خواہ جیسے چھری کو استعمال میں لا کر پہنچائی گئی ہو یا زبان اور ہاتھ کو حرکت دے کر یا کسی ذریعہ کو استعمال کر کے، یہ سب دہشت گردی کی حدود سے باہر نہیں ہیں۔ اسلام کی لغوی و اصطلاحی تعریف: اسلام عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا مادہ "س ل م" ہے، ترجمہ "امن" ہے۔ "سلم یسلم سلاماً و سلامۃ" حفاظت کرنا، "اسلم یسلم

اسلاماً" فرمانبرداری کرنا، اطاعت کرنا، کیونکہ مذہب اسلام بھی خدا کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم دیتا ہے، اس لئے اسے بھی اسلام کہا گیا۔ اصطلاح میں آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے دین کو اسلام کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، قرآن کریم نے جس کی صراحت کی ہے: "الیوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام ديناً" (سورہ مائدہ: ۳)۔

"اسلام" اور "دہشت پسندی" کے لفظی واصطلاحی معنی بیان کرنے کے بعد یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ "اسلام" اور "دہشت پسندی" دونوں باہم متضاد ہیں، ان کے درمیان کسی بھی جہت سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ اسلام ایک ایسی شئی ہے جس کے جزء جزء میں سلامتی وامن ہے جبکہ "دہشت پسندی" میں سراسر ہولناکی ووحشت، ہلاکت، قتل وغارت گری ہے "والفتنة أشد من القتل" (البقرہ ۱۹۱)۔

دہشت گردی اسلام کی نظر میں ایک مہلک شئی ہے، دہشت گرد اسلام کی نظر میں سخت سزا کے مستحق ہیں۔

۲۔ حکومتوں کے غیر منصفانہ اور ظالمانہ رویہ پر بھی دہشت گردی کا اطلاق ہوگا، ارشاد باری ہے: "إن الله يأمر بالعدل والإحسان وإيتاء ذي القربى" (النحل: ۹۰)۔ اس کی خلاف ورزی دہشت گردی نہیں تو اور کیا ہے؟ امن وامان کی راہ میں حائل چیزیں ظلم کرنا، گالی دینا، الزام لگانا، بہتان تراشی وغیرہ چیزیں جو دہشت گردی ہے وہ اس حدیث نبوی میں مذکور ہیں: "عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: أتدرون ما المفلس؟ قالوا: المفلس فينا من لا درهم له ولا متاع، فقال: إن المفلس من أمتي من يأتي يوم القيامة بصلاة وصيام وزكاة ويأتي قد شتم هذا وقذف هذا وأكل مال هذا

وسفک دم هذا وضرب هذا، فیعطی هذا من حسناته، فإن فنیت حسناته قبل أن یقضی ما علیه أخذ من خطایاهم فطرحت ثم طرح فی النار"(مسلم)۔

۳۔ ایسی صورت میں احتجاج اور ردعمل کا اظہار فقط جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے، ارشاد باری ہے:"أذن للذین یقاتلون بأنهم ظلموا وإن الله علی نصرهم لقدیر، الذین أخرجوا من دیارهم بغیر حق إلا أن یقولوا ربنا الله"(حج ۳۹، ۴۰)، اگرچہ آیت کریمہ کا مورد خاص ہے مگر مفہوم عام ہے، نیز اس ظلم وتشدد کے خلاف لڑنے کی طرف اشارہ ہے، لیکن اس کے لئے بہترین اسلوب جیسے پرسکون جلوس اور میمورنڈم وغیرہ اختیار کرنا چاہئے:"من رأی منکم منکراً فلیغیره بیده الخ"(حدیث)۔ اور مظلوم کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا "دہشت گردی" کے دائرہ میں نہیں آتا ہے،"فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم واتقوا الله واعلموا أن الله مع المتقین"(بقرہ ۱۹۴)۔

۴۔ ظالموں کے گروہ کے ان لوگوں سے بدلہ لینا جائز نہیں جو بے قصور ہوں اور جو خود اس ظلم میں شامل نہ ہوں،"ولا تزر وازرة وزر أخری"(فاطر ۱۸)۔

حضرت عمرؓ کی وصیتوں میں ہے:"ولا تقتلوا هرماً ولا امرأة ولا ولیداً وتوقوا قتلهم إذا التقی الزحفان وعند شن الغارات"(کسی بوڑھے، عورت اور بچے کو قتل مت کرو، اور جب دونوں فریق میں جنگ شروع ہو جائے اور حملے کرنے کے وقت ان کو قتل کرنے سے اجتناب کرو)۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کا گزر ایک مقتول عورت پر ہوا، حضور ﷺ وہاں رکے اور فرمایا:"ما کانت هذه لتقاتل"(عورت لڑنے والی نہ تھی)، اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کی طرف دیکھا اور ان میں سے ایک کو حکم دیا:"الحق بخالد بن ولید، فلا

يقتلن ذرية ولا عسيفا (اجيراً) ولا امرأة" اس سے معلوم ہوا کہ بے قصوروں پر حملہ نہیں کرنا چاہیے (اسلام، امن اور یکجہتی کا دین)۔

۵- اس بارے میں اسلام کی ہدایات ہیں کہ حکومت بلا امتیاز ہندو اور مسلم تمام لوگوں کے لئے ضروریات زندگی فراہم کرے۔ کسی فقیر کو فقیر نہ رہنے دے، کسی قرض دار کو مقروض نہ رہنے دے، کسی کمزور کو بے سہارا نہ رہنے دے، کسی مظلوم کو دادرسی سے محروم نہ رکھے، کسی ننگے کو لباس سے محروم نہ رکھے۔ "ولا يدع فقيراً ولايته إلا أعطاه، ولا مديوناً إلا قضى عنه دينه ولا ضعيفاً إلا أعانه ولا مظلوماً إلا نصره ولا عارياً إلا كساه كسوة" (اسلام، امن اور یکجہتی کا دین ۵۵)۔

۶- ایسی صورت میں دفاع واجب ہے، من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون عرضه فهو شهيد (الحديث)، مدافعت کے حدود مختلف ہو سکتے ہیں، جیسے ڈرانا، دھمکی دینا، عدالت میں مقدمہ وغیرہ دائر کرنا، اگر ان سے کام نہ حاصل ہو تو قتل کی نوبت آئے تو قتل کر سکتا ہے، کیونکہ فقہ کا قاعدہ ہے: "الضرورات تقدر بقدر الضرورة"۔

امن عالم اور اسلام

مولانا تنظیم عالم قاسمی (حیدرآباد)

اسلام ''سلم'' سے مشتق ہے، جس کے معنی امن اور سلامتی کے ہیں، عدل وانصاف، چین وسکون، امن وآشتی اسلام کی حقیقت وماہیت میں داخل ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض ارشادات سے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حقیقی مومن وہ ہے جس سے اس کے پڑوس کے لوگ امن میں رہیں (بخاری ۲/۸۸۹)۔ اور دہشت گردی دوسروں پر ظلم وتعدی اور جور وستم کا نام ہے، ناانصافی، حق تلفی، طاقت آزمائی اور وہ تمام چیزیں دہشت گردی میں داخل ہیں جن سے کسی انسانی دل کو تکلیف پہنچتی ہو، البتہ ظلم واستحصال کے مختلف درجات کے اعتبار سے دہشت گردی کی قباحت اور اس کی شدت میں کمی زیادتی ہوسکتی ہے، جیسے کسی آدمی کو برا بھلا کہنا، یہ ظلم ہے اور اس پر دہشت گردی بمعنی ظلم وتعدی کا اطلاق ہوگا، اور کسی کو بلاقصور قتل کردینا یہ غیر معمولی ظلم ہے اس کو بھی دہشت گردی کہا جائے گا مگر یہ انتہاء درجہ کی دہشت گردی ہوگی، اور پہلی قسم سے اس کا گناہ بہت بڑھا ہوا ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ دہشت گردی اور ظلم دونوں ہم معنی ہیں۔ لہذا جس طرح ظلم شرعی نقطۂ نظر سے حرام ہے اسی طرح دہشت گردی بھی حرام اور قبیح ہوگی۔

دہشت گردی کے اسباب اور ان کا تدارک:

دہشت گردی کے اسباب احساس محرومی اور قانونی راستہ سے حقوق کے تحفظ اور

ناانصافیوں کے تدارک سے مایوسی ہے، اور ناامیدی دہشت گردی کو جنم دیتی ہے، کبھی معاشی
محرومی سرمایہ داروں کے خلاف آتش اشتعال کو بھڑکاتی ہے، کبھی سیاسی محرومی دہشت گردی کا
سبب بنتی ہے، کبھی اس کا سبب ناانصافی اور فرقہ وارانہ زیادتی بھی ہوتی ہے، ان اسباب کے
تدارک کے لئے اسلام ہدایت دیتا ہے کہ ان اسباب وعوامل پر سنجیدہ غور کرکے بزور قوت ختم
کرنے کے بجائے سنجیدہ غور کیا جائے، عرب جاہلیت سے زیادہ دہشت گردی اور لاقانونیت شاید
ہی تاریخ میں کہیں رہی ہو لیکن اسلام نے نہایت خوبی سے اس کا علاج کیا، اور ان ہی لوگوں کو جن
کی دہشت ضرب المثل تھی پوری دنیا میں امن کا پیامبر بنا کر کھڑا کر دیا، اسلام نے تو اولاً آخرت کا
یقین پیدا کیا اور دنیا کی نعمتوں اور لذتوں کو ایک فانی اور آنی جانی چیز قرار دیا۔

"وما متاع الحیوۃ الدنیا إلا متاع الغرور" (حدید: ۲۰)۔

سیاسی سطح پر کسی طبقہ کو دبا کر رکھنے کی اسلام نے اجازت نہیں دی ہے، اسلام نے ذات
اور برادری کی بنیاد پر عہدے اور ذمہ داریوں کی تقسیم نہیں کی بلکہ اہلیت اور صلاحیت کو اس کے
لئے معیار بنایا: "دماؤہم کدمائنا وأموالہم کأموالنا" قرآن کریم نے عدل وانصاف پر
زور دیتے ہوئے کہا: "لا یجرمنکم شنآن قوم" (المائدہ: ۸)، مذہبی معاملات میں بھی ایک
دوسرے کو برداشت کرنے کا حکم دیا گیا: "لنا أعمالنا ولکم أعمالکم" (بقرہ: ۱۳۹)، اسلام
نے اس بات کی بھی اجازت نہیں دی کہ ایک شخص کے جرم کا بدلہ دوسرے سے لیا جائے اور چند
مجرموں کی وجہ سے بے قصور لوگوں کو نشانہ انتقام بنایا جائے: "لا تزر وازرۃ وزر أخری"
(فاطر: ۱۸)۔

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ احتجاجی قانون کا راستہ ہمیشہ کھلا رکھا جائے اگر احتجاج مبنی
بر حقیقت ہے تو اسے قبول کیا جائے اور اگر خلاف واقعہ ہے تو اسے مطمئن کیا جائے، ملک کے
ایک عام شہری کو بھی بڑے بڑے حکمرانوں کو روکنے اور ٹوکنے کا حق حاصل ہے، اسی کا نام قرآن

کی زبان میں نہی عن المنکر اور شہادت حق ہے۔ اگر کچھ لوگ غیر سنجیدہ طریقہ اختیار کریں تو ان کا بھی بہتر طریقہ پر جواب دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ادفع بالتی ھی احسن" (مومنون: ۹۶) اسلام سراپا رحمت اور امن و آشتی ہے، وہ عدل و انصاف کا سرچشمہ ہے، رحم اور عفو درگذر سے زیادہ کوئی چیز اس کی بارگاہ میں مقبول نہیں اور ناانصافی اللہ کی نظر میں مبغوض اور موجب غضب الٰہی ہے۔ اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے کام کیا جائے تو دہشت گردی با آسانی ختم ہو سکتی ہے۔

جان و مال کی حفاظت اور اس کے حدود:

انسان کی جان و مال اور اس کی عزت و آبرو خدا کی امانت ہیں، پورے حقوق کی رعایت کے ساتھ ان چیزوں کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے، اللہ نے آنکھ، کان، ناک اور اعضائے جسم دیئے تو ان کے استعمال کا طریقہ بھی بتایا اور ان تمام چیزوں سے منع کیا جن سے اعضائے جسم کا ظاہری یا اخروی نقصان ہو سکتی کہ نماز، روزہ، تلاوت، ذکر اور اذکار کے بارے میں ہدایت دی گئی کہ وہ اسی حد تک انجام دیئے جائیں جس حد تک جسم کا نقصان نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے زندگی کے اصول و قوانین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: عبداللہ! کیا تم کو دن میں روزہ رکھنے اور رات کو نفل پڑھنے کی ہدایت نہ دوں، حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسا مت کرنا، روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، سوؤ بھی اور نماز بھی پڑھو، اس لئے کہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے، اور تمہارے مہمانوں کا تمہارے اوپر حق ہے، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"وعن عبد الله بن عمرو بن العاص قال: قال لي رسول الله صلى الله

عليه وسلم: فلا تفعل صم وافطر وقم ونم فان لجسدك عليك حقاً وان لعينك عليك حقاً وان لزورك عليك حقاً"[1](متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ ۱۷۸، باب صوم التطوع، صحیح البخاری، باب حق الجسم فی الصوم، حدیث ۱۹۷۵، مسلم شریف)۔

جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے اگر کوئی جان قربان کر دیتا ہے تو شریعت نے اسے شہادت کا درجہ دیا ہے، حضرت سعید بن زید سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد"[1](مسلم شریف: ۱۴۵۲)۔

اس کی تفصیل ایک دوسری حدیث میں ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا اور سوال کیا: یا رسول اللہ! آپ کا کیا خیال ہے اگر کوئی میرا مال لینا چاہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مال مت دو، پھر سوال کیا: اگر وہ مال نہ دینے کی وجہ سے قتال کرے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھی اس سے قتال کرو، پوچھا: اگر وہ مجھے قتل کر دے، آپ ﷺ نے جواب دیا: تم شہید کہلاؤ گے۔ اس نے کہا: اگر میں نے اسے قتل کر دیا تو فرمایا: وہ جہنم میں جائے گا۔

"عن أبي هريرة قال جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: فلا تعطه مالك، قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: قاتله، قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد، قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: هو في النار"[1](مسلم ۱/۸۱)۔

امام نووی اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأما أحكام الباب ففيه جواز قتل القاصد لأخذ المال بغير حق سواء كان المال قليلاً أو كثيراً لعموم الحديث، وهذا قول الجماهير من العلماء

وقال بعض أصحاب مالك لا يجوز قتله إذا طلب شيئاً يسيراً كالثوب والطعام وهذا ليس بشيء والصواب ما قاله الجماهير، وأما المدافعة عن الحريم فواجبة بلا خلاف وفي المدافعة عن النفس بالقتل خلاف في مذهبنا ومذهب غيرنا والمدافعة عن المال جائزة غير واجبة والله أعلم" (صحیح مسلم بشرح الامام النووی ار ۳۳۰، دار الفکر للطباعۃ)۔

(عموم حدیث کی وجہ سے ناحق مال چھیننے والے کے قتل کا جواز ثابت ہوتا ہے، چاہے مال تھوڑا ہو یا زیادہ، اور یہی جمہور علماء کا قول ہے، اور بعض اصحاب مالکیہ نے کہا کہ اگر ناحق طلب کی جانے والی چیز تھوڑی ہو جیسے کھانا، کپڑا وغیرہ، تو قتل جائز نہیں، لیکن بہتر قول جمہور کا ہے۔ رہی بات عزت کی حفاظت اور اس کی مدافعت کی تو وہ بلا اختلاف واجب ہے، اور قتل کے ذریعہ نفس کی مدافعت میں ہمارے اور غیر کے مذہب میں اختلاف ہے، اور مدافعت عن المال جائز ہے واجب نہیں)۔

حضرات حنفیہ کے نزدیک جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت واجب ہے اور مال کی حفاظت جائز، مدافعت کی آخری حد شہادت ہے یعنی اگر کسی بھی شخص نے ان اشیاء ثلاثہ میں سے کسی کی حفاظت کے لئے جان گنوادی تو اسے شہادت کا درجہ نصیب ہوگا۔

مناقشہ

مناقشہ :

اسلام اور امن عالم

اسلام اور امن عالم کے موضوع سے متعلق ورقی آپ حضرات کے سامنے پیش کیے گئے، اب اس کے بعد جو مختلف سوالات ہیں ان کے بارے میں آپ کو جو کچھ اظہار خیال کرنا ہو، گفتگو کرنی ہو، اپنا نام لکھ کر بھیج دیجئے۔ مناقشہ شروع ہونے سے پہلے مولانا بدر الحسن قاسمی صاحب کچھ کہنا چاہتے ہیں، لہذا میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ آئیں اور اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

مولانا بدر الحسن قاسمی:

مجھے کوئی تقریر نہیں کرنی ہے آپ کے سامنے، مولانا [illegible] الدین قاسمی صاحب نے ایک اشکال کیا ہے کل، جو ہمارے عرب مہمان تھے ان کی گفتگو پر، میں نے کل ہی ان کی تقریر کے بعد اپنے تحفظ کا اظہار بھی کیا تھا اور ان کی تردید بھی کر دی تھی۔ ان کے بیان سے مغالطہ نہیں ہونا چاہئے۔ سجدہ یا کوئی بھی سجدہ کے مشابہ جو عبادت کی اصطلاحات ہیں وہ مخصوص ہیں، اس کی گنجائش نہ تو کسی قبر کے سامنے سجدہ کرنے کی ہے نہ کسی کو سجدہ تعظیمی کی گنجائش ہے، حرام ہونے میں ان کو کوئی شبہ نہیں ہے، وہ بھی کہتے ہیں کہ حرام ہے، عربی میں ایک طریقہ ہے: رأی المناقشة، کہ کوئی بات کوئی خیال آپ رکھیں مجمع کے سامنے، مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس پر دس آدمی کی رائے سامنے آئے کہ ہر ایک کے دلائل کیا کیا ہیں؟ تو یہ مغالطہ کسی کو نہیں ہونا چاہئے کہ

کسی بھی عرب مسلمان کے ذہن میں کوئی ایسی بات ہے کہ سجدہ غیر اللہ کے لئے جائز ہے ہرگز نہیں۔ عرب اور عجم بلکہ وہ تو ہم لوگوں کے مقابلے میں زیادہ حساس ہیں اس معاملے میں، یہ تو صرف ایک مغالطہ کی بات تھی، اور آج حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب نے بہت اچھی وضاحت کر دی ہے، فرق تھوڑا سا تعبیر کا تھا، مولانا نے تعظیم میں اور عبادت کے مفہوم میں جو فرق بیان کیا ہے کہنا ان کو بھی وہی چاہئے تھا اور یہ وہی چاہ بھی رہے تھے لیکن تعبیر میں جو تھوڑا بہت مجہول تھا اس کی وضاحت میں نے کل بھی کر دی تھی، ان کے سامنے کی تھی، اور انہوں نے معذرت کر لی تھی، آج بھی یہی ہوا کہ چونکہ ان کے مقالے میں ایک موضوع یہ تھا کہ باہم اتحاد و اتفاق کی گفتگو ہو، ایک جزئیہ انہوں نے فقہ کی کتاب سے نقل کیا تھا، جس سے یہ ابہام ہوتا تھا کہ اگر کوئی حنفی شافعی بن جائے تو شافعی قاضی اس کی تعزیر کر سکتا ہے، اس پر حد قائم کر سکتا ہے تو میں نے اس پر اسی وقت آپ کے سامنے اعتراض کیا کہ یہ جزئیہ آپ کے مجموعی مقالے سے جوڑ نہیں کھاتا، اور یہ مثال ایسی ان سی چیزوں کی ہے کہ جیسے ہمارے بعض اچھا پسند لوگ اس طرح کی تعبیرات استعمال کرتے ہیں، انہوں نے فوراً ہی سب لوگوں کے سامنے معذرت کی، کہا کہ اس جزئیہ کو ہم نکال دیں گے اس بحث سے، تو اس لئے کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کے بارے میں غلط فہمی ہو۔

ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر کے اندر وضاحت سے یہ بات لکھی ہے کہ اگر کوئی شخص زنار پہن لے یا کوئی شخص جا کر بت کے سامنے سجدہ کرے تو ہم تو اس کے کفر کا فتویٰ دیں گے اس کی ظاہری حالت کی بنیاد پر، ہم یہ تو تحقیق نہیں کریں گے کہ اس نے تعظیمی سجدہ کیا ہے، تو کل یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ سجدہ کے مفہوم میں یا عبادت کے مفہوم میں یا ہدی کے مفہوم میں کہ غیر اللہ کے لئے ہدی جائز ہو، غیر اللہ کے لئے سجدہ جائز ہو یا غیر اللہ کی عبادت جائز ہو، اس سلسلے میں کسی کی رائے الگ نہیں، ہر ایک کے نزدیک یہ چیزیں حرام ہیں۔ فرق تفصیلات میں جا کر کے

۱۔ اپنا کیس ہم کس طرح ڈیل کر سکتے ہیں، اس کا سلیقہ مسلمانوں کو آنا چاہئے، ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ گجرات کے اندر ایک پادری پر ایک چرچ کے اوپر حملہ ہوا، اس نے اپنے انٹرنیٹ کے ذریعہ اس معاملے کو انٹرنیشنل بنا دیا، اور نتیجہ یہ ہے کہ مغربی ممالک اس کی حمایت کے لئے چلے آئے اور ہندوستان کی حکومت کو منہ کی کھانی پڑی، مسلمانوں کے ساتھ بڑے بڑے معاملات ہو جاتے ہیں لیکن ہم چونکہ میڈیا کا استعمال کرنا نہیں جانتے، لہذا ہمارا خون رائیگاں جاتا ہے، ہمارے حقوق رائیگاں جاتے ہیں، ہماری فیملی برباد ہوتی ہے، ہمارے ادارے برباد ہوتے ہیں، تو ایک تو یہ کہ میڈیا کا استعمال کس طرح کرنا چاہئے، گجرات کا واقعہ ہوا غیر مسلموں نے اس کا استعمال کیا لیکن ہم ابھی تک قاصر ہیں، تو ساتھ ساتھ یہ ہونا چاہئے۔

دوسری چیز جو جڑی ہوئی ہے وہ یہ کہ دہشت گردی کا جواب دہشت گردی نہیں ہے، اشتعال کا جواب اشتعال نہیں ہے بلکہ اعتدال ہے، کاٹنے والا لوہا گرم نہیں ہوتا، گرم لوہا داغ سکتا ہے کاٹ نہیں سکتا، کاٹنے والا لوہا ہمیشہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ سنجیدگی کے ساتھ غور کریں کہ ان حالات کو کیسے تبدیل کر سکتے ہیں۔ حضور ﷺ کی زندگی میں یقیناً ایسے معاملات آئے ہیں، کوئی ابورافع آ جائے گا، کوئی کعب بن اشرف آ جائے گا، کوئی ابو افک آ جائے گا، یہ استثنائی واقعات ہیں، لیکن حضور ﷺ نے جو حکمت عملی اپنائی پورے اس مشرکانہ و ظالمانہ سوسائٹی کو چیلنج کرنے کے لئے اسی حکمت عملی کی طرف ہم کو بڑھنا چاہئے، اس کا ایک طریقہ قانون کا استعمال ہے۔ ظہیر و شیخ کے معاملے میں ہم سب لوگ ناکام ہوئے لیکن اب عدالت نے اس معاملہ کو اپنے اوپر لے لیا تو یہ پوری کی پوری حکومت کے چہرے کے اوپر ایک سیاہ داغ کا دھبہ لگ گیا، اور جسٹس کھرے جو ابھی گذر رہے ہیں مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہئے اس کا کہ اگر ہندوستان میں عدالت برقرار نہیں رہے گی تو لوگوں کے حقوق نہیں مل پائیں گے، قانون کا کیسے ہم استعمال کریں؟ جگہ جگہ پر ہمیں اس کو بھی ڈسکس کرنا چاہئے۔ آخری بات میں کہتا ہوں کہ ٹیررزم

نے کے سلسلہ میں، دہشت گردی کے سلسلے میں ہم لوگ غور کریں۔ یہ بات کہی جاتی ہے کہ اس امت کو امت دعوت بننے کی ضرورت ہے اور مسلم حکومتوں کو قوت مزید حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

مفتی انور علی :

مولانا جلال الدین عمری صاحب کی گفتگو مجموعی طور پر بہت اچھی رہی۔ ان کی اکثر باتوں سے اتفاق ہے لیکن انہوں نے جو قرآن پاک کی آیت پیش کی کہ مسلمانوں کو نہیں چاہئے کہ وہ کافروں کو اپنا دوست بنائیں، اس آیت کو انہوں نے حالت جنگ کے ساتھ خاص کرنے کے بارے میں ایک شبہ ظاہر کیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت حالت جنگ اور حالت امن دونوں کے لئے ہے، دونوں حالتوں میں ہمیں روکا گیا ہے کافروں کو دلی دوست بنانے سے، البتہ اتنا ہے کہ اخلاق کا معاملہ ان کے ساتھ بھرپور مظاہرہ کریں۔ اخلاق کا مظاہرہ کرنا اور ان کو دلی دوست بنانا دو الگ الگ چیزیں ہیں، دونوں کے درمیان کوئی ٹکراؤ نہیں۔

مولانا یعقوب قاسمی :

مجھے کہنا یہ ہے کہ اگر مسلمان کی جان و مال، عزت و آبرو پر حملہ ہو جاتا ہے وہ اتفاقیہ ہو، غیر اتفاقیہ ہو تو ایسی حالت میں مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا دفاع کرے جیسا کہ حدیث کے اندر آیا ہے: "من قتل دون ماله فهو شهيد" تو ایسی صورت میں شہید کا درجہ ملے گا اور ہمارے مخالفین بھی اس سے پست ہوں گے، اور پھر ان کی ہمت نہ ہوگی دوبارہ مسلمانوں کی جان و مال، عزت و آبرو پر حملہ کرنے کی۔ اور بھی میں نے مقالات میں سے ان میں پایا ہے کہ ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں اپنے حقوق کو تسلیم کروانے کے لئے دھرنا دینا یا کسی نوعیت کا احتجاج کرنا یا بھوک ہڑتال کرنا یہ شرعاً جائز ہے۔ میرے خیال میں یہاں پر جتنی جماعتیں ہیں وہ اپنے حقوق کو تسلیم کروانے کے لئے احتجاج کرتی ہیں یا بھوک ہڑتال کرتی ہیں یا دھرنا دیتی ہیں، میری رائے

یہ ہے کہ مسلمانوں پر کوئی زیادتی ہو کسی طرح کی حکومتی سطح پر ہو، یا عوامی سطح پر ہو اور مسلمانوں کے حقوق کا استحصال ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں ہندوستان جیسے جمہوری ملک کے اندر جو طریقہ کار یہاں کے عوام استعمال کرتے ہیں ہمیں بھی اس طریقہ کار کا استعمال کرنا درست ہوگا۔ دھرنا دینا، احتجاج کرنا، یا بھوک ہڑتال کرنا اپنے حقوق کو منوانے کے واسطے شرعاً ہمارے واسطے درست ہوگا۔ اور دہشت گردی کے سلسلہ میں کہنا یہ ہے کہ دہشت گردی ایک ایسا لفظ ہے جس کے ذریعہ خوف و ہراس پیدا کیا جاتا ہے خواہ ذہنی خوف و ہراس پیدا کیا جائے اور اس کو ذریعہ قتل بنایا جائے یا مالی نقصان پہنچایا جائے۔ بہر کیف دہشت گردی کا جب اطلاق مغربی میڈیا کرتی ہے تو اس سے مراد صرف مسلمان ہوتے ہیں دیگر اقوام اس سے مراد نہیں ہوتے ہیں، نہ اس سے وہ اسرائیل کو مراد لیتے ہیں نہ امریکہ کو مراد لیتے ہیں، نہ برطانیہ کو مراد لیتے ہیں، نہ دوسری قوموں کو لیتے ہیں، میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ان تمام چیزوں پر غور ہونا چاہئے۔

مولانا اسرار الحق سبیلی:

بے قصور افراد سے بدلہ لینا جائز نہیں ہے، یہ تو اس مسئلہ کا ایک سادہ پہلو ہے، لیکن ہمیں اس بات پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ جو لوگ براہ راست ظلم میں شریک تو نہ ہوئے ہوں مگر بالواسطہ ان کا ساتھ دیا ہو یا ان کی تائید کی ہو تو کیا وہ لوگ بالکل معصوم سمجھے جائیں گے جب کہ جمہوری ملکوں میں اقتدار اعلی عوام کے پاس ہوتا ہے، عوام سیاسی امور میں رہنمائی اور نمائندگی کے لئے اپنے قائدین کو اقتدار حوالہ کرتے ہیں، اب اگر عوام کو معلوم ہے کہ فلاں پارٹی ایک خاص فرقہ کی دشمن ہے اور ماقبل میں اس نے اس فرقے کے خلاف زبردست تباہی مچائی ہے اور منظم طور سے نسل کشی کی ہے پھر بھی وہاں کی عوام ایسی فرقہ پرست اور ظالم پارٹی کو ووٹ دے اور وہ پارٹی دوبارہ برسر اقتدار آکر ویسی ہی تباہی مچائے تو کیا وہاں کی عوام کو ویسے ہی بے قصور سمجھا

سب سے پہلے ہمیں دہشت گردی کے مفہوم جیسا کہ اہل علم نے اپنی تحریروں میں اس پر گفتگو کی، اور اس کے ان سیاسی پہلوؤں کو جاننا چاہئے جن کی وجہ سے یہ مفہوم پیدا ہوتے ہیں اور پوری دنیا میں پھیل جاتے ہیں، سب سے پہلے اس کا استعمال سیاسی طور پر شمعون پیریز کے پروجیکٹ میں کیا گیا جس کا نام اس نے ''عظیم صیہونی پروجیکٹ'' رکھا، اس پروجیکٹ کو ۱۹۸۷ء میں شائع کیا گیا، اس پروجیکٹ کے ذریعہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ دہشت گردی کے مفہوم کو داخل کر کے عرب اسلامی ممالک کے اندر تشدد پیدا کرے، جہاں حکومتوں کو وجہ جواز حاصل ہو جائے کہ وہ اپنی ہی قوم کو دہشت گردی کے خاتمہ کے نام پر زدوکوب کرے۔ اور مزید اس لئے کہ اسرائیل ایک غاصب اور ظالم حکومت ہے لہذا وہ اس پروجیکٹ کے ذریعہ اپنا مقصد حاصل کر لے، اور وہ مقصد یہ ہے کہ عرب حکومتوں کے ساتھ اس کا تال میل ہو جائے، اور پھر سب ایک ہی ڈور سے بندھ جائیں اور ایک آواز لگائیں کہ ہمیں دہشت گردی کا سامنا ہے۔ پھر اس کے بعد اس مفہوم نے ترقی کی، یہاں تک کہ کمیونزم کے زوال کے بعد اب صرف اسرائیل کے ساتھ عرب حکومتوں کو دہشت گردی سے دوچار کر کے فائدہ اٹھانا نہیں ہے، بلکہ یہ سامراجی طاقتوں کے پوری طرح قابض ہو جانے کا ایک منصوبہ ہے، جس کے پیچھے مقصد یہ ہے کہ اسلامی ممالک اور اس کے ذخائر پر قبضہ کر لیا جائے۔ اور حقیقتاً نیویورک میں ان ٹاورز پر حملے کا حادثہ پیش آنے کے بعد یہ پلان کھل کر سامنے آ گیا ہے، وہ صرف دو برج تھے، لیکن اس کی وجہ سے دو ملک تباہ کر دیئے گئے، ایک افغانستان اور دوسرا عراق۔ لہذا ہمیں اس مفہوم کو ذہن میں رکھنا چاہئے، ہمارے دشمنوں کا ارادہ صرف یہی ہے کہ وہ اس کے ذریعہ ہمارے امور اور ہمارے ملک میں دخل اندازی کریں اور قبضہ کو مضبوط تر بنائیں۔ علماء فقہ اور علماء اسلام کو چاہئے کہ وہ اس حقیقت کا ادراک کریں اور ان پروپگنڈوں کے پیچھے نہ جائیں جنہیں امریکی، صیہونی اور برطانوی خبر رساں ایجنسیاں مسلم علاقوں میں اس طرح پھیلاتی ہیں کہ مسلمان باہمی جھگڑوں اور اندرونی

معرکہ آرائیوں میں الجھ جاتے ہیں، اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں آ جاتے ہیں۔ نتیجۃً آپس
میں ہی معرکہ آرائی شروع کر دیتے ہیں، دوسری طرف نتیجۃً بین الاقوامی فضا انتہا پسندی اور دہشت گردی
کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ بہت کم ہے جسے میں نے بیان کیا ہے۔ میں نے کئی ایک رپورٹیں پڑھی
ہیں جن سے امریکی مفکرین مثلاً فوکویاما اور نوم چومسکی وغیرہ کی جو امریکی فکر میں مشہور ہیں، ان
لوگوں نے صراحتاً اپنے مقالوں میں یہ بات کہی ہے جو کہ امریکی اخبارات میں شائع بھی ہوئی۔
کہ امریکہ چاہتا ہے کہ دنیا کے کسی بھی علاقہ میں دہشت گردی کے خاتمہ کے نام پر اس کے قدم
وہاں پر جم جائیں۔ کسی مسلم ملک میں ہم مثلاً قتل و خونریزی دیکھتے ہیں یا مثال کے طور پر مسلمانوں
نے کسی دشمن کی کھلی ہوئی جنگ ان لڑی دیکھتے ہیں جبکہ ہمارے پاس قوت و طاقت ہے اور نہ
سازوسامان ہے اور نہ ہم اس دشمن سے مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں تو کیا ہمارا امت کوئی
عالم فقیہ یا مفتی آئے اور ان اجنبیوں کو مارنے، ان امریکیوں کو قتل کرنے، یرغمالیوں کے بارے
میں تحقیق کرے اور ہر مقام پر قتل و خونریزی کرنے کا فتویٰ دے دے۔ ان سرگرمیوں کی وجہ سے
جو یہ لوگ اسلامی ممالک میں کرتے ہیں انہیں غور و فکر سے کام لینا چاہئے اور توقف اختیار کرنا چاہئے۔
فتویٰ دینے سے پہلے فقیہ کے پاس دو چیزوں کا علم ضرور ہونا چاہئے جیسا کہ امام ابن القیم نے اعلام
الموقعین میں فرمایا ہے: اولاً یہ کہ مفتی جس مسئلہ میں فتویٰ دے رہا ہے اس مسئلہ کی صورتحال کو سمجھتا
ہو، اور دوسرے یہ کہ ان حالات کو بھی سمجھتا ہو جس میں وہ فتویٰ دینا چاہتا ہے۔

امام محمد بن حسن شیبانی کی السیر الکبیر اور السیر الصغیر، اور شرح الامام سرخسی
اور اسی طرح امام ابو یوسف کی کتاب الخراج وغیرہ یہ سب کتابیں بہت ہی اہم ہیں۔ یہ سب
کتابیں فقیہ کے پیش نظر ہونی چاہئیں، اور فقیہ کو اپنے گردوپیش کی صورتحال اور سیاسی امور سے بھی
بخوبی واقفیت ہونی چاہئے تاکہ ان کا یہ فتویٰ مناسب اور صحیح ہو، اور اس کے نتیجہ میں قتل
وغارتگری اور مسلمانوں کی عزت و اموال کی بربادی کی صورت نہ پیدا ہو۔ اس مسئلہ میں ایک اہم

قضیے کو ہمیں سمجھ لینا چاہئے، اور وہ یہ کہ مسلمانوں کی کمزور حکومت اپنے دشمن کا سامنا نہیں کر پاتی ہے۔ جیسا کہ مکہ کے مسلمانوں نے قریش سے مقابلہ آرائی نہیں کی اور نہ ان سے قتال کیا۔ یہاں تک کہ نبی ﷺ نے تیرہ سال کی مدت کے بعد ہجرت کی، جب آپ ﷺ نے صبر و قناعت کے ساتھ گزارا۔ اور جب آپ ﷺ کے پاس زمین ہو گئی اور لشکر تیار ہو گیا تو اس وقت آپ ﷺ نے قریش سے قتال کیا، لیکن آپ ﷺ نے اس سے پہلے ان سے قتال نہیں کیا۔ علماء کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے مکی حالت منسوخ نہیں ہوئی ہے، جبکہ وہ اسباب پائے جا رہے ہیں، اور وہ کمزور ہونا اور ساز و سامان اور تعداد کی قلت ہے، لہذا مسلمانوں کو فوراً ہی اپنے دشمن کے مقابلہ پر نہیں آنا چاہئے جب تک کہ وہ تیاری نہ کرلیں، اور طاقتور نہ ہو جائیں اور دشمن سے مقابلہ کے لئے بڑی تعداد میں لوگ جمع نہ ہو جائیں۔ آخر میں میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری باتیں غور سے سنیں، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب کو اس کام کی توفیق دے جس سے وہ راضی ہو۔

ادارۃ القرآن کراچی کی چند اہم اور مفید مطبوعات

احكام القرآن ۵ جلد الطبعة الاولى	للتهانوی
اعلاء السنن ۲۲ جزءا	ظفر احمد العثمانی
مكانة الامام ابی حنيفة بين المحدثين	قاسم عبده الحارثی
الاشباه والنظائر مع شرحه غمز عيون البصائر	لابن نجيم
التفسير والمفسرون	محمد حسين الذهبی
الجامع الصغير مع النافع الكبير	للامام محمد
شرح الطيبی علی مشكاة المصابيح ۱۲ جلد	للعلامة الطيبی
العقائد الوثنية فی الديانة النصرانية	محمد طاهر التنير
الفتاوی التاتارخانية ۵ مجلد	قاضی سجاد حسين
الفهرس الموضوعی لآيات القرآن الكريم	لسيد مصطفی
الديباج شرح صحيح مسلم بن الحجاج ۴ مجلد	للسيوطی
القاموس الفقهی (لغة و اصطلاحا)	لسعدی ابو جيب
القانون الدولی الاسلامی (كتاب السير من كتاب الاصل)	للامام محمد
الكوكب الدری علی الجامع الترمذی ۴ مجلد	للكنكوهی
المبسوط للسرخسی ۳۱ اجزاء مع الفهارس	للسرخسی
المحاضرات فی النصرانية	لابی زهرة
المدخل الی دراسة علم الكلام	حسن الشافعی
المصنف لابن ابی شيبة ۹ ۱ مجلد	لابن ابی شيبة
النكت الطريفة فی التحدث عن ردود ابن ابی شيبة علی ابی حنيفة	للعلامة الكوثری
تبييض الصحيفة بتقديم عبد الرشيد النعمانی	للسيوطی

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، گلشن اقبال کراچی، فون: ۴۹۶۲۵۸۷۷